ان دی لائن آف فائر

جنرل صدر پرویز مشرف صاحب کی کتاب نہیں بلکہ پرویز مشرف صاحب کی کتاب "ان دی لائن آف فائر" پر کافی تبصرے ہو چکے ہیں اور اس کتاب کے اقتباسات بھی کئی جگھوں پر چھپ چکے ہیں۔ ہم نے جنرل اور صدر کے لاحقے اس لئے ہٹا دیئے ہیں کہ ان کی کتاب پر ان کا نام پرویز مشرف لکھا ہے اور پھر ان کی فوٹو بھی وردی کے بغیر ہے۔

ہم یہاں پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں جو کسی تعصب اور بغض سے آزاد ہوگی۔ اگر کہیں کڑواہٹ زیادہ آجائے تو امید ہے صاحبِ کتاب برا نہیں منائیں گے۔

پرویز صاحب نے اپنی آپ بیتی اپنے بچپن کے واقعات سے شروع کی ہے اور سب سے پہلے اپنی ہجرت کا ذکر کیا ہے جس میں ان کے والدین سات لاکھ روپوں کی امانت انڈیا سے حکومتِ پاکستان کیلئے لائے۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ سات لاکھ انہیں ملے کہاں سے تھے۔ کیا وہ ان کی جمع پونجی تھی یا برٹش انڈیا حکومت کی تجوری توڑی تھی۔

پرویز صاحب کا ایک اور انکشاف بھی آنکھیں کھول دینے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ نبی پاک صلعم کی لڑی میں سے ہیں۔ بقول ان کے ان کے دادا سید شفیع الدین حضرت محمد صلعم کی آل میں سے تھے اور ان کے آباؤاجداد سعودی عرب سے ہندوستان آئے تھے۔ چلیں مان لیا کہ یہ سچی بات ہے مگر بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ پرویز صاحب نے اپنے آباؤاجداد کی لاج نہیں رکھی اور وہ وہ کارنامے انجام دیئے ہیں جن کا نبیِ آخرزماں صلعم کی خصوصیات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اب پتہ نہیں کیوں انہوں نے ایسی بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو ان کے اعمال سے ثابت نہیں ہو رہی۔

پرویز مشرف نے یہ تو بتایا ہے کہ ان کی والدہ ہندوستان میں کیا کام کرتی تھیں مگر والد صاحب کی نوکری کا ذکر گول کر گئے ہیں۔

انہوں نے اپنی والدہ کی رحمدلی کا ذکر بھی کیا ہے جس میں وہ چور کو معاف ہی نہیں کرتیں بلکہ اس کو کھانا بھی کھلاتی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ پرویز صاحب نے چوروں کو معاف کرنے کی عادت ورثے میں پائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اب تک کسی چور کو سزا نہی دلوائی بلکہ قرضہ خوروں کو عام معافی دے دی ہے حالانکہ حکومت میں آنے کے بعد انہوں نے قرضے معاف کرانے والوں کے محاسبے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ وعدہ اسی طرح ہوا ہوگیا جس طرح وردی اتارنے کا وعدہ تھا۔ ابھی حال ہی میں امریکہ کے دورے کے دوران ایک ٹی وی پر انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وردی اتارنے کا وعدہ زبانی کلامی تھا اس لئے اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ بقول عبدل القادر حسن کے پرویز صاحب نے زبان سے کئے گئے وعدے کو توڑ کر اپنے ملک کے تاجروں کیلئے کوئی اچھی مثال نہیں چھوڑی جو روزانہ زبان کی بنیاد پر کروڑوں کا کاروبار کرتے ہیں۔

پرویز مشرف نے چار سے چھ سال کی عمر میں ہی عہد کرلیا تھا کہ اگر پاکستان کی حفاظت اپنی جان دے کر بھی کرنی پڑی تو وہ کریں گے۔ اس چھوٹی سی عمر ایسی سوچ کا ہونا بہت بڑی بات ہے۔

پتہ نہیں پرویز مشرف نے اپنی والدہ کے موسیقی کیساتھ لگاؤ اور ان کی سہیلی آواز کا ذکر کرکے کیا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر بعد میں اپنے والدین کو ایک رقص کے مقابلے میں کامیاب کراکے پاکستانیوں کو کیا پیغام دیا ہے۔ کیا یہ ساری باتیں صرف روشن خیالی کا امیج بہتر بنانے اور یورپین کو خوش کرنے کیلئے تو نہیں کہی گئیں۔ ہوسکتا ہے انہوں نے سوچا ہو اسی طرح پاکستان کے چہرے سے انتہاپسندی کا لیبل ہٹایا جا سکے۔ کیا آلِ نبی صلعم سے ہم یہ وقع کرسکتے ہیں کہ وہ ملکہ برطانیہ کی تاج پوشی پر ڈانس کرے اور پھر اول انعام کے حقدار بھی قرار پائیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آل حضرت محمد صلعم کی ہو اور وہ اس طرح کی اوچھی حرکت کرے۔ اس صورت میں صرف دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو آپ آلِ محمد صلعم سے نہیں ہیں یا پھر آپ گمراہ ہوچکے ہیں اور دینِ اسلام کو چھوڑ چکے ہیں۔

پرؤیز صاحب نے اپنی بچپن کی شرارتوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن انہوں نے ؤہی شرارتیں کیوں چنیں جن میں تخریب کاری کا عنصر نمایاں ہے۔ بلکہ ؤہ اپنی چوری کی عادت کو بھی بڑے فخریہ انداز سے بیان کرتے ہیں۔ ترکی میں قیام کے دؤران انہوں نے پھلوں کی چوری کا قصہ بیان کیا ہے اس قصے کو بیان کرکے انہوں نے پہلے ہی سے کرپٹ معاشرے کیلیئے کوئی اچھی مثال نہیں چھوڑي۔

ترکی میں قیام کے دؤران ان کے ؤالدین نے ایک کتا بھی پال رکھا تھا جس کا نام "ؤہسکی" تھا۔ اب یہ پرؤیز صاحب ہی بتا سکتے ہیں کہ یہ نام انگریزی تھا یا ترکی۔ ترکی میں تو کبھی ایسا نام سنا نہیں اؤر اگر انگریزی نام تھا تو اس کا مطلب ہوا شراب۔ ایک انسان جو اپنے آپ کو نبی پاک صلعم کی آل میں سے سمجھے اؤر اپنے کتے کا نام "ؤہسکی" رکھے اس تضاد کی سمجھ نہیں آئی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام کتا گھر رکھنا ہی گناہ ہے سوائے اپنی حفاظت کے اؤر اس پر طرّہ یہ کہ اس کا نام "ؤہسکی"۔ کتاب میں یہ نہیں بتایا گیا کہ کتے کا نام "ؤہسکی" کس نے رکھا اؤر کیوں رکھا۔ بعد میں کتا ایک ٹریفک حادثے میں ہلاک ہوگیا لیکن پرؤیز صاحب نے یہ بات بھی نہیں بتائی کہ یہ حادثہ کس کی غفلت سے پیش آیا اؤر جانورؤں سے پیار کرنے ؤالی کی یہ لاپراؤہی کچھ جچی نہیں۔

ترکی میں سات سال قیام کرنے کے بعد پرؤیز صاحب بارہ سال کی عمر میں اپنے ؤالدین کیساتھ کراچی تشریف لے آئے۔ یہ انیس سو پچپن کا زمانہ ہے اؤر اس دؤر میں ان کے ؤالد کے پاس آسٹن کار تھی۔

لڑکپن کراچی میں

پرؤیز صاحب جب ترکی سے ؤاپس کراچی آئے تو لڑکپن کی حدیں پار کررہے تھے۔ ان کے ؤالد دفترِ خارجہ میں نوکری کرنے لگے مگر ان کے عہدہ کیا تھا اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔ ان کی ؤالدہ کو ؤلندیزی جوڑے کی سفارش پر نوکری ملی نہ کہ اپنی قابلیت پر۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ لکھنؤ یونیورسٹی کی ایک ایم اے پاس عورت نے سیکریٹری کی نوکری کیوں کی۔ کیا ؤہ اس قابل نہیں تھیں کہ اس دؤر کی ایم اے پاس لڑکی کو اس سے اچھی نوکری ملتی۔ بہرحال سفارش پر نوکری حاصل کرنے کی مثال یہاں پر نہ دیتے تو اچھا تھا۔ پھر اس نوکری کا سب سے بڑا فائدہ یہ گنوایا گیا ہے کہ انہیں ایک اچھا سا ریڈیو سستے داموں مل گیا۔ جو خاندان اس ؤقت آسٹن کار رکھتا ہو کیا اس کیلیئے اس زمانے میں ریڈیو خریدنا اتنا ہی مشکل تھا۔

کہتے ہیں تیرہ سال کی عمر میں انہوں نے نویں کلاس میں داخلہ لیا۔ یہاں پر یا تو ان کی عمر کم لکھی گئی ہے یا پھر آٹھویں میں داخلہ لیا ہوگا۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہونہار ہونے کی ؤجہ سے ایک درجہ ترقی مل گئی ہو۔

کہتے ہیں ناظم آباد کے ایک گینگ میں بھی شامل ہوگیا۔ اپنے محلے کے دؤسرے گینگ کے لڑکے کو پیٹنے کی ؤجہ سے انہیں محلے میں "دادا گیر" کہا جانے لگا۔ انہوں نے اس لڑائی سے یہ سبق سیکھا کہ غنڈؤں کو شرؤع ہی میں پیٹ کر سیدھا کردؤ تاکہ ؤہ بعد میں آپ کے مقابلے پر نہ آسکیں۔ یہ سبق پرؤیز صاحب کو کمانڈؤ کی نوکری کے دؤران بہت کام آیا۔ یہ سبق کس طرح کام آیا اس کی تشنگی رہ گئی ہے مگر ان کے حکومت

سنبھالنے کے بعد انہوں نے اس سبق سے جو فوائد حاصل کئے ہیں اس کے سبھی گواہ ہیں۔ بدمعاش زرداری کو تب تک جیل میں رکھا جب تک اس نے ڈیل نہ کرلی۔ اپنے سب سے بڑے حریفوں نواز شریف اور بے نظیر کو جلاوطن کردیا اور منہ پھٹ جاوید ہاشمی اور یوسف گیلانی کو جیل بھیج دیا تاکہ وہ ان کے کاروبارِ حکومت میں رکاوٹ نہ بن سکیں بلکہ اس کے بعد چھ سو سے زیادہ لوگوں کو غیروں کے ہاتھ بھی بیچ دیا۔ پی پی پی پیڑیاٹ کے لوگوں کو نیب کا ڈراوا دے کر اپنے ساتھ ملایا۔ شیخ رشید اور ڈاکٹر شیر افگن کو بھی لگتا ہے اسی سبق کی بنا پر اپنی حکومت میں شامل کیا تاکہ ان کی موشگافیاں پر تالے لگائے جاسکیں۔ اس تربیت کی وجہ سے پرویز صاحب نے یہ گر بھی سیکھا کہ طاقتور کے آگے جھک جاؤ اور کمزور کی ہڈی پسلی ایک کردو۔ اپنے مفاد کیلئے جتنے وفاداروں کی بھی قربانی دینی پڑے دو اور اپنے وعدوں کا پاس نہ رکھو۔

شکر ہے صدر نے اپنے اساتذہ کے احترام کا ذکر کیا ہے اور اپنے استاد کی سزا جو انہیں شرارت کرنے پر ملی تھی ابھی تک یاد رکھی ہوئی ہے۔ پتہ نہیں فادر ٹوڈ نے ابھی تک ان کے دورِ حکومت کے دوران کوئی مشورہ کیوں نہیں دیا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ اب تو سیدھے ہوجاؤ۔ لگتا ہے اب پرویز صاحب کو کسی کی مشورے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ خود جانتے ہیں کہ ان کیلئے اچھا کیا ہے اور برا کیا۔

تیرہ سال کی عمر میں نویں جماعت میں اور پندرہ سال کی عمر میں دسویں میں۔ کہیں حساب میں گڑبڑ ہورہی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کراچی آنے کے بعد پرویز صاحب نے نویں کلاس م یں دو سال لگائے ہوں۔

پندرہ سال کی عمر میں عشق کیا بات ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ عمر لاابالی ہوتی ہے۔ ہمارے ایک استاد کہا کرتے تھے کہ اگر شادیاں کامیاب کرانی ہیں تو لڑکوں کی شادیاں پندرہ سال کی عمر میں کرکے دیکھو۔ اس وقت لڑکے یہ نہیں دیکھتے کہ لڑکی گوری ہے یا کالی بس انہیں لڑکی چاہئے ہوتی ہے اور سو فیصد امید ہے کہ اس وقت انہیں اپنی بیوی سے عشق ہو جائے گا اور شادیاں ناکام نہیں ہوں گی۔ پرویز صاحب کو عشق ہوا اور انہوں نے اپنے بھائی اور نانی کو بطورِ قاصد استعمال کیا مگر یہ عشق ایک معمولی بات کی وجہ سے ختم ہوگیا یعنی گھر بدلنے کی وجہ سے۔ ہم نے تو سن رکھا ہے کہ جب عشق ہو جاتا ہے تو پھر وہ کچھ نہیں دیکھتا۔ رانجھا ہیر کے پیچھے تخت چھوڑ دیتا ہے، سوہنی مہینوال کو ملنے دریا پار کر کے جاتی ہے مگر پرویز صاحب مکان بدلنے کے بعد عشق ہی چھوڑ بیٹھے۔ لڑکی کیا سوچتی ہوگی کہ کیسا کچا عاشق تھا جس نے دوری کا بہانہ بنا کر اس سے بیوفائی کی۔

پرویز صاحب کے والدین نے مکان بدلا تو پرویز صاحب نے محبوبہ بدل لی۔ یہ بھی لگتا ہے گینگ میں شامل ہونے کا نتیجہ ہو کہ اپنی خوہشیں پانے کیلئے جان کو جوکھوں میں نہ ڈالو بلکہ شارٹ کٹ ڈھونڈو۔ اب پہلی محبوبہ کو ملنے کون بسوں اور ٹرینوں کے دھکے کھاتا۔ انہوں نے اچھا کیا کہ پڑوس میں ہی اس کا نعم البدل ڈھونڈ لیا۔ ہرجائی پن کی یہ عادت لگتا ہے پرویز صاحب کے ساتھ ہی ہے تبھی انہوں نے طالبان کو پہلے تسلیم کیا اور پھر ان کو ایسا ٹھینگا دکھایا کہ ان کی حکومت کا نام ونشان ہی مٹا دیا۔ وردی بدلنے کا وعدہ کیا مگر توڑ دیا۔ قرض نادہندگان کو پکڑنے کی بات کی مگر بعد میں ارادہ بدل لیا۔ اب آگے پتہ نہیں ان کا یہ ہرجائی پن کس کس کی قسمت کو ڈبوئے گا۔

جب معاشقوں اور داداگیری کے چکروں میں پڑنے کے بعد تعلیم سے بیگانگی دکھائی تو میٹرک میں سیکنڈ کلاس آئی۔ اس کے بعد ان کی ماں نے فیصلہ کیا کہ ان کے بڑے بیٹے تو سی ایس ایس اور ڈاکٹری کریں گے مگر انہیں فوج میں بھیجا جائے گا۔ اور اس کی وجہ ان کا شرارتی پن بتائی گئی۔

ہم نے توآج تک یہی دیکھا ہے کہ جو لڑکا انجنیئرنگ یا میڈیکل میں داخلے سے محرؤم ہوجاتا ہے ؤہ فوج میں کمیشن لے لیتا ہے۔ یہ بھی دیکھا ہے کہ فوج ؤالے نہ تو بہت ہی نالائق لڑکوں کو کمیشن دیتے ہیں اؤر نہ ہی بہت ذہین کو۔ ذہین لڑکوں داخلہ نہ دینے کی یہ ؤجہ ہوتی ہے کہ ؤہ ہر بات منطق سے کرتے ہیں لیکن فوج میں تو صرف سینیئرز کا آرڈر چلتا ہے اسلئے اس ادارے میں اس آدمی کی کوئی ضرؤرت نہیں ہوتی جو عقل سے کام لے۔ پرؤیز صاحب نے اس حقیقت کو چھپانے کیلئے اپنے شرارتی پن کو موردِ الزام ٹھرایا ہے ۔ یہ جواز کچھ کمزؤر سا لگتا ہے۔ ایک اؤر بات کی سمجھ نہیں آئی کہ میڑک کے بعد ہی یہ فیصلہ کیوں کرلیا گیا اؤر ایف ایس سی تک کیوں انتظار نہیں کیا گیا۔ پرؤیز صاحب چاہتے تو کالج میں زیادہ محنت کرسکتے تھے کیونکہ کالج کے زمانے میں انہوں نے کوئی عشق نہیں کیا اؤر ایف ایس سی میں اچھے نمبر لے کر اپنے دؤسرے بھائیوں کی طرح ڈاکٹر یا انجنیئر بن سکتے تھے۔

پرؤیز صاحب لکھتے ہیں کہ انہیں لاہور پڑھائی کیلئے اسلئے بھیجا گیا کہ کراچی کے کالجز اچھے نہیں تھے۔ حالانکہ کراچی ؤہ شہر ہے جہاں سب سے زیادہ پڑھے لکھے مہاجر آکر آباد ہوئے اؤر ان کی اؤلادؤں نے بھی کراچی سے تعلیم حاصل کرکے کامیابیاں حاصل کیں۔ کراچی اس ؤقت ملک کا دارالخلافہ تھا اؤر ؤہاں پر تعلیم کا نظام بہت اچھا تھا۔ اس دؤر میں جب کراچی رؤشنیوں کا شہر تھا اسے چھوڑنے کا یہ بہانہ کرنا کہ ؤہاں کے کالجز اچھے نہیں تھے یہ ٹھیک نہیں لگتا۔

ایف سی کالج لاہور کا زمانہ

لاہور میں صدر صاحب ایف سی کالج میں داخل ہوگئے جو بقول ان کے اُس ؤقت انگریز ٹائپ، جدید طرز کے طالبعلموں کیلئے مشہور تھا۔ مگر ہمیں اس بات پر حیرانی ہے کہ میٹرک میں سیکنڈ کلاس میں پاس ہونے کے بعد انہیں اس کالج میں داخلہ کیسے مل گیا۔ بہرحال پرؤیز صاحب نے ہوسکتا ہے ؤالدین کے کہنے پر ایک دفعہ مزید کوشش کی ہو ڈاکٹر بننے کی مگر ایف ایس سی میڈیکل میں اچھے نمبر نہ آنے کی ؤجہ سے جب انہیں کسی میڈیکل کالج میں داخلہ نہ ملا ہو تو انہوں نے ؤالدہ کی منشا کے مطابق فوج میں جانے کا فیصلہ کرلیا۔ یہاں پرؤیز صاحب نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے ایف ایس سی {میڈیکل} لکھا ہے اؤر ذرا بھی جھجھک محسوس نہیں کی یہ اعتراف کرنے میں کہ میڈیکل کے مضامین چننے کے بعد ؤہ آرمی میں اس لئے گئے کہ انہیں میڈیکل کالج میں داخلہ نہیں ملا تھا۔

اسلامیہ کالج پر جو انہوں نے دیسی کالج کے لڑکوں کا لیبل لگایا ہے اس کا جواب تو اسلامیہ کالج کے ؤہ ہونہار طلبہ ہی دے سکتے ہیں جنہوں نے بھی آرمی جوائن کی ہوگی اؤر کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہوں گے۔۔ یورپ میں اگر آپ کسی کو دیسی یا کالا کہ کر پکاریں تو یہ نسل پرستی یعنی "ري س ازم" میں شمار ہوتا ہے۔ پرؤیز صاحب کو دیسی لفظ یہاں استعمال نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

پرؤیز صاحب اس کے بعد مقامی کالجوں کا بین الاقوامی یونیورسٹیوں سے موازنہ کرتے ہیں اؤر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مقامی کالجوں سے پڑھے ہوئے لوگ اپنی ثقافت سے آگاہ ہوتے ہیں اؤر بیرؤنی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ عموماً پاکستانی تاریخ اؤر اپنی تہزیب ؤثقافت سے نابلد ہوتے ہیں اؤر اس طرح کے لوگوں نے اپنی کرپشن کے ذریعے بلکہ غیر ملکی سیاسی اؤر اقتصادی تصورات کے ذریعے پاکستان کو نقصان ہی

پہنچایا ہے۔ ظاہر ہے اشارہ ذوالفقار علی بھٹواور بینظیر بھٹوکی طرف ہے مگر وہ یہ بات بھول گئے ہیں کہ ان کے بچے بھی امریکہ میں صرف پڑھے ہی نہیں بلکہ وہاں نوکری بھی کر رہے ہیں۔ اسطرح پرویز صاحب نے بحیثیت والد بچوں کو پاکستان میں نہ پڑھاکر اور رکھ کر وہ فرض پورا نہیں کیا جو ان کے والدین نے کیا تھا۔ ہمارا ملک اسی دوغلی لیڈرشپ کی وجہ سے آج تک ترقی پزیر ہے اور اربوں ڈالر کا مقروض ہے۔ اگر ہم لوگ ظاہر و باطن سے ایک ہوتے اور وہی کرتے جو کہتے تو ملک کی حالت وہ نہ ہوتی جو آج ہے۔ امید ہے پرویز صاحب اپنی اس کمزوری کی طرف دھیان دیں گے اور اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس برائی سے چھٹکارے کی تلقین کریں گے۔ اب اگر ہم موجودہ سیٹ اپ دیکھیں تو پرویز صاحب کی آدھی کابینہ غیرملک پلٹ ہے اور ان کے پاس دوہری سیٹیزن شپ ہے۔ اب بقول پرویز صاحب کے یہ لوگ پاکستان کی تاریخ اور ثقافت سے خاک آگاہ ہوں گے اور ان کے دل میں پاکستان کیلئے خاک ہمدردی ہوگی۔ پرویز صاحب کو چاہیئے کہ وہ اپنے اس فارمولے پر عمل کریں اور صرف ان لوگوں کو اپنی کابینہ میں رکھیں جو مقامی یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہوں اور جن کو پاکستان اور اس کے عوام کی بہبود کا احساس ہو۔ کیا پرویز صاحب اپنی حکمرانی کو داؤ پر لگاکر پاکستان کی خاطر یہ قدم اٹھا سکتے ہیں؟

پرویز صاحب نے اپنی لیڈرشپ کی خصوصیات کو اجاگر کرنے کیلئے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ مسٹر ایف سی کالج بھی منتخب ہوئے اور انہوں نے سال اول کے نمائندے کے انتخاب میں بھی حصہ لیا مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ انتخاب میں ہارے یا جیتے اور اگر ہارے تو انہوں نے شکست کیسے قبول کی؟ پھر انہوں اپنی پہلی پبلک میٹنگ میں تقریر کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ آدمی اپنی پہلی تقریر میں ضرور نروس ہوتا ہے۔ یہ کمی ہم نے ان کی حکمرانی کے شروع کے دور میں بھی محسوس کی ہے جب شروع شروع میں وہ ٹی وی پر قوم سے خطاب کرنے آتے تھے تو ان میں وہ خوداعتمادی نہیں ہوتی تھی جواب نظر آتی ہے۔

پرویز صاحب نے رات کوچوری چوری بھاگ کر فلمیں دیکھنے کا تزکرہ کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ وہ رات کو مسجد میں اسلیئے سوجاتے تھے کہ کالج کے گیٹ بند ہوتے تھے۔ شکر ہے اپنی روشن خیالی کے زعم میں انہوں نے یہ نہیں کہا کہ وہ مسجد نماز پڑھنے نہیں بلکہ صرف سونے جاتے تھے۔ ہمیں نہیں یاد کہ انہوں نے کتاب میں کہیں اپنے مزہبی رجحانات کا بھی ذکر کیا ہو سوائے شروع میں آلِ نبی صلعم کے سپوت ہونے کے۔ اچھا ہوتا اگر دوچار باتیں وہ اپنے مزہب اسلام کیساتھ لگاؤ کی بھی لکھ دیتے۔ مگر آج کے اس دور میں جب اسلام کو انتہاپسند مزہب ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے پرویز صاحب کیلئے یہ کام مشکل لگا ہوگا۔

صدر صاحب نے اپنی شرارتوں کی مثال بھی دی ہے تو ٹائم بم بنانے اور اس کو چلاکر ہوسٹل کے وارڈن کو حراساں کرنے کی۔ ہوسکتا ہے اسطرح انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ ان کا ذہن شروع سے ہی فوجی تھا اور ایف ایس سی میڈیکل میں داخلہ ان کی مجبوری تھی۔ لیکن اس شرارت کا ذکر کرکے انہوں آج کے دور کے طالبعلموں کیلئے کوئی اچھی مثال نہیں چھوڑی۔ اگر وہ چاہتے کسی اور شریفانہ شرارت کا بھی حوالہ دے سکتے تھے۔ جب بم پھٹے تو وہ بھی پیشہ ور تخریب کاروں کی طرح دوسرے لوگوں کیساتھ حادثے کی جگہ پر پہنچے تاکہ کسی کو ان پر شک نہ ہو۔ بعد میں انہوں نے اپنے بیگناہ دوست کی جان چھڑانے کیلئے اپنا جرم قبول کرلیا مگر اس کی سزا جو انہیں ملی ہوگی اس کا انہوں نے ذکر نہیں کیا بلکہ صرف معافی پر معاملہ ختم کردیا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اتنی بڑی شرارت پر آپ کو آسانی سے معافی مل جائے۔ ہوسکتا ہے دوچار دن کیلئے کالج سے

بیدخل کردیا گیا ہو یا پھر کالج سے مستقل طور پر خارج کردیا گیا ہو اور بعد میں سفارش پر انہیں واپس داخل کیا گیا ہو۔ لیکن اسطرح پرویز صاحب کو معلوم ہوا کہ سچ میں کتنی طاقت ہوتی ہے اور یہ بات انہوں نے ہمیشہ یاد رکھی۔ اب سبق کو انہوں نے آنے والی زندگی میں استعمال کیا کہ نہیں یہ ان کو معلوم ہے یا ان کی عملی زندگی کی کارکردگی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

پرویز صاحب کہتے ہیں کہ ان کے والدین نے جن اقدار کا سبق انہیں دیا تھا وہ ہمیشہ ان کیساتھ رہیں۔ اچھا ہوتا اگر پرویز صاحب اپنے والدین کی اقدار کا ذکر بھی کردیتے تاکہ ان کی شرارتوں سے جوامیج ایک قاری کے ذہن میں بنتا ہے وہ ان سے مختلف اندازے نہ لگاتا یعنی نعوذباللہ ان کے والدین نے انہیں صرف چوری اور تخریب کاری کی اقدار سکھائیں ہوں گی۔

کاکول اکیڈمی

امکان غالب ہے کہ جب پرویز صاحب کے نمبر ایف ایس سی پری میڈیکل میں اچھے نہ آئے اور انہیں کسی بھی میڈیکل کالج میں داخلہ نہ ملا تو انہوں نے والدہ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے فوج میں بھرتی کیلئے درخواست دے دی۔ یہاں پرویز صاحب کی درمیانے درجے کی قابلیت کام آئی اور انہیں آرمی میں کمیشن مل گیا یعنی انہیں ٹریننگ کیلئے منتخب کرکے کاکول اکیڈمی بھیج دیا گیا۔

کاکول اکیڈمی کی ٹریننگ کو پرویز صاحب نے مٹی کے برتن بنانے سے تشبیہ دی ہے یعنی جس طرح کمہار کے ہاتھوں مٹی کا برتن بنتا اور آگ میں پکتا ہے اسی طرح ایک کیڈٹ اپنے انسٹرکٹروں کے ہاتھوں پٹتا ہوا آرمی کا آفیسر بن جاتا ہے۔ان کی اس کمہار کی تشبیہ کو سمجھنے کیلئے آپ مندرجہ ذیل پنجابی کی نظم پڑھئے جواس موقع پر فٹ بیٹھتی ہے۔

پہلاں کہ ي‌اں پھڑ کمہ ي‌ار نے م ي‌ري دت ي خاک اڈا

ف ي‌ر ب ي‌رے ب ي‌رے کر کے ل ي‌ا بورے دے وِچ پا

پا پان ي کہان ي کرلئ تے سٹ ي‌ا وٹنوں دوُر

پ ي‌ري‌ں پ ي‌ئے نوں لتاں ماري‌اں م ي‌ري‌اں ہڈي‌اں ک ي‌ت ي‌اں چور

ف ي‌ر تھتھوا پھڑ کے کہ دا م ي‌رے ک ي‌تے پاسے لال

دے چکر چک نص ي‌ب دے م ي‌نوں حالوں ک ي‌تا بے حال

م ي‌نوں گل سکا اُس کر کے دِتا آوي وِچ چڑھا

میں نوں چاہڑ کے پنجا ہجر دی تے لمبو دِتا لا

میں روُروُچی کاں ماریاں میری کسے نہ سنی ڈھا

میں کچیؤں پکا ہوگیا ایڈے دکھ اُٹھا

فیر آیاں مکھ تے لالیاں لگے پرکھن سوہنے نین

اے باہواں چوڑے وٗالیاں ایؤیں گل کسی دے نہ پہن

اپنی تعریف کرتے ہوئے پرؤیز صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے ؤہاں خوب محنت کی چنانچہ ؤہ ہمیشہ اؤل رہنے ؤالے اپنے چند ساتھی کیڈٹوں میں سے ایک تھے ۔ لیکن ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ ؤہ کاکول میں نظم ؤضبط کی پابندی نہیں کرتے تھے بلکہ لڑائی جھگڑے ؤالے نوجوان تھے ۔ ہماری اطلاع کے مطابق اگر آپ نظم ؤضبط کے پابند نہیں تو پھر آپ چوٹی کے چند کیڈٹوں میں نہیں ہوسکتے کیونکہ نظم ؤضبط کے نمبر بھی کاکول اکیڈمی میں اتنے ہی ہوتے ہیں جتنے پڑھائی کے ۔ اب پتہ نہیں یہ تضاد پیدا کرکے پرؤیز صاحب نے کیا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اسی نظم ؤضبط کی خرابی کی ؤجہ سے انہیں انگلینڈ کورس پر نہیں بھیجا گیا۔ یہاں بھی ؤہ ڈنڈی مار گئے ہیں ۔ انہیں معلوم ہے کہ فوج میں صرف ایک ہی خصوصیت ہے جو اسے عام لوگوں سے اؤنچا کرتی ہے اؤر ؤہ ہے اس کا ڈسپلن ۔ اب اگر آپ ڈسپلن کی پابندی نہیں کریں گے تو پھر کیسے توقع کریں گے کہ آپ کو کورس کیلئے منتخب کیا جائے گا۔ ہمیں تو اس بات پر حیرانی ہے کہ اتنی بڑی خصلت ہونے کے باؤجود پرؤیز صاحب کاکول اکیڈمی سے کیسے پاس آؤٹ ہوگئے ۔

یہاں پر پرؤیز صاحب اپنے ایک ساتھی جنرل علی قلی خان کا بھی ذکر کرتے ہیں ۔ یہ ؤہی جنرل ہیں جن کو سپرسیڈ کرکے پرؤیز صاحب کو چیف آف سٹاف بنایا گیا اؤر بقول پرؤیز صاحب کے جنرل قلی نے دلبرداشتہ ہوکر استعفیٰ دے دیا اؤر گھر چلے گئے ۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فوج جس نظم ؤضبط کو اپنی خوبی بیان کرتی ہے ؤہ ٹاپ کی پوزیشنوں سے غائب ہوجاتا ہے اؤر پھر جنرل ایک دؤسرے کو "لتاڑنا" شرؤع کر دیتے ہیں ۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ اگر ایک جنرل کا حق مارا جا رہا ہو تو دؤسرے جنرلوں کو اس کی حمائت کرنی چاہئے ۔ مگر ایسا نہیں ہوتا اؤر دؤسرے جنرل کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے یہ تصور کرلیتے ہیں کہ ان کی باری نہیں آئے گی اؤر احتجاج نہیں کرتے ۔ پھر اس کو کالے کتے نے کاٹا ہے کہ احتجاج کرے جو اس ؤجہ سے ترقی پارہا ہے ۔ اس کو کہتے ہیں ایک دؤسرے کی ٹانگ کھینچنا۔ بحیثیتِ قوم ہم لوگوں میں یہ عادت بہت پرانی ہے اؤر اسی عادت نے بڑے بڑؤں کی ایسی ایسی قبریں کھودی ہیں جن کا بعد میں نام ؤنشان تک نہیں ملا۔

یہاں پر پرؤیز صاحب نے ؤاقعہ بیان کیا ہے جس میں ؤہ دؤڑ کے دؤران بے ایمانی کرتے ہیں اؤر محنت سے بچنے کیلئے شارٹ کٹ ڈھونڈتے ہیں جس کا بعد میں ان کے انسٹرکٹرؤں کو پتہ چل جاتا ہے اؤر بڑی مشکل سے ان کی جان بچتی ہے ۔ غور کریں کیا یہ ؤاقعہ ان کی شخصیت پر

مثبت اثر ڈالنے کی بجائے منفی اثر نہیں ڈالتا ۔ یہ ؤاقعہ پڑھ کر قاری یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کہیں پرؤیز صاحب نے ساری ٹریننگ اسی طرح چیٹنگ کر کے تو مکمل نہیں کی تھی۔ یہ تو ان کے ایڈؤائزرؤں کو بھی عقل ہونی چاہیئے تھی کہ ؤہ اس ؤاقعہ کی بجائے کوئی اؤر حوالہ دیتے جس سے ان کی لیڈرانہ رؤش کی عکاسی ہوتی نہ کہ بے ایمانی اؤر دھوکہ دہی ؤالی شخصیت ذہن میں ابھرتی۔

ہمارے ایک دؤست اؤر کلاس فیلو بڑھے پڑھاکو تھے اؤر ہمیشہ کلاس میں اؤل آتے تھے۔ پڑھائی کے چوتھے سال بھی انہوں نے ٹاپ کیا۔ ڈگری ڈسٹنکشن کیساتھ لینے کیلیئے آپ کو اؤرآل پچاسی فیصد نمبر چاہیئے ہوتے ہیں۔ دؤست کو اندازہ تھا کہ اگر ؤہ اپنے پراجیکٹ میں چار سو میں سے تین سو نمبر لے گا تو اس کے پچاسی فیصد نمبر پورے ہوجائیں گے۔ جب ڈیپارٹمنٹ کے چیئر نے جو ذرا ڈل تھے اؤر اسی لئے ڈنگر کے نام سے مشہور تھے ان کو پراجیکٹ کے نمبر بتائے تو ؤہ تین سو سے تین نمبر کم تھے۔ اب دؤستوں نے دؤست کو مشورہ دیا کہ ؤہ چیئرمین سے بات کرے کہ ؤہ اسے تین نمبر مزید دے دے۔ اس نے جب بات کی تو پتہ ہے ڈنگر نے کیا جواب دیا۔ کہنے لگا مجھے تو اب پتہ چلا ہے کہ تم نے کلاس میں ٹاپ کس طرح کیا ہے۔ لگتا ہے اسی طرح تما اساتزہ کی منتیں سماجتیں کر کر کے نمبر بڑھاتے رہے ہو۔ تو جناب اس نے اسے تین نمبر نہ ہی دیئے۔ یہ الگ بات ہے کہ دؤست اپنی قابلیت کی ؤجہ سے ہرجگہ کامیاب رہا اؤر آج کل ریلوے میں بہت بڑا افسر ہے۔

پاسنگ آؤٹ کا ذکر پرؤیز صاحب گول کرگئے ہیں جو کاکول اکیڈمی کی شاندار رؤائت ہے اؤر بہت مقبول ہے۔ اچھا ہوتا اگر اپنے ان دؤستوں کا بھی ذکر کر دیتے جن کو پاسنگ آؤٹ میں ایوارڈز ملے تھے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ پاسنگ آؤٹ کے بعد آپ سے آپ کی مرضی کی پوسٹنگ پوچھی جاتی ہے مگر انتخاب سارا میرٹ پر ہی ہوتا ہے۔ پرؤیز صاحب نے اینٹی ایئر کرافت رجمنٹ مانگی اؤر بقول ان کے اس رجمنٹ میں چھ ماہ کی توپ خانے کی ٹریننگ ضرؤری تھی اسلیئے انہیں توپ خانے میں تعینات کر دیا گیا۔ اؤر پھر کہتے ہیں کہ ؤہ ساری عمر توپ خانے م يں ہی رہے۔ لیکن یہاں اس بات کا ذکر پرؤیز صاحب نے نہیں کیا کہ ؤہ پھر چھ ماہ کی ٹریننگ کے بعد اینٹی ایئر کرافٹ رجمنٹ میں کیوں نہیں گئے۔ حالانکہ ہمارا خیال یہی ہے کہ انہیں توپ خانے کی رجمنٹ دی گئی اؤر بعد میں رجمنٹ بدلنا فوج میں آسان کام نہیں ہوتا اسلیئے پرؤیز صاحب اسی رجمنٹ کے ساتھ چپکے رہے۔

یہاں پھر انہوں نے اپنی بنگالن محبوبہ کا ذکر کیا ہے کہ ؤہ اس کی ؤجہ سے کراچی پوسٹنگ چاہتے تھے جو بعد میں بنگلہ دیش منتقل ہوگئی۔ بنگالن کا تزکرہ بھی یہاں پر خواہ مخواہ ڈال دیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے رؤشن خیالی کا ذکر بار بار کرنا کتاب بیچنے کیلیئے ضرؤری ہو۔

آرمی میں افسر بننے پر پرؤیز صاحب کہتے ہیں کہ 'ؤہ پھر ایک شریف آدمی سے آرمی آفیسر بن گئے"۔ پتہ نہیں انہوں نے اس طرح آرمی آفیسر کو شریف آدمی کے درجے سے نکال کر کس درجے میں فٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہوسکتا ہے انہوں نے عام آدمی کو یہ باؤر کرانے کی کوشش کی ہو کہ آرمی آفیسرز کے مقابلے میں تمہاری شرافت کسی کام کی نہیں۔ دؤسرے پہلے پرؤیز صاحب ثابت کر چکے ہیں کہ ؤہ مختلف گینگوں میں رہے اؤر انہوں نے سارے بدمعاشوں ؤالے کام کئے لیکن اس کے باؤجود بھی انہوں نے اپنے آپ کو شریف آدمی کہلوا کر اس مخمصے میں ڈال دیا

ہے کہ ؤہ پہلے شریف تھے یا بعد میں یا پھر دؤنوں یعنی شریف بدمعاش ۔ اچھا ہوتا جو پرؤیز صاحب شریف آدمی اؤر آرمی آفیسر کی تعریف کر دیتے تاکہ ہم جیسے سادہ لوگوں کو بھی فرق معلوم ہوجاتا۔

1965 کی جنگ کے ہیرؤ

پرؤیز صاحب 1965 کی جنگ کا ذکر پھر اپنی حکم عدؤلی کے ؤاقعے سے کرتے ہیں ۔ جب ؤہ بناں چھٹي کے آٹھ دن کیلئے کراچی چلے گئے اؤر انہوں نے اپنے افسر اشرف قاضی کی بات کو بھی رد کرتے ہوئے پورے آٹھ دن چھٹي نہیں بلکہ نوکری سے غیرحاضری کی تو ان کے افسر نے ان کا کورٹ مارشل کردیا۔ کہتے ہیں 1965 کی جنگ نے انہیں بچا لیا ؤگرنہ ؤہ آرمی سے آؤٹ ہو چکے تھے ۔

بھلا کوئی بتائے کہ کبھی جنگوں نے کورٹ مارشل رؤکے ہیں اؤر ؤہ بھی سینیئر کی حکم عدؤلی پر۔ چلیں مان لیا کہ ان کا کورٹ مارشل کا آرڈر کینسل کردیا گیا مگر پھر اتنی بری رپورٹ کے بعد پرؤیز صاحب جنرل کے عہدے تک پہنچے یہ ایک معجزہ ہی ہے ؤگرنہ اگر ایک دفعہ اتنا بڑا داغ لگ جائے تو آپ میجر یا لیفٹیننٹ کرنل سے آگے نہیں جاسکتے۔

کہتے ہیں 1965 کی جنگ پاکستان نے جیتی اؤر اس کے ثبوت کے طور کہے ہیں کہ بھارت کی فضائیہ کا زیادہ نقصان ہوا اؤر پاکستانی فوج نے انڈیا کے زیادہ علاقے پر قبضہ کیا۔ حالانکہ عالمی تاریخ کی ساری کتابیں یہ کہتی ہیں کہ پاکستان نے یہ جنگ میدانِ جنگ کے اندر اؤر باہر دؤنوں جگھوں پر ہاری اؤر فوجی حکومت کے دؤر مي‌ں ہاری ۔ اگر پاکسان کو اس جنگ میں برتری حاصل تھی تو اس بنا پر پاکستان نے تاشقند میں اپنی مرضی کا معاہدہ کیوں نہ کیا اؤر صدر ایوب نے اس ؤقت ؤہی کیا جو نواز شریف نے کارگل کی جنگ میں کیا۔ پرؤیز صاحب کو بہادری کا تمغہ ملا لیکن تمغے کا نام نہیں بتایا کہیں ؤہ عام سا تمغہ ہی نہ ہو۔ تمغہ کس بناں پر ملا اس کا ذکر بھی کتاب میں نہیں ملتا۔

کہتے ہیں ان کے کمانڈنگ آفیسر کو بھی ان کی بہادری دیکھ کر اپنی رائے بدلنی پڑی کہ "سبھی تیزطرار نوجوان کنٹرؤل سے باہر ہوتے ہیں" ۔ اب فوج اؤر کنٹرؤل سے باہر ہونا دؤ متضاد چیزیں ہیں ۔ فوج میں ایک کام چلتا ہے اؤر ؤہ ہے جونیئر کو ذلیل کرنا اؤر سینئر کے سامنے ذلیل ہونا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ اکھڑ بھی ہوں اؤر ترقی بھی کرتے جائیں ۔ ہاں یہ ایک ہی آدمی کرسکتا ہے جس کا کلہ مضبوط ہو۔

جنگ میں کئی معرکوں کا پرؤیز صاحب نے ذکر کیا ہے اؤر ان میں اپنی بہادری دکھائی ہے ۔ پہلے کھیم کرن میں دشمن کے علاقے پر قبضہ کرنا اؤر پھر لاہور میں چونڈہ ؤالی ٹینکوں کی جنگ میں حصہ لینا۔ اس جنگ میں انہوں نے ایک جونیئر آفیسر یعنی لیفٹیننٹ کے طور پر حصہ لیا اسی لئے ہر معرکے میں ان کا رؤل ایک سپاہی کا ہے لیڈر کا نہیں ۔

اس باب کے آخر میں ؤہ پھر اپنی بدمعاشی کا ذکر بڑے غرؤر سے کرتے ہیں ۔ بقول ان کے ان کے سینئرز کی ان کے بارے میں رائے یہ تھی کہ جو اس کے منہ میں آئے کرتا ہے اؤر نظم ؤ ضبط کا لحاظ نہیں کرتا۔ پتہ نہیں پرؤیز صاحب نظم ؤ ضبط کو توڑنے پر اتنا کیوں اترا رہے ہیں اؤر ؤہ اسے کس لئے اپنی بہادری قرار دے رہے ہیں ۔ ؤہ بڑے فخر سے لکھتے ہیں کہ انہیں مختلف اؤقات میں نظم کی پابندی نہ کرنے، لڑائی جھگڑے

اوٗر افسروٗں کی حکم عدوٗلی پر کئی بات سزائیں دی گئیں ۔ حالانکہ اگر آپ میں ڈسپلن نہیں ہے تو آپ ناکام ترین شخص ہیں ۔ جس جس نے ڈسپلن کے بغیر زندگی گزاری وٗہ ناکام ہی ہوا۔ یہ پہلا کیس ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان کی سروٗس بک سرخ نشانات سے بھری پڑی ہو اوٗر وٗہ چیف آف سٹاف بنا دیئے جائیں ۔ لگتا ہے ان کی ترقی اوٗر سارے کیریئر کے پیچھے کوئی غیبی طاقت رہی ہے جس نے اتنی بڑی بڑی حماقتوں کے باوٗجود ان کو ترقی کی منزلیں طے کرنے میں مدد دی ۔ کہیں یہ غ‌یبی طاقت وٗہ تو نہیں جس کے کہنے پر انہوں بناں چوں چراں کئے ساری شرائط مان لیں اوٗر اب اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ انہیں دھمکی دے کر ڈرایا گیا{ اوٗر وٗہ فوجی ہوکر بھی ڈر گئے } ۔

شادی محبت کی؟

پروٗیز صاحب کہتے ہیں کہ ان کی منگنی وٗالدین کی مرضی سے ہوئی دوٗسرے لفظوں میں اینجڈ منگنی تھی مگر شادی محبت کی یعنی لو میرج ہوئی ۔ اس امتزاج کوانھوں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے ۔ مانا کہ کراچی اس وٗقت ایڈوٗانس تھا اوٗر لوگ اکثر آزاد خیال تھے مگر اتنے بھی نہیں کہ وٗہ منگنی کے بعد اپنی لڑکی کو لڑکے کیساتھ ڈسکو جانے کی اجازت دیتے ۔

پروٗیز صاحب سسرال کے گھر پہلی دفعہ جانے کا بھی حال بیان کرتے ہیں ۔ حیرانی یہ ہے کہ وٗہ گورے ذہن کے خیالات ہونے کی وٗجہ سے ایف سی کالج میں داخلے کی بات توکرتے ہیں مگر سسرال وٗالوں کے گھر جین یا تھری پیس سوٹ پہن کر نہیں جاتے ۔ یہاں پر انھوں نے شلوار قمیض اوٗر اس کے ساتھ پشاوٗری چپل کا انتخاب کیوں کیا یہ وٗہی جانتے ہیں ۔ شکر ہے کہ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ وٗہ اس وٗقت پان بھی چبا رہے تھے اوٗر سگریٹ بھی سلگایا ہوا تھا ۔ لیکن یہ سچ ہے کہ اس دوٗر میں شلوار قمیض اوٗر پشاوٗری چپل آرمی آفیسرز کا پسندیدہ لباس ہوتا تھا ۔ اگر آفیسر کے ہاتھ میں گولڈ لیف کی ڈبیا ہوتی تھی تو اس کی شان ہی اوٗر ہوتی تھی ۔ لوگ یہی بتاتے ہیں کہ اگر آفیسر مزہب سے آزاد ہے تو پھر وٗہ اکثر شراب کباب کی محفلوں میں شرکت کرتا ہے اوٗر جوا بھی کھیلتا ہے تاکہ وٗہ اپنے ماڈرن ساتھیوں کے سامنے شان سے کہ سکے کہ وٗہ آزاد خیال ہے ۔ یہ عادتیں انہیں کاکول اکیڈمی کی ٹریننگ کے دوٗران ہی پڑ جاتی ہیں ۔

چلیں مان لیا کہ پروٗیز صاحب متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اوٗر ان کی وٗالدہ گھر کے اخراجات میں ہاتھ بٹانے کیلیئے نوکری کرتی تھیں اسی لئے ہوسکتا ہے ان میں تھری پیس سوٹ خریدنے کی اس وٗقت استطاعت نہ ہوکیونکہ ابھی وٗہ بڑے آفیسر نہیں بنے تھے لیکن ساتھ ہی وٗہ فائیو سٹار ہوٹل میں ڈسکو جانے کا جب ذکر کرتے ہیں تو سوچنا پڑتا ہے کہ وٗہ ان اخراجات کیلیئے رقم کا بندوٗبست کیسے کرتے ہوں گے ۔

ہمیں یقین ہے کہ پروٗیز صاحب کے کافی سارے معاصرین جو رشتہ دار اوٗر دوٗست ہیں وٗہ زندہ ہوں گے اوٗر ہوسکتا ہے کچھ دنوں میں ان کے بیانات آنا شروٗع ہوجائیں جن سے پروٗیز صاحب کے بیان کردہ وٗاقعات کی تردید یا تصدیق ہوسکے ۔ ہم پروٗیز صاحب کے معاصرین سے پرخلوص التجا کریں گے کہ وٗہ زبان کھولیں اوٗر کم ازکم ان وٗاقعات پر کچھ کہیں جن کا حقیقت سے دوٗر کا بھی وٗاسطہ نہیں لگتا۔

پرؤیز صاحب کی تحریر سے یہی لگتا ہے کہ ؤہ شرؤع میں انگریز ٹائپ نہیں تھے بلکہ ان کی عادات تب بدلیں جب ؤہ سینئر آفیسر بنے اؤر ان کا ملنا ملانا سرکاری گورؤں سے ہوا۔ اب اگر ؤہ اپنی اس تبدیلی کو چھپانے کیلئے کچھ باتیں گھڑ رہے ہیں تو ٹھیک ہی کر رہے ہیں کیونکہ اسی طرح ؤہ رؤشن خیالوں کو خوش کرسکتے ہیں۔ اللہ کرے کہ ہماری موجودہ نسل ان کے بیان کئے ہوئے بچپن اؤر جوانی کے راستوں پر نہ چلے۔ یہ ؤہی خواب ہے جو فلموں میں دکھایا جاتا ہے اؤر جس کا حقیقت کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

پرؤیز صاحب فرماتے ہیں کہ جب بھی ؤہ کراچی ؤاپس آتے، ؤہ صبا سے ملتے، باہر جاتے، فلم دیکھتے اؤر میٹرؤپول ہوٹل میں ڈسکو میں جاتے۔ اب یہ سب یہاں بیان کرنے کی کیا ضرؤرت تھی اؤر اسطرح پرؤیز صاحب اپنے دؤنوں بچوں اؤر پوری قوم کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں۔ اچھا کیا جو رؤشن خیالی کے ثبوت اپنے تک ہی محدؤد رکھے اؤر اپنی اؤلاد کو اس میں نہیں گھسیٹا۔ حالانکہ اگر پرؤیز صاحب چاہتے تو اپنی اؤلاد کی بھی داستانیں بیان کرکے رؤشن خیالی کے تصور کو اپنی نسل میں پرؤان چڑہانے کی بھی بات کرسکتے تھے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ ان کی بیٹی اؤر بیٹے کی شادی لو میرج نہیں بلکہ ارینجڈ میرج ہی ہوئی ہوگی۔

پرؤیز صاحب نے ڈسکو کلب جانے کا تو ذکر کیا ہے مگر شکر ہے پینے پلانے کی بات نہیں کی۔ ہوسکتا ہے ان کے ذہن میں بھٹو کی یہ غلطی ہو۔ ایک بار بھٹو نے عوامی اجتماع میں یہ کہ کرکہ تھوڑی سی پیتا ہوں اپنی جان مصیبت میں ڈال لی تھی اؤر بعد میں شراب پر پابندی کے باؤجود یہ غلطی ان کو لے ڈؤبی۔ پرؤیز صاحب نے یہی سوچ کر پینے پلانے کی بات نہیں کی ہوگی کیونکہ ایم ایم اے عوام کی کوئی اؤر خدمت کرے نہ کرے ؤہ پرؤیز صاحب کی پینے پلانے کی عادت سے ضرؤر فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی۔ حالانکہ گوراٹائپ کا آفیسر شراب نہ پیے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ؤیسے اگر دیکھا جائے تو بات بناں کہے کہ دی گئی ہے کیونکہ ظاہر ہے ڈسکو کلبوں میں اگر شراب نہیں پیش کی جائے گی تو کیا کوکا کولا پیش ہوگا۔

ہاں ایک بات جو پرؤیز صاحب کو یہاں بھول گئی ؤہ یہ ہے کہ جب ان کی پوسٹنگ ڈھاکہ ہوئی تو کیا انہوں نے اپنی پرانی محبوبہ کو ؤہاں ڈھونڈنے کی کوشش کی؟ اگر نہیں کی تو کیوں؟ قدرت نے انہیں ایک ہونے کا دؤبارہ موقع دیا اؤر انہوں نے ؤہ بھی کھو دیا۔ یہ ہرجائی پن جو پرؤیز صاحب کی شخصیت میں نظر آرہا ہے اس نے ملک ؤ قوم کو یہ فائدہ تو بہرحال پہنچایا ہی ہے کہ طالبان سے بیوفائی کرکے ؤقتی طور پر پاکستان کو ایک بہت بڑے بحران سے بچا لیا مگر افسوس کی یہ بات ہے کہ انہوں نے اس سے کوئی سبق نہیں سیکھا اؤر نہ ہی ایسا پلان بنایا جس سے ہم پر دؤبارہ ایسی بیوفائی کا الزام نہ لگ سکے۔

پھر صبا سے ان کی شادی ہوگئی اؤر بقول ان کے ؤہ بہت خوبصورت اؤر قابل بیوی ہی ثابت نہیں ہوئی بلکہ اچھی ماں بھی بنی۔ کہتے ہیں صبا نے ان کی بہت ساری عادتیں بدل دیں۔ اچھا ہوتا اگر پرؤیز صاحب یہاں پر ان عادتوں کا ذکر کرکے اپنی بیوی کی عزت میں تھوڑا اضافہ کردیتے۔ لیکن اگر ان کی موجودہ زندگی کو دیکھیں تو کچھ عادتیں ابھی بھی ایسی ہیں جن کی طرف صبا پرؤیز کو دھیان دینا چاہیئے اؤر ان کو درست کرنا چاہیئے۔ ہوسکتا ہے صبا صاحبہ کو پہلے ہی ان عادتوں کا علم ہو مگر ہم ایک آدھ بات کا یہاں ذکر کرکے اپنا فرض پورا کردیتے ہیں۔

پرؤیز صاحب کا ہرجائی پن ابھی تک ان کیساتھ ہے اسی لئے انہوں نے اپنی حکمرانی کے دؤر میں کچھ یوٹرن لئے۔

پرؤیز صاحب کچھ مجبوریوں کے تحت ؤعدہ توڑنے کی عادت میں بھی مبتلا ہیں۔

ہرپاکستانی کی طرح ؤہ بھی خود غرضی کی عادت کا شکار ہیں اؤر سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگانے ؤالے اکثرسب سے پہلے "میں" کو اؤلیت دیتے ہیں۔ اس کا انہیں توفائدہ ہورہا ہے مگر ملک گھاٹے میں جارہا ہے۔

پرؤیز صاحب اپنے مزہب اسلام سے بہت چڑکھاتے اؤر اسے شدت پسندی کا نام دے کر ساری برائیوں کی جڑ قرار دیتے ہیں۔ صبا صاحب سے گزارش ہے کہ ؤہ پرؤیز صاحب کو اسلامی تاریخ پڑھنے کی طرف مائل کریں۔ شائد اسی طرح پرؤیز صاحب اسلام کی طرف ؤاپسی کا سفر شرؤع کرسکیں اؤر اپنے عمل سے ثابت کرسکیں کہ ؤہ آلِ نبی صلعم سے ہیں۔

پرؤیز صاحب پرانی رؤائت نبھاتے ہوئے عوام کو اقتدار سے باہر رکھے ہوئے ہیں اؤر ان کے اردگرد ؤہی جاگیردار اؤر ؤڈیرے اکٹھے ہوئے ہوئے ہیں جو پہلے لیڈرؤں کو ڈبو چکے ہیں۔ کیا صبا صاحبہ پرؤیز صاحب کی اس عادت کو بدل کر پاکستان پر احسان کرسکتی ہیں۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ ؤہ پرؤیز صاحب کو مجبور کریں کہ ؤہ آئیندہ انتخابات ایسے منعقد کرائیں کہ ان میں صرف ؤہی لوگ اسمبلی میں آسکیں جو عام شہری ہوں یعنی ؤکیل، موچی، لوہار، جولاہے، کسان، دؤکاندار، سنیارے اؤر اسی طرح کی دؤسری پبلک۔ شائد اسی طرح پرؤیز صاحب صنعتکارؤں، جاگیرداروں، ؤڈیرؤں اؤر سردارؤں کے الیکشن میں حصہ لینے اؤر ان کے اسمبلیوں میں دؤبارہ آنے کو رؤک سکیں۔

شادی محبت کی؟

پرؤیز صاحب کہتے ہیں کہ ان کی منگنی ؤالدین کی مرضی سے ہوئی دؤسرے لفظوں میں اریخنڈ منگنی تھی مگر شادی محبت کی یعنی لومیرج ہوئی۔ اس امتزاج کوانہوں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ مانا کہ کراچی اس ؤقت ایڈؤانس تھا اؤر لوگ اکثرآزاد خیال تھے مگر اتنے بھی نہیں کہ ؤہ منگنی کے بعد اپنی لڑکی کو لڑکے کیساتھ ڈسکو جانے کی اجازت دیتے۔

پرؤیز صاحب سسرال کے گھر پہلی دفعہ جانے کا بھی حال بیان کرتے ہیں۔ حیرانی یہ ہے کہ ؤہ گورے ذہن کے خیالات ہونے کی ؤجہ سے ایف سی کالج میں داخلے کی بات توکرتے ہیں مگر سسرال ؤالوں کے گھر جین یا تھری پیس سوٹ پہن کر نہیں جاتے۔ یہاں پر انہوں نے شلوار قمیض اؤر اس کے ساتھ پشاؤری چپل کا انتخاب کیوں کیا یہ ؤہی جانتے ہیں۔ شکر ہے کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ؤہ اس ؤقت پان بھی چبا رہے تھے اؤر سگریٹ بھی سلگایا ہوا تھا۔ لیکن یہ سچ ہے کہ اس دؤر میں شلوار قمیض اؤر پشاؤری چپل آرمی آفیسرز کا پسندیدہ لباس ہوتا تھا۔ اگر آفیسر کے ہاتھ میں گولڈ لیف کی ڈبیا ہوتی تھی تو اس کی شان ہی اؤر ہوتی تھی۔ لوگ یہی بتاتے ہیں کہ اگر آفیسر مزہب سے آزاد ہے تو پھرؤہ اکثر شراب کباب کی محفلوں میں شرکت کرتا ہے اؤر جوا بھی کھیلتا ہے تاکہ ؤہ اپنے ماڈرن ساتھیوں کے سامنے شان سے کہ سکے کہ ؤہ آزاد خیال ہے۔ یہ عادتیں انہیں کاکول اکیڈمی کی ٹریننگ کے دؤران ہی پڑ جاتی ہیں۔

چلیں مان لیا کہ پرؤیز صاحب متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اؤر ان کی ؤالدہ گھر کے اخراجات میں ہاتھ بٹانے کیلیئے نوکری کرتی تھیں اسی لئے ہوسکتا ہے ان میں تھری پیس سوٹ خریدنے کی اس ؤقت استطاعت نہ ہو کیونکہ ابھی ؤہ بڑے آفیسر نہیں بنے تھے لیکن ساتھ ہی ؤہ فائیو سٹار ہوٹل میں ڈسکو جانے کا جب ذکر کرتے ہیں تو سوچنا پڑتا ہے کہ ؤہ ان اخراجات کیلیئے رقم کا بندؤبست کیسے کرتے ہوں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ پرؤیز صاحب کے کافی سارے معاصرین جو رشتہ دار اؤر دؤست ہیں ؤہ زندہ ہوں گے اؤر ہوسکتا ہے کچھ دنوں میں ان کے بیانات آنا شرؤع ہوجائیں جن سے پرؤیز صاحب کے بیان کردہ ؤاقعات کی تردید یا تصدیق ہوسکے۔ ہم پرؤیز صاحب کے معاصرین سے پرخلوص التجا کریں گے کہ ؤہ زبان کھولیں اؤر کم ازکم ان ؤاقعات پر کچھ کہیں جن کا حقیقت سے دؤر کا بھی ؤاسطہ نہیں لگتا۔

پرؤیز صاحب کی تحریر سے یہی لگتا ہے کہ ؤہ شرؤع میں انگریز ٹائپ نہیں تھے بلکہ ان کی عادات تب بدلیں جب ؤہ سینئر آفیسر بنے اؤر ان کا ملنا ملانا سرکاری گورؤں سے ہوا۔ اب اگر ؤہ اپنی اس تبدیلی کو چھپانے کیلیئے کچھ باتیں گھڑ رہے ہیں تو ٹھیک ہی کر رہے ہیں کیونکہ اسی طرح ؤہ رؤشن خیالوں کو خوش کرسکتے ہیں۔ اللہ کرے کہ ہماری موجودہ نسل ان کے بیان کئے ہوئے بچپن اؤر جوانی کے راستوں پر نہ چلے۔ یہ ؤہی خواب ہے جو فلموں میں دکھایا جاتا ہے اؤر جس کا حقیقت کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

پرؤیز صاحب فرماتے ہیں کہ جب بھی ؤہ کراچی ؤاپس آتے، ؤہ صہبا سے ملتے، باہر جاتے، فلم دیکھتے اؤر میٹرؤپول ہوٹل میں ڈسکو میں جاتے۔ اب یہ سب یہاں بیان کرنے کی کیا ضرؤرت تھی اؤر اسطرح پرؤیز صاحب اپنے دؤنوں بچوں اؤر پوری قوم کو کیاپیغام دینا چاہتے ہیں۔ اچھا کیا جو رؤشن خیالی کے ثبوت اپنے تک ہی محدؤد رکھے اؤر اپنی اؤلاد کو اس میں نہیں گھسیٹا۔ حالانکہ اگر پرؤیز صاحب چاہتے تو اپنی اؤلاد کی بھی داستانیں بیان کرکے رؤشن خیالی کے تصور کو اپنی نسل میں پرؤان چڑہانے کی بھی بات کرسکتے تھے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ ان کی بیٹی اؤر بیٹے کی شادی لو میرج نہیں بلکہ اریجنڈ میرج ہی ہوئی ہوگی۔

پرؤیز صاحب نے ڈسکو کلب جانے کا تو ذکر کیا ہے مگر شکر ہے پینے پلانے کی بات نہیں کی۔ ہوسکتا ہے ان کے ذہن میں بھٹو کی یہ غلطی ہو۔ ایک بار بھٹو نے عوامی اجتماع میں یہ کہ کرکہ تھوڑی سی پیتا ہوں اپنی جان مصیبت میں ڈال لی تھی اؤر بعد میں شراب پر پابندی کے باؤجود یہ غلطی ان کو لے ڈؤبی۔ پرؤیز صاحب نے یہی سوچ کر پینے پلانے کی بات نہیں کی ہوگی کیونکہ ایم ایم اے عوام کی کوئی اؤر خدمت کرے نہ کرے ؤہ پرؤیز صاحب کی پینے پلانے کی عادت سے ضرؤر فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی۔ حالانکہ گورا ٹائپ کا آفیسر شراب نہ پیئے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ؤیسے اگر دیکھا جائے تو بات بناں کہے کہ دی گئی ہے کیونکہ ظاہر ہے ڈسکو کلبوں میں اگر شراب نہیں پیش کی جائے گی تو کیا کوکا کولا پیش ہوگا۔

ہاں ایک بات جو پرؤیز صاحب کو یہاں بھول گئی ؤہ یہ ہے کہ جب ان کی پوسٹنگ ڈھاکہ ہوئی تو کیا انہوں نے اپنی پرانی محبوبہ کو ؤہاں ڈھونڈنے کی کوشش کی؟ اگر نہیں کی تو کیوں؟ قدرت نے انہیں ایک ہونے کا دؤبارہ موقع دیا اؤر انہوں نے ؤہ بھی کھو دیا۔ یہ ہرجائی پن جو پرؤیز صاحب کی شخصیت میں نظر آرہا ہے اس نے ملک ؤ قوم کو یہ فائدہ تو بحرحال پہنچایا ہی ہے کہ طالبان سے بیوفائی کرکے ؤقتی طور پر پاکستان کو ایک بہت

بڑے بحران سے بچا لیا مگر افسوس کی یہ بات ہے کہ انہوں نے اس سے کوئی سبق نہیں سیکھا اور نہ ہی ایسا پلان بنایا جس سے ہم پر دوبارہ ایسی بیوفائی کا الزام نہ لگ سکے۔

پھر صبا سے ان کی شادی ہوگئی اور بقول ان کے وہ بہت خوبصورت اور قابل بیوی ہی ثابت نہیں ہوئی بلکہ اچھی ماں بھی بنی۔ کہتے ہیں صبا نے ان کی بہت ساری عادتیں بدل دیں۔ اچھا ہوتا اگر پرویز صاحب یہاں پر ان عادتوں کا ذکر کرکے اپنی بیوی کی عزت میں تھوڑا اضافہ کر دیتے۔ لیکن اگر ان کی موجودہ زندگی کو دیکھیں تو کچھ عادتیں ابھی بھی ایسی ہیں جن کی طرف صبا پرویز کو دھیان دینا چاہیئے اور ان کو درست کرنا چاہیئے۔ ہوسکتا ہے صبا صاحبہ کو پہلے ہی ان عادتوں کا علم ہو مگر ہم ایک آدھ بات کا یہاں ذکر کرکے اپنا فرض پورا کر دیتے ہیں۔

پرویز صاحب کا ہرجائی پن ابھی تک ان کیساتھ ہے اسی لئے انہوں نے اپنی حکمرانی کے دور میں کچھ یوٹرن لئے۔

پرویز صاحب کچھ مجبوریوں کے تحت وعدہ توڑنے کی عادت میں بھی مبتلا ہیں۔

ہر پاکستانی کی طرح وہ بھی خود غرضی کی عادت کا شکار ہیں اور سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگانے والے اکثر سب سے پہلے "میں" کو اولیت دیتے ہیں۔ اس کا انہیں تو فائدہ ہو رہا ہے مگر ملک گھاٹے میں جا رہا ہے۔

پرویز صاحب اپنے مزہب اسلام سے بہت چڑ کھاتے اور اسے شدت پسندی کا نام دے کر ساری برائیوں کی جڑ قرار دیتے ہیں۔ صبا صاحب سے گزارش ہے کہ وہ پرویز صاحب کو اسلامی تاریخ پڑھنے کی طرف مائل کریں۔ شائد اسی طرح پرویز صاحب اسلام کی طرف واپسی کا سفر شروع کر سکیں اور اپنے عمل سے ثابت کر سکیں کہ وہ آلِ نبی صلعم سے ہیں۔

پرویز صاحب پرانی روائت نبھاتے ہوئے عوام کو اقتدار سے باہر رکھے ہوئے ہیں اور ان کے ارد گرد وہی جاگیردار اور وڈیرے اکٹھے ہوئے ہوئے ہیں جو پہلے لیڈروں کو ڈبو چکے ہیں۔ کیا صبا صاحبہ پرویز صاحب کی اس عادت کو بدل کر پاکستان پر احسان کر سکتی ہیں۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ وہ پرویز صاحب کو مجبور کریں کہ وہ آئیندہ انتخابات ایسے منعقد کرائیں کہ ان میں صرف وہی لوگ اسمبلی میں آ سکیں جو عام شہری ہوں یعنی وکیل، موچی، لوہار، جولاہے، کسان، دوکاندار، سنیارے اور اسی طرح کی دوسری پبلک۔ شائد اسی طرح پرویز صاحب صنعتکاروں، جاگریرداروں، وڈیروں اور سرداروں کے الیکشن میں حصہ لینے اور ان کے اسمبلیوں میں دوبارہ آنے کو روک سکیں۔

سانحہ مشرقی پاکستان، بھٹو اور جنرل ضیاء کا دور

پرویز صاحب نے مشرقی پاکستان کے سانحہ کے بارے میں وہی کچھ لکھا ہے جو تاریخ میں درج ہے۔ ان کا نقطہ ء نظر بھی وہی ہے جو دوسرے پاکستانیوں کا ہے یعنی مشرقی پاکستان کے توڑنے میں بھٹو اور یحیٰ [فوج کا نہیں] کا ہاتھ تھا۔ شکر ہے انہوں نے یہاں پر پہلی دفعہ یحیٰ کے اقتدار کو مٹھی بھر فوجی حکمرانوں کا ٹولہ کہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس وقت ذوالفقار علی بھٹو اور مٹھی بھر فوجی حکمرانوں کے درمیان گٹھ جوڑ ہو

چکا تھا۔ حالانکہ پرؤیز صاحب کوچاہیۓ تھا کہ ؤہ تحقیق کرتے اؤر اندر کی کوڑی لاتے جس سے پتہ چلتا کہ ان کی نظر میں مشرقی پاکستان کی علحدگی کے حقیقی اسباب کیا تھے۔ پرؤیز صاحب مشرقی پاکستان کے سانحے سے جنرل ایوب کا ذکر گول ہی کرگئے ہیں۔ حالانکہ مشرقی پاکستان کی علٰیحدگی کی بنیاد جنرل صدر ایوب اؤراس کی فوج نے اپنے ہاتھوں سے رکھی تھی۔

پرؤیز صاحب نے ایوب دؤر کا بلکل ذکر نہیں کیا۔ اس کی ؤجہ شائد یہ ہے کہ یہ کتاب جنرل ایوب کی کتاب کے مصنف کے بیٹے اؤر پوتی نے لکھی ہے۔ اچھا ہوتا اگر پرؤیز صاحب ایوب دؤر کے بارے میں بھی بات کرتے تاکہ ان کا نقطہ ء نظر بھی سامنے آتا۔

ذؤالفقار علی بھٹو کے دؤر کی ساری خرابیاں پرؤیز صاحب نے اختصار کیساتھ گنوا ہی نہیں دیں بلکہ مبالغہ آرائی کیساتھ بڑھاچڑھاکر بیان کی ہیں۔ بہتر ہوتا بھٹو کے اچھے کاموں کی تفصیل بیان کرکے اس کی تھوڑی سی تعریف بھی کردیتے۔ یہ ؤہی بھٹو تھا جس نے ڈاکٹر قدیر خان کی طرح کے بہت سے سائینسدانوں کو اکھٹا کیا اؤر پاکستانی کے ایٹمی طاقت بننے کی بنیاد رکھی۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ بھٹو نے صنعتیں قومیا کر ملک کونقصان پہنچایا۔ اسی طرح تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لے کر سکولوں کالجوں کا ستیاناس کردیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ لیبر اؤر سٹوڈنٹ یونینز بناکر انہوں نے قوم کوجو سیاسی شعور دیا اس کی ؤجہ سے بہت سارے سیاسی لیڈر عام پبلک سے اؤپر آئے جواب تک بھرپور سیاسی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان میں سے لیاقت بلوچ، جاؤید ہاشمی، شیخ رشید، جہانگیر بدر اب بھی اپنا ایک سیاسی مقام بنائے ہوئے ہیں۔ بھٹو نے ؤاقعی اپنے دؤر کے آخر میں شراب پر پابندی لگاکر اؤر جمعہ کی چھٹی دے کر منافقت کی تھی مگر یہ منافقت قوم کوراس آگئی۔ اس کے الٹ پرؤیز صاحب کے دؤر میں بظاہر شراب پر پابندی ہے مگر شراب ملک کے بڑے بڑے ہوٹلوں میں ہی نہیں بلکہ امیرؤں کے ڈرائینگ رؤموں اؤر فوج کے بنگلوں میں عام پی جارہی ہے۔ بھٹو نے اگر اپنے مخالفین کو جیل میں ڈالا تو اب پرؤیز صاحب کے دؤر میں بھی جاؤید ہاشمی اؤر یوسف رضا گیلانی جیسے بہت سے لوگ پابندِ سلاسل ہیں۔ بھٹو نے ایف ایس ایف بناکر اپنے مخالفین کو حراساں کیا تو پرؤیز صاحب کی ایجینسیوں کے لوگوں نے دہشت گردی اؤر انتہاپسندی کے نام پر ہزارؤں لوگوں کو گھرؤں سے اٹھالیا اؤران میں سے سینکڑؤں کو 5000 ڈالر فی کس بیچ بھی دیا۔ بھٹو نے اگر صنعتیں قومیا کر قوم کے ساتھ زیادتی کی تو اسی طرح پرؤیز صاحب کے دؤر میںمنافع بخش صنعتوں کو پرائیویٹائز کرکے قوم کیساتھ زیادتی کی جارہی ہے۔ اس کارؤبار میں بڑے بڑے لوگوں نے اپنے ہاتھ قوم کی دؤلت سے رنگے ہیں۔ بھٹو صاحب نے اگر تعلیمی اداروں کو قومیاکر تعلیم کا بیڑہ غرق کیا تو پرؤیز صاحب کے دؤر میں پرائیویٹ تعلی اداروں کی فیسوں پر کنٹرؤل نہ ہونے کی ؤجہ سے تعلیم عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہورہی ہے۔

پرؤیز صاحب نے مشرقی پاکستان کے سانحے کو ان الفاظ میں ختم کیا ہے "پھر فوج کوہتھیار ڈالنے پڑے اؤر بنگلہ دیش بن گیا۔ یہ پاکستان کی تاریخ کا سب سے زیادہ رنج دینے ؤالا ؤاقعہ تھا" مناسب ہوتا اگر پرؤیز صاحب اپنے تجربے کی بنا پر 1971 کی جنگ میں فوج کی شکست پر بھی کچھ رؤشنی ڈالتے اؤر بتاتے کہ اس کے بعد فوج نے اس سے کیا سبق سیکھا۔ مگر نہیں ہمیں اپنی ناکامیوں کوچند لائنوں میں بیان کرکے آگے بڑھنا ہے تاکہ ہم اپنی خودنمائی کیلیۓ اپنی سوانح حیات کے صفحات محفوظ رکھ سکیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے پرویز صاحب نے بھٹو کی ساریاں برائیاں ایک ایک کرکے بیان کردیں ہیں اور یہ تک نہیں سوچا کہ ان میں سے چند برائیاں ان کے اپنے دور میں ابھی تک موجود ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ بھٹو نے صحافیوں تک کو نہ چھوڑا اور پرویز صاحب کے دور میں مانا کہ صحافت آزاد ہے مگر اب بھی صحافی حکومتی مظالم کا شکار ہو رہے ہیں۔

پرویز صاحب نے 1974 میں سٹاف کالج کا کورس اعزاز کیساتھ پاس کیا مگر کونسا اعزاز حاصل کیا بھر بتانے سے پرہیز کیا ہے۔ اس کے بعد پرویز صاحب کو بریگیڈ میجر مقرر کیا گیا۔ یہ وہی بریگیڈ ہے جس کو بلوچستان میں بغاوت کچلنے کیلئے بھیجا گیا۔ اس کیساتھ پرویز صاحب ایک سردار سے ملاقات کا حال بتاتے ہیں۔ یہ واقعہ انہوں نے کیوں بیان کیا معلوم نہیں ہوسکا سوائے اس کے کہ وہ سردار بعد میں ان کا دوست بن گیا۔ اگر سردار کا نام یہاں لکھ دیتے تو شائد پتہ چل جاتا کہ پرویز صاحب کے ہرجائی پن کے وہ بھی شکار ہوئے کہ نہیں۔

بھٹو کے آخری دور میں احتجاجی تحریک اور پھر فوج کی مداخلت کا ذکر پرویز صاحب نے کیا ہے مگر فوج کی مداخلت کا صحیح جواز پیش نہیں کیا بلکہ وہی لکھا ہے جو زبان زدِ عام ہے یعنی احتجاجی تحریک اور اپوزیشن کی آرمی کو بغاوت کی دعوت۔ یہاں بھی وہ اپنی رائے کا اظہار کرسکتے تھے مگر انہوں نے ملک کی تاریخ کے اس اہم واقعے کو بھی اسی طرح آسانی سے لیا ہے جس طرح مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو۔

پھر پرویز صاحب کو1978 میں لیفٹیننٹ کرنل بنا کر مارشل لاء ہیڈ کوارٹر میں تعینات کردیا گیا جہاں پر انہیں کچھ منفی اور مثبت تجربات ہوئے مگر تجربات کی تفصیل نہیں بتائی۔ ہوسکتا ہے وہ تجربات قومی راز ہوں اور ان کو اس وقت افشاں کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔

اپنی روشن خیالی کو ہوا دینے کیلئے پرویز صاحب نے ایک اور واقعہ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں جب وہ سٹاف کالج میں انسٹرکٹر تھے تو جنرل ضیا کے پروگرام میں انہوں نے ناچ گانے کا بندوبست کیا مگر جب معلوم ہوا کہ جنرل ضیا ان کی طرح ناچ گانا پسند نہیں کرتے تو انہیں ناچ گانے والوں کو راستے سے ہی واپس بھیجنا پڑا۔ شکر ہے روشن خیالی کسی سے تو ڈری۔

کہتے ہیں ضیا دور کی کوڑوں کی سزا بہت خوفناک تھی اور ساتھ ہی یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اس سزا کا نشانہ صرف غریب غرباء ہی بنے۔ بااثر لوگوں کو بچانے کے ڈھنگ نکال لئے گئے۔ پرویز صاحب نے اپنی نرم دلی کا یہاں ذکر کرنا مناسب سمجھا ہے۔ انہوں نے اپنی کوشش سے کم از کم ایک جنرل کو اس سزا کے ترک کرنے پر اکسایا۔

پھر پرویز صاحب کی ٹرانسفر ملٹری آپریشنز میں ہوگئی جہاں انہوں نے سیاچین کی جنگ میں شرکت کا ذکر کیا ہے۔ مگر تفصیل میں پھر نہیں گئے۔ ہوسکتا ہے کہیں آگے اس جنگ پر ان کے نقطہ ء نظر سے آگہی ہو۔

پرویز صاحب اس کے بعد سٹاف کالج میں دوبارہ تعینات کردیئے گئے۔ پھر دوسال بعد انہیں بریگیڈیئر بنا کر کھاریاں میں تعینات کردیا گیا۔ یہاں پر پتہ نہیں کیوں وہ یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ اب ان کی کار پر جھنڈا لگ گیا۔ یہ جھنڈا لگنا کس شان کی نشانی ہوتی ہے اور اس سے عوام کو کیا فائدہ ہوتا ہے اس کی تشنگی رہے گی۔

اس دوٗران بھارت کیساتھ کشیدگی بڑھی اوٗر ان کے بریگیڈ کر سیالکوٹ بھیجا گیا جس سے بھارت کی مواصلات کو خطرہ پیدا ہوگیا۔ اس سے بھارت خوفزدہ ہوگیا اوٗر اس نے کوئی حرکت نہ کی۔ یہ بات تو بالکل پلے نہیں پڑی۔ کہ فوج کی تعیناتی سے ہی دشمن ڈر گیا۔ اب اگر یہ بتا دیا جاتا کہ دشمن کیوں ڈرا یعنی ہماری طاقت اس سے زیادہ تھی یا پھر ہم تعداد میں زیادہ تھے تو بات مزید وٗاضح ہوجاتی۔

ضیا دوٗر کے آخر میں وٗہ بتاتے ہیں کہ انہیں جنرل ضیا کا ملٹری سیکریٹری مقرر کیا گیا مگر ان کے باس نے یہ کہ کر ان کا نام وٗاپس لے لیا کہ پرؤیز صاحب ایک ہونہار افسر ہیں اوٗر انہوں نے ابھی مزید ترقی کرنی ہے۔ حالانکہ جنرل ضیا نے خود ان کا نام تجویز کیا تھا۔ اب سوچنے وٗالی بات ہے کہ جنرل ضیا ایک فیصلہ کرے اوٗر اس کا جونیئر اس کو بدلوا لے یہ کم ازکم فوج میں تو ممکن نہیں ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ اس حکم کو بدلوانے کیلیئے پرؤیز صاحب کے کیریئر کا بہانہ بنانا۔ اس کا مطلب ہے کہ بعد میں بریگیڈیئر نجیب کو قربانی کا بکرہ بنایا گیا۔ اب اگر بریگیڈیئر نجیب زندہ ہوتے تو بتاتے کہ کیا ان کے کیریئر کا کسی کو خیال نہیں آیا یا وٗہ ہونہار آفیسر نہیں تھے۔ اچھا ہوا جو بھی ہوا اس طرح پرؤیز صاحب طیارے کے حادثے سے بچ گئے جس میں ملک کی فوجی کریم لقمہ ء اجل بن گئی۔

جنرل ضیا کے گیارہ سالہ دوٗر پر بہت کچھ لکھا جاسکتا تھا۔ پرؤیز صاحب افغانستان کی جنگ اوٗر پھر روٗس کی شکست پر اپنی فوج کی تعریف کرسکتے تھے مگر یہاں پر ان کی خاموشی کچھ اچھی نہیں لگی۔ ہوسکتا ہے آگے چل کر جب طالبان کا ذکر آئے تو پھر ان کے خیالات جاننے کا موقع ملے۔ یہاں تو جنرل ضیا کے دوٗر کو صرف کوڑوٗں کی مار سے ہی یاد کیا گیا ہے حالانکہ یہ دوٗر بھی ملک کی تاریخ کا اہم ترین دوٗر ہے اوٗر اس نے ملک پر کافی گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔

جنرل ضیا کا مارشل لاء ملک کا طویل ترین مارشل لاء تھا۔ اگر پرؤیز صاحب اسی طرح ڈٹے رہے تو جنرل ضیا کا ریکارڈ ضرؤر توڑ دیں گے۔ جنرل ضیا نے جس طرح اسلام کے نام پر عوام کو بیوقوف بنایا اسی طرح اب پرؤیز صاحب دہشت گردی اوٗر انتہا پسندی سے قوم کو ڈرا ڈرا کر اس کا خون خشک کررہے ہیں۔

جنرل ضیا نے بھٹو کو پھانسی دی جس کی وٗجہ سے بھٹو کی موت سیاسی قتل مانی جاتی ہے۔ جنرل ضیا نے لیبر اوٗر سٹوڈنٹ یونینوں پر پابندی لگا کر اپنا عرصہ ء حکومت تو طویل کر لیا مگر قوم کے شعور کی نشونما پر تالے لگا دیئے۔ جس طرح پرؤیز صاحب نے بھٹو کے شراب پر پابندی اوٗر جمعہ کی چھٹی کو منافقانہ اقدامات قرار دیا ہے اسی طرح جنرل ضیا کے ہر رمضان مںیں عمرے، حدوٗد آرڈیننس، شلوار قمیض اوٗر شیرؤانی کا استعمال، شاہ فیصل مسجد کی تعمیر، ٹی وٗی پر دوٗپٹے کا روٗاج، تلاوٗت اوٗر نعت کا ہر تقریر سے پہلے سنوانا اوٗر کام کے دوٗران نمازوٗں کا وٗقفہ بھی منافقانہ اقدامات تھے۔ کیونکہ جنرل ضیا نے اسلام کی بنیادی روٗح کو پس پشت ڈال دیا اوٗر دوٗسرے مطلق العنان حکمرانوں کی طرح صرف دکھاوٗے کے کام کئے۔ یہ الگ بات ہے کہ جس طرح بھٹو کے منافقانہ اقدامات کا قوم کو فائدہ پہنچا اسی طرح جنرل ضیا کے دکھاوٗے کے کاموں سے بھی قوم گیارہ سال روٗشن خیالی کی یلغار سے بچی رہی۔

جنرل ضیا اگر پکے اوٗر سچے مسلمان ہوتے تو مسلمانوں کی بہبود کا خیال کرتے۔ مسلمانوں کی اگلی نسل کی آبیاری اس طرح کرتے کہ پندر بیس سالوں میں آنے وٗالی نسل پاکستان کی قیادت اسطرح سنبھالتی کہ ملک کا نقشہ بدل کر رکھ دیتی۔ جنرل ضیا نام کے مسلمان تھے اسی لئے انہوں نے وٗہی کچھ کیا جو ان کے اقتدار کی طوالت کیلیئے ضروٗری تھا یعنی افغانستان کی جنگ میں امریکہ کو استعمال کیا۔ اپنے لوگوں کو امریکی مفادات کی جنگ میں مرؤایا اوٗر جب افغانستان کی جنگ میں کامیابی کا جشن منانے کا وٗقت آیا تو ان کو ان کے اللہ کے پاس بھیج دیا گیا۔

جنرل ضیا کے بارے میں ایک لطیفہ مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ خدا نے جنرل ضیا کو موت کے بعد حورؤں کی بجائے نورجہاں عنائت فرما دی۔ اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ اے خدا تو نے ایک منافق کو دنیا میں عیاشی کرائی اوٗر یہاں بھی عیاشی کرا رہا ہے۔ خدا نے کہا کہ پاگلو میں جنرل ضیا کو عیاشی نہیں کرا رہا بلکہ نورجہاں کو عذاب دے رہا ہوں۔

اگر پرؤیز صاحب اپنے دوٗر کا سابقہ فوجی ادوٗار سے موازنہ کرتے تو قاری کو ان کے دوٗر کی اچھایاں اوٗر برائیاں جاننے کا موقع ملتا اوٗر تاریخ دان کو تاریخ لکھنے میں آسانی ہوتی۔

ہماری نظر میں جنرل ضیا اوٗر جنرل مشرف کے ادوٗار میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔

۱۔ جنرل ضیا نے آٹھویں ترمیم کرکے سارے اختیارات اپنے پاس رکھ لئے۔ جنرل مشرف نے بھی ایم ایم اے کو دھوکہ دے کر آئین میں ترمیم کرکے مرکزی اختیارات حاصل کر لئے۔

۲۔ جنرل ضیا نے وٗزیرِ اعظم جونیجو کو اس طرح برطرف کیا کہ "جونیجو بنانا" ایک محاوٗرہ بن گیا۔ جنرل مشرف نے ظفراللہ جمالی کو ہٹایا۔

۳۔ دوٗنوں جنرلوں نے افغانستان کی صورتحال سے فائدہ اٹھایا اوٗر اپنے اقتدار کو پکا کیا۔

۴۔ جنرل ضیا کی طرح جنرل مشرف نے بھی سرکاری مسلم لیگ بنوائی

۵۔ جنرل ضیا نے اگر نوے روٗز میں الیکشن کرانے کا وٗعدہ توڑا تو جنرل مشرف نے وٗردی اتارنے کا وٗعدہ پورا نہ کیا۔

۶۔ جنرل ضیا نے بھٹو کو اپنے راستے سے ہٹایا تو جنرل مشرف نے بینظیر اوٗر نواز شریف کو ملک سے باہر رکھا

۷۔ جنرل ضیا نے کوڑوٗں سے ڈرایا تو جنرل مشرف نے نیب کی طاقت استعمال کی۔

۸۔ جنرل ضیا نے مجلسِ شوریٰ بنائی تو جنرل مشرف نے بلدیاتی نظام دیا۔

1988 سے 1999 تک کا ہنگامہ خیز دوٗر

جنرل ضیا کی موت کے بعد بینظیر اوٗر نواز شریف نے دوٗ دوٗ بار حکومت کی اوٗر اپنے دوٗرِ حکومت میں وٗہ ایک دوٗسرے کی ٹانگیں ہی کھینچتے رہے۔ اس دوٗر کو پرٗویزٗ صاحب نے جمہوریت کا بھیانک اوٗر ہولناک عشرہ قرار دیا ہے۔

اس عرصے کے دوٗران پرٗویزٗ صاحب کرنل سے جنرل بن گئے اوٗر انہوں نے بہت سارے اتارچڑھاوٗ دیکھے۔

جنرل ضیا کے طیارے کے حادثے کے بارے میں بھی ان کے خیالات وٗہی ہیں جو پبلک کے ہیں۔ انہوں نے اپنی فوجی زندگی کے تجربے کی بنا پر اس حادثے کو نہیں پرکھا۔ کہتے ہیں طیارے کا بلیک باکس بھی مل گیا تھا مگر کسی نے تحقیقات کی پیروٗی نہ کی۔ یہاں پر پرٗویزٗ صاحب یہ بھول رہے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنے سات سالہ دوٗرِ اقتدار میں اس کیس کو دوٗبارہ کھلوانے کا تردد نہیں کیا اوٗر اپنے ایک باس اوٗر پیٹ ی بند بھائی کی موت کا معمہ حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اندازہ یہی ہوتا ہے کہ کسی ماوٗرائی طاقت نے تمام حکمرانوں کو اس حادثے کی تحقیقات سے روٗک رکھا ہے۔ پرٗویزٗ صاحب نے اس حادث کے بارے میں اپنے شکوک وٗ شبہات کی بات ہے مگر ان شکوک وٗ شبہات کی تفصیل میں جانے کی کوشش نہیں کی اوٗر نہ انہ ی ں دوٗر کرنے کا عزم ک ی ا ہے۔

بینظیر کے پہلے دوٗر میں انہیں دوٗبارہ وٗزیرِ اعظم کا ملٹری سیکریٹری بنانے کی آفر کی گئی جو انہوں نے پھر اپنے پرانے باس جنرل فرخ کے کہنے پر رد کر دی۔ وٗہی بات ہے کہ بریگیڈیئر کے عہدے وٗالے فوجی میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وٗہ اس آفر کو نامنظور کرے۔ دوٗسرے اگر پہلی دفعہ جنرل فرخ نے انہیں بتا دیا تھا کہ ان کا ملٹری سیکریٹری بننا ان کے کیریئر کے لئے اچھا نہیں ہے تو پھر دوٗبارہ جنرل فرخ سے مشورہ کرنے کی کیا ضروٗرت تھی جبکہ انہیں جنرل فرخ کے جواب کا پہلے ہی سے علم تھا۔

پرٗویزٗ صاحب صومالیہ میں فوج کی تعیناتی اوٗر وٗہاں پر جانی نقصان کی بات کرتے ہیں مگر یہ نہیں بتاتے کہ صومالیہ فوج بھیجنا ٹھیک تھا کہ نہیں۔ پرٗویزٗ صاحب فوج کی خدمات اوٗر اس کے خطروٗں سے کھیلنے کی ہر جگہ بات کرتے ہیں مگر انہوں نے کہیں بھی کوئی ایسا وٗاقعہ بیان نہیں کیا جس کی وٗجہ سے ان کی کمانڈوٗ کی خصوصیات نمایاں ہو پاتیں۔ دوٗچار وٗاقعات جو پرٗویزٗ صاحب نے بیان کئے ہیں وٗہ عام سے وٗاقعات ہ ی ں کوئی خاص بہادری کی مثالیں نہیں ہیں۔

پرٗویزٗ صاحب جب کور کمانڈر بنے تو انہیں سیاستدانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے دیکھا کہ آرمی چیف کی کیا اہمیت ہوتی ہے اوٗر یہی تجربہ اب ان کے کام آرہا ہے۔ اسی تجربے کی بنا پر انہوں نے نواز شریف کے ساتھیوں کو نیب کی تلوار سے ڈرا کر اپنے ساتھ ملا لیا اوٗر سرکاری مسلم لیگ بنا لی۔

پرٗویزٗ صاحب شکائت کرتے ہیں کہ جنرل جہانگیر کرامت نے 1997 میں ان کا حق مار کر جنرل علی قلی خان کو چیف آف جنرل سٹاف بنا دیا اوٗر ساتھ ہی جنرل علی قلی خان کو ایک اوٗسط درجے کا آفیسر قرار دیا ہے حالانکہ پرٗویزٗ صاحب اقرار کرتے ہیں کہ علی قلی خان ان سے سینیئر تھے اوٗر وٗہ

سینیارٹی میں تیسرے نمبر پر تھے۔ یہ وُہی جنرل علی قلی خان ہیں جن کو پرؤیز مشرف کی بجائے انگلینڈ ٹریننگ کیلئے بھیجا گیا تھا۔ پرؤیز صاحب یہ بھی کہتے ہیں جنرل جہانگیر کرامت اس وُقت جنرل علی قلی خان کو اپنی جگہ پر چیف آف سٹاف بنانا چاہتے تھے۔

اب اندازہ ہوتا ہے کہ فوجی حضرات بھی جب چوٹی پر پہنچتے ہیں تو وُہ بھی سولین کی طرح ایک دؤسرے کی ٹانگیں کھینچنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس وُقت وُہ صرف اپنے مفاد کی خاطر اپنے ساتھیوں اؤر سینیئرز کی بھی قربانی دینے سے گریز نہیں کرتے۔ یہی کچھ پرؤیز صاحب کے چیف آف سٹاف بننے پر ہوا۔ جب سینیارٹی میں تیسرے نمبر آفیسر کو چیف بنایا گیا تو سینیئر علی قلی خان نے استعفی دے دیا۔ جنرل علی قلی خان کا استعفی فوج کی رؤائت کے عین مطابق تھا کیونکہ کوئی بھی فوجی افسر اپنے جونیئر کے انڈر کام کرنے کو راضی نہیں ہوتا۔ اگر پرؤیز صاحب سینیارٹی میں تیسرے نمبر پر ہونے کے باؤجود جب پرؤموٹ نہیں ہوتے اؤر اپنے استعفے کی بات کرتے ہیں تو پھر جنرل علی قلی خان کا استعفی تو ٹھیک تھا۔ یہاں پر اگر انصاف سے دیکھا جائے تو جیسے فوجی اپنے باس کا ہر حکم مانتا ہے اؤر اگر نہ مانے تو اس کا کورٹ مارشل کر دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر سینیئر کا حق مارا جائے تو پھر جونیئر کو اپنے سینیئر کیلئے سب کچھ قربان کر دینا چاہئے مگر نہیں حقیقی دنیا میں انسان خود غرض ہے اؤر وُہ اپنی ذات کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہوتا ہے۔ اگر پرؤیز صاحب نے بناں احتجاج کئے اؤر اپنے سینیئرز کی عزت کو پ ی رؤں تلے رؤندتے ہوئے چیف کا عہدہ قبول کیا تو کوئی نیا کام نہیں کیا۔ اللہ جانے یہ خود غرضی کا کھیل کب ختم ہوگا اؤر کب حقدار کو اس کا حق ملنا شروع ہوگا۔ پرؤیز صاحب کو جو رؤائت وُرثے میں ملی اس کو انہوں نے ابھی تک جاری رکھا ہوا ہے۔ ابھی تک وُہ کتنے سول لوگوں کا حق مار کر فوجیوں کو سول محکموں کا سربراہ بنا چکے ہیں اؤر کتنے ہی اپنے چہیتوں کی نوکریوں میں توسیع کر چکے ہیں۔ سب سے بڑا حق تو انہوں نے مستند سیاستدانوں کا مارا جب انہوں نے کسی بیرؤنی طاقت کے کہنے پر ایک غیر سیاسی وُزیر اعظم مقرر کیا۔ ان کے حواری سیاستدانوں کی ماں مرجائے جو انہوں نے احتجاج تک کیا ہو کیونکہ یہ سارے نیب زدہ ہیں اؤر کسی کا بھی دامن صاف نہیں ہے۔

جنرل علی خان بھی سیاست کی بھینٹ چڑھ گئے کیونکہ ایک تو وُہ صدر فارؤق لغاری کے کلاس فیلو تھے جنہیں بعد میں استعفی دینا پڑا۔ پھر جنرل وُحید کاکڑ بھی رخصت ہوگئے اؤر پرؤیز صاحب کیلئے میدان صاف ہوگیا یا کسی ماؤرائی طاقت نے ان کیلئے میدان صاف کر دیا۔

وُیسے یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہماری فوج کا سیٹ اپ کچھ اسطرح ہے کہ مزہبی اؤر محبِ وُطن آدمی ترقی پاکر اؤپر آہی نہیں سکتا۔ یہ پرانی بات نہیں ہے جب پرؤیز صاحب نے چن چن کر فوج سے اسلامی ذہن رکھنے وُالوں کو نکالا اؤر اب ان میں کچھ تبلیغی جماعت م ی ں ہیں اؤر کچھ گھرؤں میں آرام فرما رہے ہیں۔ ابھی تک ہم نے کسی چیف آف سٹاف یا آرمی چیف کو داڑھی میں نہیں دیکھا۔ اگر کوئی آرمی آفیسر اسلام کی طرف راغب ہوکر داڑھی رکھ بھی لیتا ہے تو وُہ بریگیڈیئر سے اؤپر نہیں جا پاتا۔

ہماری فوج کی ٹریننگ ابھی تک پرانے انگلستانی طور طریقوں پر ہورہی ہے جس میں آفیسرؤں کے ذہن میں یہ خناس بٹھا دیا جاتا ہے کہ وُہ اعلی مخلوق ہیں اؤر اگر انہوں نے کامیاب ہونا ہے تو سپاہیوں اؤر ایرؤں غیرؤں سے فاصلہ رکھیں۔ اکثر کیڈٹ شروع میں ہی داڑھی مونچھ صاف کرا دیتے ہیں اؤر پھر ان کو رہن سہن اؤر چلنا پھرنا اسطرح سکھایا جاتا ہے کہ ان کی گردن ہمیشہ اکڑی رہتی ہے۔ ترب ی ت کے بعد جب ک ی ڈٹ آف ی سر بنتا ہے تو آدھا دی س ی گورا بن چکا ہوتا ہے اؤر آرم ی ک ی بڑي آسام ی پر پہنچتے پہنچتے وُہ پورا دی س ی گورا بن جاتا ہے۔ آرم ی کے

بڑے صاحب ريٹائر ہو کر بھي گوراپن ترک نہ يں کرتے اس ي لئے ہم يشہ سر پر ک يپ اور ہاتھ م يں چھڑي نظر آت ي ہے جو مرتے دم تک ان ک ي جان نہ يں چھوڑت ي۔

اگر فوج کو اقتدار سے دور رکھنا ہے اور اسے محبِ وطن بنانا ہے تو پھر فوجی تربیت کے طریقوں کو اسی طرح بدلنا ہوگا ي عن ي انگري زي نظامِ ترب ي ت کو چھوڑ کر اسلام ي طرزِ ترب ي ت اپنانا ہوگا۔ ل ي کن موجودہ حکومت سے اس بات ک ي توقع عبث ہے ک ي ونکہ وہ تو اس کے الٹ پہلے ہ ي ہمارے تعل ي م ي نصاب سے اسلام ي شعار ي عن ي جہاد وغیرہ کو نکال رہ ي ہے اور اس ک ي جگہ پر محبت ک ي داستانوں کا اضافہ کر کے قوم کو روشن خ ي ال بنارہ ي ہے۔ اللہ جانے اس کا فوج کو کیا فائدہ ہوگا کیونکہ فوج کا وجود ہی جہاد سے ہے اور اگر آنے والی نسلوں سے جہاد کا خیال نکال دیا گیا تو پھر فوجی کہاں سے بھرتی کئے جائیں گے اور اگر بھرتی کر بھی لئے تو وہ کس بنیاد پر جنگ کریں گے۔

بحث کو اسطرح سمیٹنے کا مطلب یہ ہے کہ اس فوجی سیٹ اپ کی وجہ سے جو بھی آرمی چیف بنے گا وہ جنرل ایوب، جنرل ضیا اور جنرل پرویز مشرف سے مختلف نہیں ہوگا۔ آرم ي چ ي ف کے اسلام ي ہونے ک ي لئے ضروري ہے کہ فوج کے بن ي ادي ڈھانچے م ي ں تبدي ل ي ک ي جائے۔

پرویز صاحب چیف آف سٹاف کیسے بنے

پرویز صاحب چیف آف سٹاف بننے کی کہانی اپنی اس خواہش یا دعا سے شروع کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن م ي ں منگلا میں اپنے گھر میں اداس بیٹھا تھا کہ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ "میں تو اپنی فوج، قوم سے صرف یہ وعدہ کرسکتا ہوں کہ پوری دیانتداری، وفاداری اور دل وجان سے ان کی خدمت کروں گا"۔ اللہ نے میری دعا قبول کرلی۔ یہ 18 اگست 1988 کا دن اور میری سالگرہ تھی۔

حساب لگایئے پرویز صاحب پہلے ہی اپنے ٹارگٹ پر نشانہ لگائے بیٹھے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کا پہلے ہی سے سو فیصد ارادہ تھا کہ وہ نواز شري ف کا تختہ الٹ ي ں گے۔

بقول ان کے کرنا خدا کا یہ ہوا کہ دو ماہ بعد ہی وزیراعظم کا فون آگیا اور انہیں پرائم منسٹر ہاؤس بلایا گیا۔ یہاں پر انہوں نے صبح آنے کی بات کر کے پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فوجی چاہے بریگیڈیئر جنرل ہی کیوں نہ وہ سول ملازم یعنی وزیراعظم سے برتر ہوتا ہے ورنہ کسی اور کی کیا مجال کہ ملک کا سربراہ آپ کو بلائے اور آپ کہیں کہ میں صبح آجاؤں گا۔

پرویز صاحب کو راستے میں ہی پتہ چل گیا کہ انہیں چیف بنایا جارہا ہے اور جنرل کرامت صاحب مستعفی ہوگئے ہیں۔ ح ي ران ي ہے کہ اس استعفے پر کسی فوجی بیرک سے احتجاج بلند نہ ہوا۔

اس خبر کو سننے کے بعد انہیں چند ماہ قبل ہونے وٴالی کور کمانڈر کانفرنسوں کی روٴداد یاد آگئی ۔ جس میں جنرل علی قلی خان تو مارشل لاء لگانا چاہتے تھے مگر انہوں نے مخالفت کی تھی۔ آخر میں جنرل جہانگیر کرامت نے بھی وٴزیر اعظم کا ساتھ دیا تھا۔ اس طرح صدر لغاری اوٴر چیف جسٹس سجاد شاہ مستعفی ہوگئے۔

لیکن اس کہانی کا ایک اوٴر پہلو بھی ہے ۔ پروٴیز صاحب کو چیف کیوں بنایا گیا اوٴر جنرل جہانگیر کرامت کیوں مستعفی ہوئے اس بارے میں اس وٴقت اسلام آباد میں یہ افواہ پھیلی ہوءي تھي۔ کہتے ہیں جب پروٴیز صاحب منگلا میں تعینات تھے تو ان کے ایک اوٴر افسر کی بیگم کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ کسی طرح اس کی اطلاع ان کے کسی ساتھی افسر نے جنرل جہانگیر کرامت کو کردی ۔ اب پروٴیز صاحب کو اس فسر پر غصہ تھا اسلئے انہوں نے جنرل جہانگیر کرامت سے کہا کہ اس افسر کا کورٹ مارشل کیاجائے کیونکہ اس نے اپنے صاحب کی غلط رپورٹ کی ہے ۔ جنرل جہانگیر کرامت نے اس افسر کا کورٹ مارشل تو نہ کیا مگر اسے ریٹائر کرکے باہر جانے کا موقع فراہم کردیا۔ اس بات کا پروٴیز صاحب کو غصہ تھا۔ جب کورکمانڈروٴں کی کانفرنس ہوئی تو انہوں نے جنرل جہانگیر کرامت کی مخالفت میں نواز شریف کی حماي‍ت کی ۔ اس بات کی خبر جنرل ضیاالدین بٹ نے نواز شریف کو کردی اوٴر کہا کہ صرف پروٴیز مشرف ایک ایسا آدمی ہے جو کورکمانڈروٴں کی کانفرنس مي‍ں آپ کی حمائت کرتا رہا ہے ۔ بس پھر کیا تھا نواز شریف نے پروٴیز صاحب کو چیف چن لیا۔

پروٴي‍ز صاحب کے بقول وٴزیر اعظم نوز شریف ان سے ملے اوٴر انہ‍ي‍ں چیف آف سٹاف کا عہدہ پیش کردیا۔ پھر پروٴیز صاحب جنرل جہانگیر کرامت سے ملے اوٴر انہوں نے انہیں بتایا کہ جنرلوں کو ریٹائر کرنے پر ان کا اختلاف ضروٴر تھا مگر اصل اختلاف کارگل کی جنگ پر تھا۔ حیرانی ہے یہ ساری باتیں پروٴیز صاحب کو جنرل جہانگیر کرامت نے رخصتی کے وٴقت بتائیں ۔ پتہ نہیں وٴہ کورکمانڈروٴں کی کانفرنسوں میں کونسے مسائل زیر بحث لاتے رہے ۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کارگل کا اتنا بڑا ایشو ہو کورکمانڈروٴں کو چیف آف سٹاف اطلاع نہ کرے اوٴر اگر اطلاع کرے تو فوج اس مسلے پر اي‍ک نہ ہو۔

بہرحال پروٴیز صاحب اپنی دعا کی بدوٴلت فوج کے سربراہ بن گئے تاکہ وٴہ اپنے عوام اوٴر ملک کي خدمت کرسک‍ي‍ں۔

کارگل کا معرکہ

پروٴیز صاحب اپنی کتاب میں کارگل کا وٴاقعہ ملکی مفاد کی پروٴاہ کئے بغیرنواز شریف کی تقلید کرتے ہوئے دوٴ وٴجوہات کی بناں پر زیر بحث لائے ہیں ۔ ایک تو کارگل کا معرکہ پہلا معرکہ ہے جس میں پاکستانی فوج کا پلہ بھاری رہا اوٴر دوٴسرے نواز شریف کے بیانات کے جوابات دینے اوٴر انہیں ذلیل کرنے کیلئے اس کا ذکر ضروٴری تھا۔ اسی لئے پروٴیز صاحب نے کارگل کے باب میں اس وٴقت کی سول انتظامیہ کی خوب خبر لینے کی کوشش کی ہے ۔ اس جوش میں انہوں نے اپنے حلیفوں کا بھی خیال نہیں رکھا جو اس وٴقت نواز شریف کی حکومت میں شامل تھے ۔

پرؤیز صاحب نے سیکرٹ ایکٹ کی پرؤاہ کئے بغیر سارے راز کھول کر رکھ دیئے ہیں اب ان میں سچائی کتنی ہے یہ ؤہی جانتے ہیں یا ہماری ایجنیسیاں۔ بقول ان کے کارگل پر قبضہ پاکستانی فوج نے نہیں بلکہ پاکستانی فریڈم فائٹرز نے کیا تھا۔ اب تک تو ہم نے کشمیری فریڈم فائٹرز کا نام سن رکھا تھا لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ پاکستان میں فوج کے علاؤہ بھی کوئی مسلح طاقت ہے جسے پاکستانی فریڈم فائٹر کہتے ہیں اؤر یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ پاکستانی فریڈم فائٹرز کا حدف یا ارادہ یا مشن کیا تھا۔

ساری جنگی صورتحال بیان کرنے کے بعد پرؤیز صاحب کے بقول انڈیا اس ؤقت اس قابل نہیں تھا کہ ؤہ پاکستان پر حملہ کر سکے۔ پاکستان کو کارگل میں برتری حاصل تھی اسی لئے انڈین آرمی کا اس معرکے میں زیادہ جانی نقصان ہوا۔

پرؤیز صاحب اس معرکے میں فوج پر پانچ الزامات کا جواب بھی تفصیل سے دیتے ہیں اؤر بتاتے ہیں کہ فوج حق پر تھی اؤر انڈین آرمی پر ہاؤی تھی۔ یہ سول انتظامیہ تھی جس نے یہ جنگ ڈپلومیٹک فورم پر ہاری۔

پہلا الزام یہ ہے کہ کارگل کا مشن سول انتظامیہ کو بتائے بغیر شرؤع کیا گیا اؤر ؤہ اسے بہت بڑا جھوٹ قرار دیتے ہیں۔ پرؤیز صاحب کی یہ بات سچ ہے اؤر یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اتنا بڑا قدم فوج سول انتظامیہ کے بغیر اٹھائے اؤر ؤہ بھی اس ؤقت جب فوج اؤر سول انتظامیہ کا آپس میں مکمل اتفاق تھا۔

دؤسرا الزام یہ ہے کہ پاکستانی فوج انڈیا کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی اسلئے نواز شریف نے کلنٹن کی مدد سے کارگل خالی کر دیا۔ پرؤیز صاحب یہ بات ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں اؤر کہتے ہیں کہ انڈیا اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ پاکستانی فوج کو شکست دے سکتا۔

یہ بات ماننے ؤالی ہے کہ کارگل میں پاکستانی فوج کو برتری حاصل تھی ؤہ اسلئے کہ پاکستانی فوج نے چوٹی پر قبضہ کیا ہوا تھا جہاں سے ؤہ انڈین آرمی کو جہاں چاہتی آسانی سے نشانہ بنا رہی تھی۔ لیکن یہ بات ماننے ؤالی نہیں ہے کہ انڈیا اس ؤقت مکمل جنگ چھیڑنے کے قابل نہیں تھا اؤر ؤہ کشمیر میں پھنسا ہوا تھا۔ پاکستان کو سب سے بڑا ڈر فل سکیل جنگ کا تھا اؤر پاکستان اپنے پچھلے تجربات سے جانتا تھا کہ ؤہ کبھی بھی جنگ نہیں جیت سکے گا۔ سول انتظامیہ نے ہوسکتا ہے انڈیا کیساتھ جنگ سے بچنے کیلئے امریکہ کی مدد لی ہو۔ اس ؤقت قیاس بھی یہی تھا کہ اگر کارگل کچھ دنوں میں خالی نہ کیا گیا تو انڈیا پاکستان پر حملہ کر دے گا۔

تیسرا الزام یہ ہے کہ اس معرکے کا آرمی کی ہائی کمانڈ کو علم نہیں تھا۔ یہ تو نواز شریف صاحب سرا سر جھوٹ بول رہے ہیں۔ پھر ؤہی بات ہے کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی جھڑپ نہیں تھا یا رینجرز ؤالے سمگلنگ نہیں کر رہے تھے کہ ہائی کمان ان س بے خبر رہتی۔ کارگل کا معرکہ نہ صرف فوج کی ہائی کمان کو اعتماد میں لے کر لڑا گیا ہو گا بلکہ سول انتظامیہ کی بھی اس میں مرضی شامل ہوگی۔

چوتھا الزام یہ ہے کہ ہم کارگل پر قبضے کی وٗجہ سے ایٹمی جنگ کے دہانے پر پہنچ چکے تھے۔ پرؤیز صاحب اس بات کو نہیں مانتے اوٗر کہتے ہیں کہ اس وٗقت پاکستان اس قابل نہیں تھا کہ وٗہ انڈیا پر ایٹم بم پھینک سکتا۔ مگر پرؤیز صاحب یہ بات بھول رہے ہیں کہ انڈیا اس قابل تھا کہ وٗہ پاکستان پر ایٹمی حملہ کر سکتا تھا۔ شائد اسی وٗجہ سے سول انتظامیہ نے کارگل خالی کیا تاکہ ایٹمی جنگ کا خطرہ ٹالا جا سکے۔

پانچواں اوٗر آخری الزام یہ ہے کہ اس معرکے میں پاکستان آرمی کا بہت زیادہ جانی نقصان ہورہا تھا۔ پرؤیز صاحب یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں اوٗر کہتے ہیں کہ انڈیا کا ہم سے بہت زیادہ نقصان ہورہا تھا۔ پرؤیز صاحب کی بات بجا مگر پاکستانی آرمی بھی جانی نقصان سے بچی ہوئی نہیں تھی۔ وٗیسے ہم یہ ماننے کیلیئے تیار نہیں ہیں کہ سول انتظامیہ نے اسلیئے کارگل خالی کیا کہ فوج کا بہت زیادہ نقصان ہورہا تھا۔ اس کی وٗجہ یہی ہے کہ سول انتظامیہ ہو یا فوجی چیف اسے فوجیوں کی جانوں کی پرؤاہ نہیں ہوتی اسے اپنے مفاد کی فکر ہوتی ہے اوٗر وٗہ اسی تگ وٗدوٗ میں ہوتے ہیں کہ کسی طرح ان کا جھنڈا بلند ہو چاہے اسکیلیئے سینکڑوٗں فوجیوں یا عام لوگوں کی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

ہماری نظر میں کارگل سے پسپائی کی صرف ایک ہی وٗجہ تھی اوٗر وٗہ تھی انڈیا کیساتھ جنگ سے گریز۔ انڈیا چونکہ کارگل میں کافی ہزیمت اٹھا چکا تھا اوٗر جب اس کا کوئی چارہ نہ چلا تو اس نے عام جنگ کی دھمکی دے دی۔ پاکستان کی سول اوٗر فوجی انتظامیہ دوٗنوں اس دھمکی سے ڈر گئے اوٗر انہوں نے کارگل خالی کردیا۔ ہمارے خیال میں یہ مشکل فیصلہ فوج اوٗر سول انتظامیہ نے ملکر کیا اوٗر اب سیاسی فائدہ حاصل کرنے کیلیئے دوٗنوں ایک دوٗسرے پر فضول الزامات لگا رہے ہیں۔ بہتر ہوتا اگر دوٗنوں پارٹیاں پانے مفاد کی خاطر اس نازک مسلے کو زیر بحث نہ لاتیں۔ مگر ہمیں کیا پاکستان جائے بھاڑ میں ہمیں تو اپنا ذاتی مفاد عزیز ہے۔

12 اکتوبر، 1999

بارہ اکتوبر کے وٗاقعہ کی تفصیل پرؤیز صاحب نے اس قدر وٗضاحت سے بیان کی ہے کہ سارا سارا منظر قاری کی نظرؤں کے آگے گھوم جاتا ہے۔ اس ساری وٗاردات میں پتہ نہیں کیوں پرؤیز صاحب نے اپنے آپ کو مظلوم بننے کی بجائے بہادر بننا پسند کیا ہے۔ وٗہ ہر جگہ یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وٗہ کمانڈوٗ ہیں جو کسی سے نہیں ڈرتے۔

جب نواز شریف نے پرؤیز مشرف کو ہٹا کر ضیاءالدین بٹ صاحب کو نیا چیف مقرر کردیا تو فوج میں ہلچل مچ گئی۔ یہاں پر ایک چیز کی سمجھ نہیں آئی۔ جب جنرل ضیاءالدین بٹ کو چیف بنا دیا گیا تو پھر فوج نے اپنے چیف کی حکم عدوٗلی کیوں کی۔ ہوسکتا ہے فوج میں بھی گروٗپ بندی ہوتی ہو اوٗر جنرل ضیاءالدین بٹ صاحب کا گروٗپ کمزوٗر ہو۔ بہرحال ثابت یہی ہوا کہ چاہے سول ادارے ہوں یا فوجی ہر جگہ گروٗپ بندی اوٗر خود غرضی موجود ہوتی ہے۔ اسی لئے فوج کے طاقتور گروٗپ نے اس وٗقت جنرل ضیاءالدین بٹ کو چیف ماننے سے انکار کردیا اوٗر پرؤیز مشرف کو چیف برقرار رکھا۔ یہیں سے نواز شریف کی بدبختی شروٗع ہوتی ہے کہ جس نے پانی میں رہ کر مگر مچھ سے بیر ڈالا اوٗر آخر کار اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس پر نواز شریف نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ جنرل پرؤیز مشرف کے طیارے کو پاکستان اترنے کی اجازت دینے سے انکار کردیا۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ یہ نواز شریف خاندان کی خاندانی عادت رہی ہے کہ اپنے آگے کسی کو کچھ نہیں سمجھتے۔ جن لوگوں نے ان کے ساتھ کاروبار کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ میاں خاندان کا سارا کاروبار بدمعاشی اور ظلم کی بنیاد پر قائم تھا۔ انہوں نے ملک کو بھی انہی اصولوں پر چلانے کی کوشش کی جن پر وہ اتفاق فاؤنڈری کو چلا رہے تھے۔ وہاں بھی اباجی کا راج تھا اور حکومت میں بھی اباجی کو اوّلیت دی گئی۔

یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ اچھے دنوں میں اباجی یعنی میاں شریف جب اتفاق فاؤنڈری کے چیئرمین تھے تو وہ فاؤنڈری کا صبح صبح چکر لگایا کرتے تھے۔ ان کے چکر کا مقصد ضرورت مند ورکروں کی حاجتیں سننا اور اپنے ذاتی ملازموں یعنی فورمینوں سے تازہ رپورٹیں لینا ہوتا تھا۔ یعنی وہ دوغلی پالیسی پر کاربند تھے۔ اباجی ورکروں کیلئے ان داتا تھے تو ان کے بیٹے اور پوتے ورکروں پر ظلم کرنے والے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ اگر کوئی ملازم چوری یا فراڈ کرتا ہوا پکڑا گیا تو انہوں نے اسے پولیس کے حوالے کرنے اور مقدمہ درج کرانے کی بجائے فیکٹری کے اندر ہی سزا دی۔ سزا دینے کے بعد جب ملازم کا منہ مار کی وجہ سے سوج کر خراب ہوجاتا تھا تو وہ اسے پولیس کے حوالے کرنے سے پہلے عبرت کیلئے ایک یا دو دن گیٹ پر بٹھا دیا کرتے تھے۔ اگر فیکٹری میں کوئی حادثہ ہوجاتا تو وہ متاثرین کو نہ ہونے کے برابر معاوضہ دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی اہم ملازم یا افسر اچھی نوکری ڈھونڈ کر استعفیٰ دے دیتا تو وہ اس کے بقایاجات ادا کرنے سے انکار کر دیا کرتے تھے۔

نواز شریف فیملی نے یہی اطوار حکومت کے اندر بھی اپنائے رکھے۔ حالانکہ انہیں پہلے ایک بار جھٹکا لگ چکا تھا مگر دوبارہ حکومت ملنے کے بعد بھی انہوں نے سبق نہ سیکھا اور اپنی من مانیوں میں اس انتہا تک پہنچ گئے جہاں سے واپسی صرف جلاوطنی کی شکل میں ہی ہوسکتی تھی۔

پرویز صاحب نے اپنی کتاب میں کئی جگہوں پر اپنے آپ کو کمانڈو اور بہادر ثابت کرنے کیلئے ایسی ایسی ڈینگیں ماری ہیں جن کا کوئی سرپیر نظر نہیں آتا۔ بارہ اکتوبر کو جب ان کا جہاز فضا میں تھا تو انہوں نے پائلٹ سے پوچھا کہ وہ اس وقت طیارہ کہاں کہاں اتار سکتے ہیں۔ پائلٹ نے ان کے سوال کے جواب میں بتایا کہ وہ یا تو بھارت جہاز کو لے کر جاسکتا ہے یا اومان۔ اس نے پرویز صاحب کو چیلنج نہیں کیا کہ وہ ضرور جہاز کو بھارت لے کر جائے گا مگر پرویز صاحب کا جواب تھا کہ تم جہاز کو بھارت میری لاش پر سے گزر کر ہی لے جاؤ گے۔ اب یہاں اس طرح کی ڈینگ مارنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن کیا کیا جائے کتاب بیچنے کیلئے ایسے مصالحے لگانا ضروری ہوتا ہے۔

پرویز صاحب نے بارہ اکتوبر کے واقعے کا پس منظر بھی بیان کیا ہے۔ انہوں نے کتاب میں تین باتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک بات یہ کہ نواز شریف نے انہیں دو جنرلوں کو ریٹائر کرنے کیلئے کہا اور پرویز صاحب نے انکار کر دیا اور کہا وہ جنرلوں کو صرف قواعد وضوابط کی رو سے ہی ریٹائر کرسکتے ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے نواز شریف پرویز صاحب کی سفارش پر اپنے چہیتے وزیر کے عزیز لیفٹیننٹ جنرل طارق پرویز عرف ٹی پی کو دل پر پتھر رکھ کر ریٹائر کر چکے تھے۔

پھر دوسری دفعہ ایک اخباری ایڈیٹر نجم سیٹھی کو گرفتار کیا اور اس کا کورٹ مارشل کرنے کو کہا اور پرویز صاحب نے پھر انکار کر دیا اور اسے رہا کر دیا۔

تیسری بات کارگل پر اختلاف کی ہے۔

اس کے علاؤہ ان دؤنوں میں کونسی خاص چپقلش چل رہی تھی یہ ؤہ جانتے ہیں یا ان کے حواری۔

آخر کار طیارہ بحافظت اتار لیا گیا اؤر نواز شریف کی اپنی یا ان کے اباجی کی غلطیوں کی ؤجہ سے چھٹی ہوگئی۔ نواز شریف فیملی نے جب ایک دؤ جنرل ریٹائر کئے، فارؤق لغاری کو گھر بھیجا اؤر پھر چیف جسٹس سجاد شاہ کی چھٹی کرائی تو انہوں نے سمجھا کہ اب سارے کانٹے راستے سے ہٹ چکے ہیں اسلئے انہوں نے من مانیوں کی انتہا کردی جس کا نتیجہ ؤہی نکلنا تھا جو نکلا یعنی نواز شریف فیملی کو اپنی جان چھڑانے کیلئے اپنے ساتھیوں کو تنہا چھوڑ کر جلاؤطن ہونا پڑا۔

اگر نواز شریف فیملی میں ذرا سی بھی سوجھ بوجھ ہوتی تو ؤہ عوامی مالِ غنیمت تنہا کی بجائے مل کر لوٹتی اؤر اس میں آرمی اؤر بیورؤکریسی کو اس کا حصہ دیتی رہتی۔

ہو سکتا ہے شاہ سے زیادہ شاہ کے حواریوں نے شاہوں کا بیڑہ غرق کیا ہو۔ ؤہی حواری بعد میں غداری کرکے پرؤیز صاحب کی حکومت میں چلے گئے۔

اس سے اگلے باب میں پرؤیز صاحب آرمی کے حکومت پر قبضہ کرنے کا حال بیان کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں جب تک آرمی کو باہر سے آشیر باد نہیں ملے گی ؤہ حکومت پر قبضے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس لئے اس سارے ڈرامے کے پیچھے اسی طاقت کا ہاتھ ہوسکتا ہے جس نے بعد میں پرؤیز صاحب سے اتنے فوائد اٹھائے جو ؤہ قومی حکومت سے نہیں اٹھا سکتی تھی۔

12 اکتوبر 1999 حصہ دؤئم

بارہ اکتوبر کے ڈرامے کو پرؤیز صاحب نے دؤ بابوں میں سمیٹا ہے۔ پہلے باب کا نام انہوں نے سازش اؤر دؤسرے حصے کا نام انہوں نے کاؤنٹر کوپ یعنی جوابی حملہ رکھا ہے۔

حصہ دؤئم میں انہوں منٹ منٹ کی رؤداد سنائی ہے کہ کس طرح ان کے حلیف افسرؤں نے نواز شریف کو ہٹانے مي‍ں ان کی مدد کی اؤر کس طرح ان کے حریفوں نے اس انقلاب کو رؤکنے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی پرؤیز صاحب نے اپنے سارے حلیف افسرؤں کو ان کے ناموں سے پکارا ہے اؤر ان کی ستائش بھی کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پرؤیز صاحب نے حریف افسرؤں کی تضحیک کی ہے اؤر یہ بھی بتایا ہے کہ کیسے انہوں نے ہتھیار ڈالے۔ ان ہتھیار ڈالنے کے ذکر نے پاک فوج کے مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کی یادتازہ کردی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تب انڈیا کے آگے ہتھیار ڈالے گئے اؤر اب ایک جنرل نے کرنل کے آگے ہتھیار ڈالے۔ دؤسرا فرق یہ ہے کہ پہلا ؤاقع ٹی ؤی پر دکھایا گیا اؤر دؤسرے ؤاقعہ کی ؤڈیو نہیں بنائی گئی۔

پرائم منسٹرہاؤس کا نقشہ انہوں نے کھینچتے ہوئے بتایا ہے کہ جب گارڈز نے ہتھیار ڈال دیئے تو پھر حریف افسر بھی ہار مان گئے۔ اس بار سے پہلے ان حریفوں نے اپنی سی کوشش ضرؤر کی بغاؤت کو کچلنے کی مگر ان کا بس نہ چلا۔

پرؤیز صاحب نے ان دؤ لیفٹینیٹ کرنلوں کا ذکر بڑی اپنائیت سے کیا ہے جنھوں نے پرائم منسٹرہاؤس، پریزیڈنٹ ہاؤس اؤر ٹی ؤی سٹیشن پر قبضہ کیا۔ امید ہے ان افسرؤں کو بعد میں پرؤیز صاحب نے خوب نوازا ہوگا۔

پرؤیز صاحب نے اپنے ایک عزیز جنرل شاہد عزیز کا بھی ذکر کیا ہے جو اس ؤقت ڈائرکٹر جنرل آف ملڑی آپریشنز تھے اؤر ان کی مدد کے بغیر شائد پرؤیز صاحب کامیاب نہ ہوتے۔ ان کی گھر سے جی ایچ کیو کی طرف رؤانگی کے ؤقت ان کے پڑؤسی یعنی جنرل ضیاء الدین کی بیوی کے مٹھائی بانٹنے کا ذکر ایک اؤر تضحیک کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

پرؤیز صاحب کے بقول آرمی نے بڑی پلاننگ سے سارا آپریشن کیا اؤر خدا کا شکر ہے کہ سارا قبضہ کسی خون خرابے کے بغیر انجام پایا۔ پرؤیز صاحب نے اسلام آباد، لاہور اؤر کراچی آپریشن کی تفصیلات بیان کی ہیں مگر سرحد اؤر بلوچستان کا ذکر نہیں کیا۔ ایک آدھ موقعوں پر لگتا تھا کہ شائد گولی چل جائے اؤر بقول پرؤیز صاحب کے اس میں نواز شریف اؤر جنرل ضیاءالدین بٹ سمیت کسی کی بھی جان جا سکتی تھی۔

شہباز شریف کے غسل خانے سے باہر نہ نکلنے اؤر انہیں زبردستی باہر نکال کر پھر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ آرمی کے آگے کسی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ پرؤیز صاحب اس بات کو گول بھی کر سکتے تھے مگر شائد ؤہ تضحیک کا کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

سیف الرحمن کے رؤنے اؤر چلانے کا بتا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ ؤہی آدمی ہے جو جب نیب کا چیف تھا تو اس نے اپنے مخالفوں کو ناکوں چنے چبوائے اؤر اب جب اس کا برا ؤقت آیا تو ؤہ بچوں کی طرح رؤنے لگا۔ یہ الگ بات ہے کہ پرؤیز صاحب بھی نیب سے ؤہی کام لے رہے ہیں جو نواز شریف نے سیف الرحمن کے ذریعے لیا۔

اب حریفوں کا کیا حشر ہوا اس بارے میں پرؤیز صاحب خاموش ہیں۔ حلیفوں کو کس کس طرح نوازا گیا یہ ہم سب پہلے ہی جانتے ہیں۔

آخر میں پرؤیز صاحب بتاتے ہیں کہ انہوں اپنے ساتھی کی فوجی جیکٹ لے کر ٹی ؤی پر تقریر کی جس میں ان کے سول کپڑے ٹیبل کے پیچھے چھپا دیئے گئے۔ پھر یہ بھی بتاتے ہیں کہ پہلی تقریر انہوں نے خود لکھی اؤر بعد میں اپنے ساتھیوں کو دکھائی۔ اچھا ہوتا جو ؤہ اپنی تقریر کی کاپی کتاب میں چھاپ دیتے۔ اسی طرح پرؤیز صاحب کافی جگہوں پر کچھ ثبوتوں کی کاپیاں کتاب میں ڈال سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

نواز شریف کی سیاسی خودکشی کی ؤجوہات

پرؤیز صاحب کی کتاب کے باب چودہ کا عنوان ہے ''خودکشی کی ؤجوہات'' جس میں ؤہ نواز شریف کی سیاسی خودکشی پر اپنی رائے دیتے ہیں۔

ان کے حساب سے نواز شریف اؤر ان کے درمیان چھوٹے موٹے اختلافات کے علاؤہ سب سے بڑے تین اختلافات تھے یعنی جنرلوں کو ریٹائر نہ کرنا، صحافی نجم سیٹھی کا کورٹ مارشل کرنے سے انکار اؤر کارگل کا معرکہ۔

پتہ نہیں ابھی تک گرفتار ہونے ؤالے صحافی نجم سیٹھی نے پرؤیز صاحب کی باتوں کی تردید یا تصدیق کیوں نہیں کی۔ کیا ان کا پیشہ انہیں مجبور نہیں کر رہا کہ ؤہ بولیں اؤر حقیقت کیا تھی بیان کریں۔

پرؤیز صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے ہر ممکن نواز شریف کی حکومت کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ ان کی سفارش پر ؤاپڈا پر قبضہ کیا اؤر فوجی عدالتیں قائم کیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان دؤنوں اقدامات نے ملک کو کوء فائدہ نہیں پہنچایا۔ ؤاپڈا آج بھی ؤہیں پر ہے جہاں تھا لیکن فوج نے اپنے ہاتھ ضرؤر پیلے کرلئے۔ فوجی عدالتوں نے بھی انصاف دلانے میں کوئی خاص کردار ادا نہ کیا بلکہ ان کی ناکامی کی بنا پر انہیں بعد میں ختم کر دیا گیا۔

ان تین باتوں کے علاؤہ پرؤیز صاحب نے نواز شریف کی ایک برائی صرف مغرب کو خوش کرنے کیلئے کتاب میں شامل کی ہے ؤہ ہے آئین کی پندرہویں ترمیم کا ذکر۔ بقول پرؤیز صاحب کے اس ترمیم سے نواز شریف ملک میں شریعت نافذ کرنا چاہتے تھے تاکہ ؤہ پرانے دؤر کی خلافت ؤاپس لاسکیں۔ پرؤیز صاحب یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اب تک کا پاکستان کی گورنمنٹ کا سیٹ اپ دین کو حکومت سے جدا کئے ہوئے تھا اؤر اب بھی ہے۔

ہمارے خیال میں پندرہویں ترمیم بھی ایک ڈھونگ تھی اؤر نواز شریف صاحب جنرل ضیا کی باقیات ہونے کی ؤجہ سے اسلام کو استعمال کر کے عوام کو بیوقوف بنائے رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن پرؤیز صاحب نے اس ترمیم کو اپنی کتاب میں شامل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انہوں نے نواز شریف کو ہٹا کر شریعت بل کو ناکام بنایا اؤر اس طرح مغرب پر بہت بڑا احسان کیا۔ اس طرح ہوسکتا ہے مغرب کی سپورٹ پرؤیز صاحب کو حاصل رہے اؤر مغرب اس بات سے ڈرتا رہے کہ اگر پرؤیز صاحب کی حکومت چلی گئی تو پاکستان میں شریعت نافذ ہوجائے گی جو مغرب کو نامنظور ہے۔

پرؤیز صاحب نے قومیتوں کی تفریق کو بھی ایک ؤجہ کے طور پر گھسیٹا ہے۔ ؤہ لکھتے ہیں کہ جنرل ضیاءالدین صاحب کو اسلئے اؤلیت دی گئی کہ ؤہ کشمیری تھے اؤر میں مہاجر تھا۔ پرؤیز صاحب نے اس تفریق کی بات کر کے قوم جو پہلے ہی ذات پات میں تقسیم ہے پر کوئی اچھا اثر نہیں چھوڑا۔

پرؤیز صاحب نے نواز شریف کی حکومت کی معاشی بدحالی کا ذکر بھی کیا ہے لیکن اس ؤجہ کو پہلا درجہ نہیں دیا۔ یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ پرؤیز صاحب کے اکتوبر 1999 سے ستمبر 2001 تک کے دؤرِ حکومت میں بھی ملک کی معاشی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ یہ تو بھلا ہو ستمبر گیارہ کا جس نے پرؤیز صاحب کے یوٹرن کی ؤجہ سے پاکستانیوں نے اپنا سرمایہ پاکستان منتقل کرنا شرؤع کیا، ہمیں یوٹرن لینے کے انعام کے طور پر امداد دی گئی اؤر ہم نے اپنے ہی لوگوں کو اتحادیوں کے حوالے کر کے کرؤڑؤں ڈالر کمائے جس کی ؤجہ سے ملک کی نہیں حکومت کی معاشی حالت میں بہتری آئی اؤر پرؤیز صاحب اس قابل ہوئے کہ ؤہ نواز شریف کے دؤر کی معاشی بدحالی کو اپنی تنقید کا نشانہ بناسکیں۔

ان سب باتوں کے علاوہ پرویز صاحب نے نواز شریف کی سیاسی خودکشی کی مزید تین وجوہات بیان کی ہیں۔

امکان نمر۱: نواز شریف کا یہ منصوبہ ہوگا کہ وہ ایک سال بعد مجھے جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کا چیئرمین بنا کر کھڈے لائن لگا دیں گے تاکہ وہ ایسے جنرل کو چیف بنا سکیں جو ان کی 2002 کے انتخابات میں مدد کر سکے۔

اگر نواز شریف صاحب کا یہ منصوبہ تھا تو وہ کبھی بھی پرویز صاحب سے نہ بگاڑتے بلکہ آرام سے یہ ساری کاروائی مکمل کر لیتے۔ اسلئے پرویز صاحب کی یہ دلیل وزنی نہیں لگتی۔

امکان نمر۲: جیسا کہ پہلے میں نے بیان کیا کہ نواز شریف صاحب اپنے کسی با اعتماد جنرل کو چیف بنانا چاہتے تھے کیونکہ میں مہاجر تھا اسلئے شائد وہ مجھ پر اعتماد نہیں کرتے ہوں گے۔ وہ مجھے ہٹا کر ہوسکتا ہے امریکہ اور بھارت کر دکھانا چاہتے ہوں کہ ان کا اپنی فوج پر مکمل کنٹرول ہے۔

اچھا اس کا مطلب ہے کہ پرویز صاحب نے نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹ کر امریکہ اور بھارت کو بتا دیا کہ ان کے ملکوں کی طرح پاکستان کا وزیر اعظم فوج کا حاکمِ اعلیٰ نہیں ہے اور ابھی بھی فوج کا چیف سب سے طاقتور ہے اور اس کے آگے وزیر اعظم بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ مہاجر ازم کو پرویز صاحب نے یہاں لاکر قوم پر کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑا۔ ہوسکتا ہے پرویز صاحب عوام کو حکومت کی ایم کیو ایم کیساتھ ڈیل کی اصل وجہ بتانا چاہتے ہوں۔ ہمارے خیال میں ہمارے حکمرانوں کو کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیئے جس سے ذات پات کی تفریق کم ہونے کی بجائے مزید بڑھے۔

امکان نمر۳: ہوسکتا ہے کہ ان کے حواریوں نے انہیں یہ رپورٹیں دی ہوں کہ میں ان کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا تھا۔ ان حواریوں میں پرویز صاحب نے جنرل ضیاءالدین کا نام بھی شامل کیا ہے۔

اگر اجمل صاحب نے جو بتایا وہ سچ ہے کہ طیارے کو نہ اترنے دینا ایک ڈرامہ تھا اور فوج نے طیارے کے پاکستان کے فضا میں داخل ہونے سے پہلے ہی حکومت پر قبضہ کر لیا تھا تو پھر نواز شریف کا خوف بجا تھا۔ اگر یہ مفروضہ غلط بھی ہو تب بھی جب آپس میں اختلافات پیدا ہوجاتے ہیں تو پھر دونوں فریق ایک دوسرے سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ فریق کامیاب ہوجاتا ہے جو طاقتور ہوتا ہے۔ اس معرکے میں نواز شریف صاحب کمزور ثابت ہوئے اور ہار گئے۔

اس باب کے آخر میں پرویز صاحب نے بہت ساری دوسری وجوہات کا بھی ذکر کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نواز شریف صاحب کا دور ایک ناکام دور تھا اور عوام ان سے تنگ آ چکے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ جو جو برائیاں پرویز صاحب نے نواز شریف حکومت میں گنوائی ہیں وہ پرویز صاحب کی اپنی حکومت میں جوں کی توں موجود ہیں سوائے حکومت کی معاشی حالت کی بہتری کے۔ اور یہ بہتری بھی پرویز صاحب کی مرہونِ منت نہیں ہے بلکہ یوٹرن کا انعام ہے۔

مثلاً پرؤیز صاحب فرماتے ہیں کہ نواز شریف کے خلاف بغاؤت ملک کی سیاسی، معاشرتی اؤر معاشی بدحالی کی ؤجہ سے بھی تھی۔ دیکھا جائے تو اب بھی ملک سیاسی اؤر معاشرتی بدحالی کا شکار ہے۔ پرؤیز صاحب کہتے ہیں نواز شریف کے دؤر میں فرقہ بندی انتہا پر تھی، پولیس مکمل طور پر مایوس ہوچکی تھی، لاقانونیت کا دؤر دؤرہ تھا، عدالتیں بے اختیار ہوچکی تھیں،، عوام ملک کے مستقبل سے مایوس ہوتے جارہے تھے، عوام پاکستانی ہونے پر فخر نہیں کرسکتے تھے اؤر عوام تبدیلی کا بےتابی سے انتظار کررہے تھے۔

جیساکہ ہم نے پہلے کہا ہے سوائے حکومت کی معاشی حالت کی بہتری کے اؤپر بیان کردہ ساری خرابیاں اب بھی پاکستان میں موجود ہیں۔ نہ ہی عدالتیں آزاد ہیں، نہ ہی عوام کو انصاف مل رہا ہے، نہ ہی عوام کا پولیس پر اعتماد بحال ہوا ہے،چوری ڈاکوں نے عوام کا ناک میں دم کر رکھا ہے، عوام اب بھی پاکستانی ہونے پر فخر محوس نہیں کرتے کیونکہ ملک میں ڈکٹیٹرشپ نافذ ہے اؤر عوام حکومت کی تبدیلی کا پھر بے چینی سے انتظار کررہے ہیں۔ ہاں ملک اسلامی شریعت کے نفاذ سے محفوظ ہوچکا ہے اؤراب مغرب اس خطرے سے آزاد ہے۔

آخرمیں پرؤیز صاحب فوج کی خوبی یہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں پر سینیئرز کا حکم مانا جاتا ہے اؤر ڈسپلن موجود ہے۔ لیکن یہ ڈسپلن تب تک ہی ہے جب تک ماؤرائی ہاتھ کی آشیرباد حاصل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم نے خود فوج کو اپنے سینیئرز کے خلاف بغاؤت کرتے بھی دیکھا ہے۔

پہلے پاکستان

پرؤیز صاحب کہتے ہیں کہ حکومت سنبھالنے کے بعد انہیں سب سے پہلے یہ خیال آیاکہ ملک میں مارشل لاء نہیں لگانا چاہئے کیونکہ مارشل لاء سے آرمی محکموں پر قابض ہوجاتی ہے اؤر اسطرح بیؤروکریسی آرمی کے سہارے پر چلنا شروع کردیتی ہے ۔آرمی کوٹاپ پوسٹس پر تعینات نہیں کیا جائے گا بلکہ صرف چیک اینڈ بیلینس کیلئے کچھ عہدے دیئے جائیں گے۔ پرؤیزصاحب نے شریف الدین پیرزادہ کی رائے کی مدد سے قانون کوچند شقوں کے علاؤہ بحال رکھا اؤر خود ملک کے سب سے پہلے چیف ایگزیکٹؤبن گئے۔ پرؤیزصاحب نے ان باتوں کی باقی آرمی کمانڈ سے منظوری لے لی۔

کوئی عقل کا اندھا ہی مانے گا کہ ملک پر قابض ایک آرمی چیف ہو اؤر ملک میں جمہوریت ہو یعنی مارشل لاء نہ ہو۔ پھر پرؤیز صاحب نے اب یہ پتہ نہیں کیؤں لکھ دیا ہے کہ آرمی کسی بھی محکمے کی ٹاپ پوسٹوں پر قبضہ نہیں کرے گی حالانکہ موجودہ صورتحال توالٹ ہے۔ تعلیم سے لے کر صنعت تک ہر محکمے پرآرمی کے موجودہ نہیں توریٹائرڈجنرل قبضہ کئے بیٹھے ہیں۔ آدمی کوایسی باتیں لکھنے سے پہلے تھوڑا سا ضرؤر سوچ لینا چاہئے کہ جو ؤہ لکھ رہا ہے زمینی حقائق بھی اس کی گواہی دیتے ہیں کہ نہیں۔ لیکن جب آدمی مختارِ کل ہو توکسی چیز کی پرؤاہ نہیں کرتا۔ شریف الدین پیرزادہ ؤہ آدمی ہیں جنہوں نے ڈکٹیٹرؤں کوان کی مرضی کے مطابق غلط مشورے دے دے کر جمہوریت کا سب سے زیادہ بیڑہ غرق کیا ہے۔ اللہ جانے انہیں قانون کی تشریح ڈکٹیٹرؤں کے حق میں کرکے کیا ملا اؤر اس سے ملک کی کونسی خدمت مطلوب تھی۔

پرؤیزصاحب جب منسٹر چننے کی بات کرتے ہیں تویہ کہتے ہوئے بلکل نہیں جھجکتے کہ سارے منسٹرآرمی آفیسرؤں نے چنے سوائے ؤزیرِ خزانہ کے جو انہوں نے خود پسند کیا۔ ہمارے ہاں یہ عام خیال رہا ہے کہ کئی ریٹائرڈ ہوکر حکومت کا ؤزیرِ اعظم اؤر ڈکٹیٹرؤں کا

ؤزيِ رخزانہ درآمد شدہ ہوتا ہے ي عن ي آءي اي م اي ف ي ا ماؤراءي طاقت ك ي سفارش پر رکھا جاتا ہے۔ ي ہ ي کچھ پرؤي ز صاحب نے ك ي ا اگر خود اس س ي ل ي کشن کا کري ڈٹ ل ي نے ك ي کوشش ك ي ہے۔ کہتے ہ ي ں شوکت عزي ز صاحب نے اپن ي شاندار زندگ ي کا رہن سہن چھوڑ کر ملک ك ي خدمت کرنے کا عہد ك ي ا اؤر ؤزارت سنبھال ل ي۔ حالانکہ ہم سب ي ہ جانتے ہ ي ں کہ پاکستان ك ي ؤزارت اؤر پھر ؤزارتِ عظم ي سے بڑي کوءي ع ي اش ي ؤال ي پوسٹ دن ي ا م ي ں نہ ي ں ہے۔ اسلئے شوکت عزي ز صاحب نے جو بھ ي ف ي صلہ ك ي ا ؤہ اچھا ك ي ا۔

سٹ ي ٹ بنک کا گورنر چننے ك ي باري آءي تو ؤہ بھ ي ؤرلڈبنک سے درآمد ك ي ا گ ي ا تاکہ ؤہ ملک ك ي بجائے ؤرلڈبنک ك ي پال ي س ي ؤں کا زي ادہ خ ي ال رکھے۔

پرؤي ز صاحب کہتے ہ ي ں کہ انہوں نے اپن ي حکومت کا آغاز صرف دس ؤزي رؤں سے ك ي ا جو اس سے پہلے ك ي حکومت ك ي کاب ي نہ ك ي تعداد سے کہ ي ں کم تھے۔ ي ہاں پر پرؤي ز صاحب بھولے نہ ي ں بلکہ اس بات کو گول کر گئے ہ ي ں کہ اس ؤقت ان ك ي کاب ي نہ ملک ك ي ہ ي نہ ي ں بلکہ برِ صغ ي ر ك ي سب سے بڑي کاب ي نہ ہے۔

پرؤي ز صاحب اپن ي کاب ي نہ ك ي سب سے بڑي خوب ي انگلش م ي ں مہارت ب ي ان کرتے ہ ي ں اؤر اپنے ؤزراء کے فر فر انگلش بولنے پر اتراتے ہ ي ں۔ ؤزي رِ تعل ي م زب ي دہ جلال کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہ ي ں کہ ؤہ بلوچستان کے کم ترق ي ي افتہ علاقے سے تھ ي ں جہاں پر عورتوں کو تعل ي م نہ ي ں دي جات ي۔ جب زب ي دہ جلال ك ي باري آءي تو پرؤي ز صاحب نے ان ك ي آسان ي ك ي لئے کہا کہ ہم انگلش ك ي ساتھ ساتھ اپن ي قوم ي زبان اردؤ میں بھ ي بول سکتے ہ ي ں۔ پرؤي ز صاحب ح ي ران ہوگئے جب زب ي دہ جلال نے انگري زي بولنا شرؤع ك ي۔

پرؤي ز صاحب کو کون سمجھائے کہ ان ك ي ي ہ سوچ بلکل غلط ہے کہ صرف انگلش ہ ي تعل ي م ي افتہ اؤر ذہ ي ن ہونے کا پ ي مانہ ہے۔ دراصل ي ہ پرؤي ز صاحب کا قصور نہ ي ں ہے ي ہ آرم ي کے ماحول ك ي بدؤلت ہے جس م ي ں اي ک آرم ي آف ي سر کو سب سے پہلے ي ہ سکھاي ا جاتا ہے کہ اپن ي قابل ي ت کو ثابت کرنے ك ي لئے جون ي رز کو صرف اگري زي م ي ں جھاڑ پلاؤ۔ ہمارے آرم ي آف ي سرك ي افسري اس ؤقت دي کھنے ؤال ي ہوت ي ہے جب ؤہ انگري زي م ي ں اپنے ب ي ٹ م ي ن کو باسٹرڈ، سن آف بچ، اؤر اسطرح کے دؤسري گال ي اں دے رہا ہوتا ہے۔ پرؤي ز صاحب ك ي اطلاع ك ي لئے ضرؤري ہے کہ اگر انگري زي ہ ي ترق ي اؤر ذہانت کا پ ي مانہ ہوت ي تو پھر جرمن ي، فرانس اؤر جاپان ترق ي ي افتہ ملک نہ ہوتے بلکہ ہم ج ي سے ملکوں ك ي صف م ي ں شامل م ي ں ہوتے۔ لگتا تو ي ہ ہے کہ انگري زي کو عام کرکے اتحادي ؤں کے اي ج ي نڈے پر عمل ك ي ا جارہا ہے۔ اس طرح پاکستان ي اتحادي ؤں کا لٹري چر پڑھ کر اؤر انگري زي ٹ ي ؤي چ ي نلز اؤر فلم ي ں دي کھ کر ان کے رنگ م ي ں آسان ي سے رنگ جاءي ں گے اؤر ان کا پ ي غام ہم تک آسان ي سے پہنچ سکے گا۔ ي ہ ملک ك ي خدمت نہ ي ں بلکہ اسے اتحادي ؤں کا غلام بنانے ك ي سازش ہورہ ي ہے۔ تاري خ جب بھ ي اس سازش کا ذکر کرے گ ي تو پرؤي ز صاحب کا نام ٹاپ پر ہوگا۔ دن ي ا تو اس بات ك ي قائل ہے کہ جو ترق ي اپن ي زبان م ي ں ہوسکت ي ہے ؤہ غ ي رؤں ك ي زبان م ي ں نہ ي ں۔

پرؤي ز صاحب نے ملک م ي ں کرپشن پر تفص ي ل سے رؤشن ي ڈال ي ہے اؤر چند مثال ي ں دے کر ي ہ ثابت کرنے ك ي کوشش ك ي ہے کہ جو کام پہلے اربوں م ي ں انجام پارہے تھے ؤہ انہوں نے کرؤڑؤں م ي ں کئے۔ ل ي کن بعد م ي ں جو کچھ ہورہا ہے اس کا کہ ي ں ذکر نہ ي ں۔ نہ ہ ي نج کاري م ي ں کم ي شنوں کا ذکر ہے اؤر نہ ب ي ب ي رؤن ي دؤرؤں پر بے تحاشہ قوم ي دؤلت لٹانے ك ي بات ك ي ہے۔

پرؤيز صاحب ي ہ بات بھول رہے ہ يں کہ ان ک ي حکومت کے سات سال مکمل ہونے کے بعد بھ ي پاکستان کا شمار دن يا کے کرپٹ ملکوں م يں ہوتا ہے۔

پرؤيزصاحب کہتے ہ يں کہ نواز شر يف ک ي جمہور يت ؤہ جمہور يت نہ يں تھ ي جس کا قائد اعظم نے خواب د يکھا تھا۔ پرؤيز صاحب کو ي ہ بات بھ ي نہ يں بھولن ي چاہ يئے کہ قائد اعظم نے کبھ ي ي ہ خواب بھ ي نہ يں د يکھا تھا کہ ملک پر فوج قبضہ کرلے گ ي اور فوج ي جمہور يت کا راج ہو گا۔۔

اس کے بعد پرؤيز صاحب اپن ي پہل ي تقر ير کے پہلے سات نقاط ب يان کرتے ہ يں اور کہتے ہ يں کہ ؤہ ان ہ ي نقاط پر عمل کر کے ملک ک ي خدمت کر سکتے تھے۔ ؤہ سات نقاط ي ہ ہ يں۔

1۔ قوم کے اعتماد کو بحال کرنا

2۔ قوم ي ي کجہت ي کو مضبوط کرنا اور صوبوں کے درم يان بے اعتماد ي کو کم کرنا

3۔ ملک ک ي مع يشت کو سنبھالنا اور سرما ي ہ داروں کا اعتماد بحال کرنا

4۔ قانوں ک ي حکمران ي بحال کرنا اور انصاف ک ي جلد فراہم ي کا بندوبست کرنا

5۔ حکومت ي اداروں سے س ياست کا خاتمہ

6۔ حکومت ي اخت يارات ک ي نچل ي سطح تک منتقل ي

7۔ احتساب کے نظام کا بلا تفر يق ق يام

ان سات نقاط م يں سے چار نقاط کو انھوں نے ترج يح د ي اور ان پر عمل کرنے کا عہد ک يا۔ ؤہ چار نقاط تھے

1۔ مع يشت ک ي بحال ي

2۔ اچھ ي حکومت ک ي بحال ي

3۔ غربت کو ختم کرنا

4۔ جمہور يت کا اح ياء

اب اگر ہم سات سال بعد پرؤيز صاحب کے ان نقاط کا جائزہ ل يں تو سوائے مع يشت ک ي بحال ي کے پرؤيزصاحب باق ي کوء ي بھ ي ٹارگٹ حاصل نہ يں کر سکے۔ مع يشت ک ي بحال ي بھ ي 911 ک ي د ين ہے۔ پرؤيز صاحب نے نہ تو قوم ي اعتماد بحال ک يا، نہ ہ ي قوم ي ي کجہت ي کو فرؤغ د يا۔ بلکہ بلوچستان اور شمال ي علاقوں م يں فوج ي کارؤاء ياں اور سندھ يؤں کو غائب کر کے ي کجہت ي کو پارہ پارہ کرنے ک ي کوششوں م يں مصرؤف ہ يں۔

قانون ک ي حکمران ي بحال ہونے ک ي بجائے ؤن م ين حکمران ي بحال ہوء ي اور عدالت يں ان ک ي باند ي بن گئ ي يں۔ پرؤيز صاحب کہتے ہ يں کہ سپر يم کورٹ نے انتخابات ک ي مدت ت ين سال ک ي دے کر ان کے ہاتھ باندھ د يئے اور ؤہ کئ ي کام نہ کر سکے۔ ان م يں اي ک صوبوں م يں فنڈز ک ي تقس يم، دؤسرا گورنمنٹ اور سول سرؤس ک ي ر يسٹرکچرنگ۔ ي ہاں پر اي ک بات ي اد رہے کہ کورٹس کو غلام بنانے ک يلئے پرؤيز صاحب نے بھ ي جنرل ض يا ک ي تقل يد کرتے ہوئے ججوں سے ن يا حلف ل يا اور جنہوں نے حلف

لي نے سے انکار کيا انہيں گھر بھيج ديا گيا۔ اس کے بعد پرؤيز صاحب کے ججوں نے پرؤيز صاحب کے مخالفوں کو سزاءيں دے کر اندر کيا اؤر ان کرپٹ اؤر قرض نادہندگان کر کھلي چھٹي دے دي جو پرؤيز صاحب کے ساتھ مل گئے۔

ايك بات ہم پرؤيز صاحب کي مانتے ہيں کہ انہوں نے حکومتي اداروں سے سياست کا خاتمہ کرديا۔ ؤہ اس طرح کہ سارے محکمے فوجيؤں کے حوالے کرديئے۔ اب ہر محکمے سے سياسيت غائب ہے فوجي ڈنڈے کا راج ہے۔ جس بھي سول ملازم سے بات کرؤ ؤہ فوجيؤں کي زيادتياں گنوا رہا ہوتا ہے۔ سول ملازميں کي ترقياں رك چکي ہيں اؤر ان ميں آگے بڑھنے کا شوق ختم ہوتا جا رہا ہے کيؤنکہ ہر اگلي پوسٹ پر کوءي نہ کوءي فوجي بيٹھا ہوا ہے۔

حکومتي اختيارات کو نچلي سطح تك پہنچانے کيلئے، پرؤيز صاحب نے اپنے سابق ڈکٹيٹر جنرلوں کي پيرؤي کرتے ہوئے بلدياتي نظام متعارت کرؤايا اؤر جنرل تنوير نقوي کو يہ کام سونپا۔ پرؤيز صاحب کے بقول ؤرلڈ بنك نے اسے خاموش انقلاب قرار ديا۔ سوچنے ؤالي بات يہ ہے کہ ؤرلڈ بنك جو ايك مالياتي ادارہ ہے سياسي نظام پر کيسے اتھارٹي رکھتا ہے۔ اسي لئے يہاں پر اس حوالے کو دينے کي ضرؤرت نہيں تھي۔ جس طرح بھٹو نے پوليس اؤر فوج کے مقابلے پر اپني ايك تيسري فورس بنالي تھي اسي طرح عام خيال يہ ہے کہ يہ ناظمين پرؤيز صاحب کي متبادل سياسي فورس ہيں اؤر انہي کے زؤر پر قومي اؤر صوباءي ممبران کو ڈنڈا دے رکھا ہے۔ ہر علاقے ميں ترقياتي کام ہونے کي بجائے ابھي تك اسمبلي کے ممبران اؤر ناظمين ميں اختيارات کي تقسيم پر ہي فيصلہ نہيں ہوسکا اؤر يہ لوگ آپس میں ايك دؤسرے کو نيچا دکھانے کے چکر ميں پڑے ہوئے ہيں۔ ان حالات ميں ترقياتي کام خاك ہوں گے۔

احتساب کا قيام تو عمل ميں آگيا اؤر اس نے شرؤع کے ايك دؤسال اچھا کام بھي کيا۔ يعني قرض نادہندگان کو پکڑا، انہيں سزاءيں ديں اؤر قرضے بھي ؤصول کئے مگر بعد میں پرؤيز صاحب کي مجبورياں آڑے آءيں اؤر احتساب بيؤرؤ صرف مخالفين کو دھمکانے اؤر انہيں سياسي ؤفادارياں تبديل کرنے کے کام پر لگا ديا گيا۔ اسي احتساب کے ڈر سے پيپلز پارٹي کا ايك گرؤپ الگ ہوا اؤر انہوں نے پتہ نہيں کيا سوچ کر اپنا نام پي پي پي پيٹريات رکھ ليا۔ شائد اسلئے کہ ؤہ پرؤيز صاحب کے پيٹريات بن گئے اؤر اپنے قرضوں سے نجات حاصل کرلي۔ انہي پيٹريات کي بدؤلت پرؤيز صاحب ن يم سياسي حکومت بنانے کے قابل ہوئے۔ اس کے بعد نيب بلکل غائب ہوگيا اؤر ايك ڈمي ادارہ بن کر رہ گيا۔ ابھي چند برس قبل سپريم کورٹ نے رؤلنگ دي ہے کہ ان لوگوں کي لسٹ مہيا کي جائے جنہيں نادہندگي کي بنا پر سزاءيں ہوءيں مگر اب ؤہ پيرؤل پر رہا ہيں اؤر مزے کررہے ہيں۔ يہ حکومت کا انصاف ہے جب ديکھا کہ سزايافتہ نادہندگان لوگوں اؤر ميڈيا کي نظرؤں سے اؤجھل ہوچکے ہيں تو انہيں چپکے سے رہا کرديا۔

پرؤيز صاحب کہتے ہيں کہ 911 نے ان کے سارے ايجينڈے پسِ پشت ڈال ديئے يعني انہوں نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اتحاديؤں کے ايجينڈے کي تکميل پر عمل کرنا شرؤع کرديا۔ اسي 911 اليؤن کے بعد جب ہم نے افغانستان پر اتحاديؤں کے حملے ميں ان کا ساتھ دينے کا بلامشرؤط ؤعدہ کيا تو پہلے پاکستان کي اصطلاح ايجاد ہوءي۔

پرؤيز صاحب سپريم کورٹ کي دؤسري پابندي يه ب يان کرتے هيں که ان کي حکومت قانون کے بن يادي ڈھانچے کوتبدي ل نه يں کرے گ ي۔ اس ي پابندي کو ري سٹکرچرنگ م يں ناکام ي کي ؤجه قرار دي تے هيں۔ حالانکه پرؤيز مشرف نے آءين م يں بن يادي تبدي ل ي کرکے اسے پارل يمان ي سے صدارت ي بنا دي ا مگر پھر بھي کہتے هيں که انهوں نے سپري م کورٹ کي حکم عدؤل ي نه يں کي ي۔

اس آءي ن کے بڑے آپري شن کے باؤجود پرؤيز صاحب کہتے هيں که انهوں آءي ن کو نه يں چھي ڑا اؤر نه هي مارشل لاء لگاي ا۔

پرؤيز صاحب نے ي ہاں پر اي ک امري کي صدر ابراه يم لنکن کے خط کا حواله دي ا ہے۔ پہل ي بات توي ه ہے که کي ا انه يں نب ي پاک صلعم ي ا قائد اعظم کے ارشادات کم پڑے۔جو لنکن کے قول کا حواله دي نا پڑا۔ آءي ں اب اس حوالے پر بحث کرتے هيں اؤر ي ه دي کھتے هيں که پرؤيز صاحب نے اس کے کي ا اخص کي ا۔ ابراه يم لنکن کہتا ہے که قانون اؤر قوم اي سے هيں ج يسے جسم کا اي ک حصه اؤر زندگ ي۔ جسم کا اي ک حصه ضائع کرکے زندگ ي توبچاءي جا سکت ي ہے مگر زندگ ي ضائع کرکے جسم کا حصه نه يں بچاي ا جاسکتا۔ ي ه صحيح ہے ي ا غلط مگر م يں نے اس ي کوبن ياد بناي ا۔

پرؤيزصاحب کہتے هيں که انه يں ي ه بات اتن ي انسپائري شنل اؤر خوبصورت لگ ي که تب سے اسے اپنے بري ف کي س م يں رکھا ہوا ہے۔ کاش پرؤيز صاحب نے قران کا نسخه اپنے بري ف کي س م يں رکھنے کي عادت ڈال ي ہوت ي اؤر اسلام ي تاري خ کا مطالعه بھي کي ا ہوتا۔ پھر ؤه دي کھتے که ان کے اپنے مزہب اؤر دي ن م يں اتنے حوالے هيں جن پر عمل کرکے ؤه تاري خ م يں اپنا نام اس ي طرح رقم کرسکتے تھے جس طرح صلاح الدي ن اي ؤب ي، محمد بن قاسم اؤر ٹ يپو سلطان نے درج کي ا۔ لگتا ہے پرؤيز صاحب کي نظر م يں ؤه تو ب يؤقوف تھے جو اپن ي بات پر ڈٹے رہے اؤر ي ؤٹرن نه لے کر اپن ي اپن ي جانوں سے ہاتھ دھوب ي ٹھے۔

پرؤيز صاحب نے ي ه حواله 1990 م يں پڑھا تھا اؤر انه يں ي ه معلوم نه يں تھا که اي ک دن اسے هي فالو کرنا پڑے گا۔ انهوں نے آءي ن کو بدلا ي عن ي پارل يمان ي سے صدارت ي اس طرح بناي ا که نظام دي کھنے سے پارل يمان ي لگے مگر جب اخت يارات کے استعمال کي بات آئے تو صدارت ي ہو۔ اس طرح پرؤيز صاحب کے بقول انهوں نے آءي ن کے بخ ي ئے ادھ ي ڑ کر قوم کے کپڑے پھٹنے سے بچالئے۔ اس ي لئے پرؤيز صاحب کہتے هيں که پاکستان سب سے پہلے ہے اؤر انهوں نے اپن ي مہارت سے جسم کے حصے اؤر زندگ ي دؤنوں کو بچا ل ي ا۔

اب ي ه آنے ؤال ي تاري خ هي بتائے گ ي که پرؤيز صاحب نے کسے بچاي ا ، کسے کھوي ا اؤر انهوں نے ي ه ٹھ يک کي ا ي ا غلط۔

جمہوري ت کا مشن

جمہوري ت کے مشن کے باب ستره م يں پرؤيز صاحب نے سب سے پہلے پاکستان کي س ي اس ي تاري خ کا مختصراً جائزه ل ي ا ہے۔ پاکستان کي س ي اس ي تاري خ پر بات کرتے ہوئے انهوں نے اپن ي طرف سے کوءي خاص اضافه نه يں کي ا بلکه ؤهي لکھا ہے جو ہر پاکستان ي پہلے هي جانتا ہے۔ پرؤيز صاحب نے س ي استدانوں کي جہاں کچھ خبر ل ي ہے ؤہاں اپنے جنرل حل ي فوں کو کچھ نه يں کہا۔

پاکستان كی تاریخ كا جائزہ لینے سے پہلے پرویز صاحب لفظ جمہوریت كے ظہور كی بات كرتے ہیں۔ كہتے ہیں كہ جمہوریت كا لفظ یونانی ہے اور اس كا مطلب ہے عوام كی حكومت۔ لیكن ساتھ ہی كہتے ہیں كہ پاكستان میں كبھی بھی عوام كی حكومت نہیں رہی بلكہ ہمیشہ بڑے بڑے خاندان مثلاً فیوڈل لارڈز، قبائلی جنگ جو اور ایک ہی قسم كے سیاستدانوں نے حكومت پر قبضہ كئے ركھا ہے۔ لیكن پرویز صاحب یہ بات بھول رہے ہیں كہ ان كی حكومت بھی انہی لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہ كیسی ڈھٹائی كی بات ہے كہ جن لوگوں كی برائی كی جارہی ہے وہی لوگ آپ كی حكومت میں شامل ہیں۔

اس باب میں كہیں بھی ملك میں بار بار مارشل لاء كو جمہوریت كی نشونما كیلئے ركاوٹ ثابت نہیں كیا بلكہ ہر مارشل لاء كا جائزہ سرسری طور پر لیا ہے۔ حالانكہ ہم سب جانتے ہیں كہ جنرل ایوب اور یحیی كے مارشل لاؤں نے ملك كو دوٹكڑے كیا اور جنرل ضیا كے مارشل لاء نے كلاشنكوف كلچر اور فرقہ بندی كو ہوا دی۔

جمہوریت كی اس تمہید كا مطلب صرف یہ ثابت كرنا ہے كہ پاكستان كی تاریخ كے مطابق یہاں مكمل جمہوریت فائدے مند نہیں ہے اور اسطرح پرویز صاحب كی اپنی فوجی كم جمہوریت پاكستان كیلئے ضروری ہے۔

اس باب كے آخر میں نواز شریف كی مخالفت میں ان كے شریعت بل كو پاكستان میں طالبنائزیشن قرار دیا ہے۔ ساتھ ہی نواز شریف صاحب كو كارگل كی جنگ ہارنے كا دوبارہ ذمہ دار قرار دیا ہے۔

صحیح سسٹم كا نفاذ- حصہ اول

باب اٹھارہ سے جنرل پرویز صاحب اپنی حكومت اور اس كے فوائد ایك ایك كركے گنوانا شروع كردیتے ہیں۔ باب اٹھارہ میں وہ اپنی فوجی كم جمہوریت كے ارتقا كی بات كرتے ہیں اور بتاتے ہیں كہ انہوں نے سسٹم كس طرح نافذ كیا۔

سب سے پہلے پرویز صاحب كہتے ہیں كہ جب انہوں نے دیكھا كہ مارشل لاء اور جمہوریت دونوں پاكستان میں فیل ہوچكے ہیں تو انہوں نے درمیان كی راہ نكالی یعنی نہ ہی مارشل لاء نافذ كیا اور نہ ہی جمہوریت بحال كی بلكہ درمیانی راہ اپنا كر فوجی كم جمہوریت كا تجربہ شروع كیا جو بقول ان كے كامیاب جارہا ہے۔

پرویز صاحب كہتے ہیں كہ ملك كی دوبڑی پارٹیوں پی پی پی اور مسلم لیگ نواز نے اپنے اندر جمہوریت نافذ نہیں كی اور یہ پارٹیاں صرف شخصیت پرستی پر چل رہی ہیں۔ جب انہوں نے دیكھا كہ دودوبار حكومت میں آنے كے باوجود بینظیر اور نواز شریف نے كرپشن سے ہی ہاتھ رنگے تو انہوں نے فیصلہ كرلیا كہ وہ ان دونوں لیڈروں كو تیسری بار حكومت نہیں كرنے دیں گے۔

پرؤيز صاحب کے بقول انہيں بين الاقوامي اعتراضات دؤر کرنے کيلئے ايک تو جمہوريت بحال کرني پڑے گي اؤر دؤسرے انتخابات شفاف طريقے سے کرانے ہوں گے۔ اس کا مطلب ہم يہ لے سکتے ہيں کہ اگر بين الاقوامي دباؤ نہ ہوتا تو نہ ملک ميں نيم جمہوريت بحال ہوتي اؤر نہ اليکشن ہوتے۔

ان دؤ کاموں سے نپٹنے سے پہلے پرؤيز صاحب نے سوچا کہ ايک نئي پارٹي بنانا ضرؤري ہے تاکہ بينظير اؤر نواز شريف ملک سے باہر رہ کر بھي حکومت ميں دؤبارہ آنے کي کوشش نہ کرسکيں۔

پرؤيز صاحب نواز شريف کے ملک بدر ہونے کا سارا الزام ان پر اؤر ان کے خاندان پر ڈالتے ہيں۔ کہتے ہيں کہ نواز شريف کے پاس دؤ راستے تھے۔ ايک يہ کہ ؤہ ملک ميں رہ کر کرپشن چارجز کا سامنا کرتے اؤر جيل کاٹتے يا پھر ملک بدر ہوجاتے۔ انہوں نے ملک بدري کو آساں جانا اؤر سعودي عرب کے فرمانرؤاہ کي مدد سے حکومت کيساتھ ڈيل کرلي۔ ہم نے نواز شريف کيساتھ سوداکيا اؤر دس سال کيلئے انہيں ملک بدر کرکے سعودي بھيج ديا۔ پرؤيز صاحب اس بات کا اقرار کرتے ہيں کہ شہباز شريف ملک بدري کے حق ميں نہيں تھے مگر نواز شريف اؤر اپنے ؤالد مياں شريف کے دباؤميں آکر انہوں نے ملک بدري قبول کرلي۔

اس کے بعد نواز شريف پر ايک اؤر احسان جتاتے ہوئے پرؤيز صاحب کہتے ہيں کہ انہوں نے نواز شريف کي درخواست پر انہيں لندن جانے کي اجازت دي۔ نواز شريف کے معاہدے ميں يہ بھي شامل تھا کہ ؤہ کوءي سياسي بيان نہيں ديں گے اؤر نہ ہي سياست کے ميدان ميں اتريں گے مگر انہوں نے بدعہدي کي اؤر اپنے ؤعدے پر قائم نہ رہے اس طرح انہوں نے ثابت کياکہ ؤہ ناپختہ کردار کے مالک ہيں،۔ انہوں نے اپني جلاؤطني سے کچھ بھي نہيں سيکھا اؤر ؤہ سياسي اؤر ذہني طور پر ابھی تک پھل پھول نہيں سکے۔

پرؤيز صاحب کو سياسي پارٹي کي ضرؤرت تھي اسلئے انہوں نے اپنے بااعتماد دؤست طارق عزيز کي ڈيؤٹي لگاءي کہ ؤہ ان کي مدد کريں۔ ايک نئي پارٹي بنانے کي بجائے پرؤيز صاحب نے قائداعظم کي مسلم ليگ کو شرفِ قبوليت بخشا جس نے ہميں آزادي دلاءي۔ اچھا ہوتا اگر پرؤيز صاحب اپنے پيش رؤ جنرلوں ايؤب اؤر ضياءکي تقليد کي بات کرديتے کيونکہ انہوں نے بھي اسي مسلم ليگ کے سہارے ملک پر ڈکٹيٹرشپ مسلط کئے رکھي۔

طارق عزيز کے دماغ ميں پہلے سے يہ آءيڈيا تھا کہ مسلم ليگ نواز کو دؤبارہ مسلم ليگ ق ميں بدل ديا جائے۔ ق انہوں نے قائد اعظم سے [ان کي رؤح کو ثواب پہنچانے کيلئے] ادھار ليا۔ يہيں پر پرؤيز صاحب چوہدري برادران کا ذکر کرتے ہيں اؤر کہتے ہيں کہ انہوں نے نوازليگ کو ق ليگ ميں بدلنے کے خيال کي حمائت کي کيونکہ ؤہ نواز شريف کے عتاب کا شکار رہے مگر ؤہ اچھے آدمي تھے۔ پرؤيز صاحب اس تجويز پر راضي ہوگئے۔ طارق عزيز نے انہيں پرؤيز صاحب سے ملوايا اؤر يہ بات ان کے کريڈٹ کو

جات ي ہے کہ انہوں نے نواز ل ي گ کے بہت سارے ساتھ ي ؤں کو ق ل ي گ م ي ں شامل کرل ي ا۔ اس طرح مسلم ل ي گ ق 20 اگست 2002 م ي ں لانچ کرد ي گئی۔

پرؤ ي ز صاحب چوہدر ي برادران کی مدد کا جو ذکر کیا ہے یہ تو موقع پرست ي اؤر اپنے ل ي ڈر سے غدار ي ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ چوہدر ي برادران بھ ي قرض نادہندہ تھے اؤر ؤہ بھ ي ن ي ب ک ي زد م ي ں آسکتے تھے۔ اسلئے انہوں نے خود غرض ي دکھاء ي اؤر اپن ي جان ي ں بچانے ک ي لئے غدار ي ج ي س ي لعنت کو اپن ي زندگ ي کا ہم ي شہ ک ي لئے حصہ بنال ي ا۔

پرؤ ي ز صاحب کہتے ہ ي ں کہ 911 کے بعد کے ف ي صلوں ک ي ؤجہ سے ان ک ي مقبول ي ت عرؤج پر تھ ي اؤر ؤہ کس ي س ي اس ي پارٹ ي کا حصہ نہ ي ں بننا چاہتے تھے اسلئے انہوں نے انتخابات کا ف ي صلہ کرنے سے پہلے ر ي فرنڈم کرانے کا ف ي صلہ کرل ي ا۔ پرؤ ي ز صاحب کو پہلے ہ ي معلوم تھا کہ ؤہ اپن ي مقبول ي ت ک ي ؤجہ سے ر ي فرنڈم ج ي ت جاء ي ں گے اؤر اس کے بعد ان کا اثرؤرسوخ مسلم ل ي گ ق کو ز ي ادہ فائدہ پہنچائے گا۔ ان کے بہت سارے ساتھ ي ؤں نے اس خ ي ال ک ي مخالفت ک ي مگر[اپن ي خود سر طب ي عت ک ي ؤجہ سے] پرؤ ي ز صاحب نے کس ي کی نہ سن ي اؤر ر ي فرنڈم کرانے کا پرؤگرام بنال ي ا۔

ر ي فرنڈم ک ي لئے انہوں نے سوال چننے ک ي لئے جنرل ض ي اک ي نقل ي دک ي اؤر اس طرح کا سوال ر ي فرنڈم م ي ں پوچھا گ ي ا۔

ک ي ا آپ مقام ي حکومتوں ک ي کام ي اب ي ، جمہور ي ت کے استحکام، ر ي فارمز کے تسلسل، فرقہ بند ي اؤر انتہاپسند ي کے خاتمے، قائداعظم ک ي خواہشات ک ي تکم ي ل ک ي لئے آپ جنرل پرؤ ي ز مشرف کو صدر کے عہدے ک ي لئے پانچ سال ک ي لئے منتخب کرتے ہ ي ں؟

جنرل ض ي ا نے بھ ي کچھ اس ي طرح کا ر ي فرنڈم کرای ا تھا۔ اس م ي ں اس نے پوچھا تھا کہ اگر آپ ملك ميں اسلام کو نافذ کرنے کے حامی ہ ي ں تو پھر جنرل ض ي ا کو پانچ سال ک ي لئے ملك کا صدر چن ل ي ں۔

پرؤ ي ز صاحب کہتے ہ ي ں کہ ر ي فرنڈم بڑے پرامن ماحول م ي ں ہوا اؤر لوگوں ک ي بہت بڑ ي تعداد نے ر ي فرنڈم م ي ں حصہ ل ي ا اؤر م ي رے حق م ي ں ؤؤٹ ڈالے۔ پرؤ ي ز صاحب کا حوصلہ ر ي فرنڈم ج ي تنے کے بعد اؤر بڑھ گ ي ا۔ ؤہ ي ہ بھ ي مانتے ہ ي ں کہ ر ي فرنڈم م ي ں دھاندل ي بھ ي ہوء ي مگر ؤہ اسے اپن ي مقبول ي ت کے کر ي ڈٹ م ي ں ل ي تے ہ ي ں اؤر کہتے ہ ي ں کہ لوگوں نے ان ک ي محبت م ي ں ب ي لٹ بکس ان کے ؤؤٹوں سے بھر د ي ئے۔

ي ہاں پر ہم یہ بتا دیں کہ ي ہ سچ نہ ي ں ہے کہ لوگوں ک ي بہت بڑ ي تعداد نے ر ي فرنڈم م ي ں حصہ ل ي ا۔ اس ؤقت ک ي م ي ڈ ي ا ک ي رپورٹوں کے مطابق پانچ ف ي صد سے بھ ي کم لوگوں نے ر ي فرنڈم م ي ں حصہ ل ي ا۔ جب صدر کے حام ي ؤں نے پولنگ سٹ ي شن ؤ ي ران د ي کھے تو خود ہ ي ب ي لٹ بکس بھرنے شرؤع کرد ي ئے۔ ي ہ بات بھ ي ر ي کارڈ پر ہے کہ ي ہ ي حال جنرل ا ي ؤب اؤر جنرل ض ي ا کے ر ي فرنڈم کا ہوا تھا۔ اسطرح پاکستان کے عوام نے ڈکٹ ي ٹرشپ کو مسترد کرنے ک ي اپن ي رؤائت کو برقرار رکھا۔

اپنے سسٹم کا نفاذ۔ حصہ دوئم

نقول پرؤيز صاحب کے اس ريفرنڈم م يں انہوں نے کس ي کو اپنے مقابلے میں کھڑا ہونے ک ي اس لئے اجازت نہ دي کہ ک ہ يں مزي د مسائل نہ کھڑے ہوجاء يں اؤر تخري ب کار سارے کھ ي ل کو بگاڑ نہ د يں۔ اس ي لئے پرؤيز صاحب نے پولنگ سٹ يشنوں پر صرف ي کطرفہ عملہ تع ي نات ک يا۔

پرؤيز صاحب ک يؤں نہ يں مانتے کہ اگر ؤہ اپنے مخالف ام يدؤار کھڑا ہونے د يتے اؤر اس ام يدؤار کے اي ج ينٹوں کو پولنگ اسٹ يشنوں پر ڈي ؤٹ ي د ينے د يتے تو پھر ان ک ي مقبول يت کا پول کھل جاتا اؤر ؤہ ريفرنڈم آسان ي سے نہ ج يت سکتے۔

آخر کار پرؤيز صاحب م يڈ يا پر شفاف طر يقے سے پ ي ش ہوئے اؤر انہوں نے لوگوں ک ي سپورٹ کا شکري ہ ادا ک يا اؤر ي ہ بھي اقرار ک يا کہ ک ہ يں ک ہ يں دھاندل ي ہوء ي ہے ل يکن م يرے علم کے بغ ير۔ پرؤيز صاحب نے اس دھاندل ي ک ي ذمہ داري قبول ک ي اؤر معزرت بھي ک ي۔ پرؤيز صاحب کہتے ہ يں کہ اگر سچ بولا جائے تو عوام تھوڑي بہت زي ادت ي کو معاف کرد يتے ہ يں۔ ل يکن اگر عادي س ياستدانوں ک ي طرح جھوٹ بولا جائے تو لوگ سزا د يتے ہیں۔

پرؤيز صاحب ي ہاں ي ہ بات بھول رہے ہ يں کہ لوگوں نے ان ہ يں اسلئے کچھ نہ کہا کہ ؤہ حکومت م يں تھے اؤر ساري طاقت ان کے ہاتھ م يں تھ ي۔ اگر ؤہ بھي ؤردي ک ي طاقت سے محرؤم ہوتے تو ہم د يکھتے کہ لوگ ک يسے ان ہ يں معاف کرتے ہ يں۔

ريفرنڈم ج يتنے کے بعد آرڈ ين ينسوں کا سلسلہ جاري ہوا جو قوم ي اسمبل ي ک ي موجودگ ي کے باؤجود ابھي تک جاري ہے۔ ابھي پچھلے دنوں صدر صاحب نے عورتوں کے بارے م يں اي ک آرڈ ين ينس جاري ک يا جس ک ي ؤجہ سے س ينکڑؤں خوات ين ج يل سے رہا ہوء يں۔ ہم اس اقدام کو درست قرار د يتے ہ يں مگر اس کے اطلاق کا طري قہ غلط ہے۔ چاہئے تو ي ہ تھا کہ اسمبل ي اس بارے میں بل منظور کرت ي جو س ينٹ سے ہوتا ہوا صدر تک پہنچتا اؤر پھر اس پر صدر دستخظ کرتے۔ مگر اس طرح جمہوري ت ک ي بالادست ي ہوت ي جو اي ک مطلق العنان حکمران کو منظور نہ يں اؤر ؤہ چاہتا ہے کہ ہر اچھے کام کا کري ڈٹ براہِ راست اس کو جائے اؤر اس طرح اس کا اقتدار مضبوط رہے۔

ہاں تو پرؤيز صاحب نے اي ک آرڈ ين ينس م يں ؤؤٹرؤں ک ي عمر اک يس سال سے گھٹا کر اٹھارہ سال کردي۔ دؤسرے م يں انہوں نے خوات ين ک ي مخصوص نشتوں ک ي تعداد اسمبل ي میں ساٹھ تک بڑھا دي۔ پرؤيز صاحب نے ي ہ باؤر کرانا بھي ضرؤري سمجھا ہے کہ 1997 ک ي مردم شماري فوج کے ذر يعے ہوء ي تھ ي۔ اس مردم شماري ک ي رؤ سے پاکستان ک ي آبادي چودہ کروڑ ہوگئی اسلئے پرؤيز صاحب نے قوم ي اؤر صوباء ي اسمبل يؤں ک ي نشتوں ک ي تعداد بھي بڑھا دي۔ اقل يتوں کے ال يکشن بھي الگ کرد يئے تاکہ غ ير مسلم صرف غ ير مسلموں کو ؤؤٹ دے سک يں اؤر اپنے نمائندے چن سک يں۔

اي ك اوٗر قانون م يں تبدي ل ي ك ي اوٗر اسمبل ي اوٗر س ي نٹ كے ام ي دوٗاروٗں ك ي لئے ب ي اے ك ي ڈگري لازم ي قرار دے دي ۔ اس ترم ي م كا اي ك فائده ي ه ہوا كہ اسمبل ي وٗں ك ي انگوٹھا چھاپ اركان سے جان چھوٹ گئی مگر نقصان ي ه ہوا كہ برابري ك ي بنا پر انپڑھ لوگ اسمبل ي كا ال ي كشن لڑنے سے محرؤم كردي ئے گئے۔

ب ي نظي ر اوٗر نواز شري ف كو حكومت سے باہر ركھنے ك ي لئے صدر اوٗر وٗزي رِ اعظم ك ي مدتِ م ي عاد مقرر كردي اوٗر ي ه قرار پاي اكہ كوءي بھي شخص دوٗبار سے زي اده صدري ا وٗزي رِاعظم نہ ي ں بن سكے گا۔

ل ي كن ہم ي ں نہ ي ں معلوم كہ ك ي ا اي ك عہدے پر دوٗبار رہنے وٗالا دوٗسرے عہدے ك ي لئے ام ي دوٗار ہوگا كہ نہ ي ں۔ اس پابندي كا اطلاق پروٗي ز صاحب پر بھي ہوگا مگر دس سال بعد۔ تب دي كھ ي ں گے كہ اس قانون ك ي ساتھ ك ي ا سلوك ہوتا ہے۔ پروٗي ز صاحب خود مانتے ہ ي ں كہ اي ك لحاظ سے پابندي ك ي وٗجہ درست بھي ہے مگر وٗه دوٗنوں س ي استدانوں كے جرائم كو اصل وٗجہ بتاتے ہ ي ں ان ك ي نااہل ي ك ي۔ كہتے ہ ي ں كہ اس تبدي ل ي سے نئے خون كو اعل ي عہدوٗں پر فائز ہونے كے بھي زي اده مواقع مل ي ں گے۔

پروٗي ز صاحب نے اپنے ذات ي تجربات ك ي بنا پر جب دي كھا كہ كبھي وٗزي رِ اعظم نے آرم ي چ ي ف كو ذات ي دشمن ي ك ي بنا پر ري ٹائر كردي ا اوٗر كبھي صدر نے وٗزي رِ اعظم كو برطرف كردي ا اوٗر اس طرح اقتدار ك ي رسہ كش ي ذات ي مفادات كا كھ ي ل بن ي ره ي۔ وٗزي رِ اعظم، صدر اوٗر آرم ي چ ي ف كے جھگڑوٗں كو ختم كرنے ك ي لئے پروٗي ز صاحب نے ن ي شنل س ي كورٹ ي كونسل بنانے كا ف ي صلہ ك ي ا۔ پروٗي ز صاحب كہتے ہ ي ں كہ ي ه كونسل نہ پارل ي م ي نٹ سے بالا ہوگ ي اوٗر نہ ن ي چے بلكہ ي ه مشاوٗرت كے فرائض انجام دے گ ي۔ اس كونسل م ي ں وٗزي رِ اعظم، چاروٗں صوبوں كے وٗزي رِ اعل ي، قوم ي اسمبل ي كے حزبِ اختلاف كے ل ي ڈر، س ي نٹ كے چ ي ئرم ي ن، قوم ي اسمبل ي كے سپ ي كر، اوٗر چاروٗں فوج ي جنرل جو جوائنٹ چ ي ف آف سٹاف اوٗر آرم ي، اءي رفورس اوٗر ن ي وٗي كے سربراه شامل ہوں گے۔ ان ت ي ره م ي ں اي ك چ ي ئرم ي ن جو صدر ہوگا اوٗر باق ي باره ممبران ہوں گے۔ پروٗي ز صاحب مانتے ہ ي ں كہ آرم ي چ ي ف كو س ي است سے باہر ركھنے ك ي لئے صرف اس كا ممبر ہونا چاہئے تھا مگر فوج ك ي حساس پوزي ش كا خ ي ال ركھتے ہوئے انہوں نے تمام چار ستاروٗں وٗالے جنرلوں كو اس كونسل م ي ں شامل كرنے كا ف ي صلہ ك ي ا۔

پروٗي ز صاحب كہتے ہ ي ں كہ اس كونسل كا اجلاس سال م ي ں چار بار ہوا كرے گا اوٗر اسطرح طاقت كے ت ي ن ستونوں م ي ں چ ي ك اي نڈ ب ي ل ي نس ره سكے گا۔ پروٗي ز صاحب كو معلوم ہے كہ س ي استدانوں نے جنرلوں ك ي كونسل م ي ں شمول ي ت ك ي مخالفت ك ي اوٗر دن ي ا كا بھي اعتراض تھا كہ جنرلوں كو س ي است م ي ں شامل ك ي وٗں ك ي ا مگر پروٗي ز صاحب كو ان اعتراضات كے باوٗجود ي ق ي ن ہے كہ اسطرح وٗه صدر كو ناجائز طور پر اسمبل ي توڑنے سے باز ركھ سك ي ں گے۔ ي ه بہتر طري قہ ہے جمہوري ت كو بحال ركھنے اوٗر ملك كو مارشل لاء سے بچانے كا۔ ي ه پاكستان ي حالات ك ي لئے ضروٗري ہے۔ تب تك ي ه طري قہ رائج رہے گا جب تك ملك جمہوري ت اپن ي جڑي ں مضبوط نہ كرلے۔ بدقسمت ي سے اپوزي ش نے اس كونسل كا باءي كاٹ ك ي ا۔ ي ه اپوزي ش چھ مزہب ي جماعتوں كا اتحاد ہے جو ي ا تو كونسل ك ي اہم ي ت كو سمجھ نہ ي ں پاي ا ي ا پھر وٗه ان كے ري فارمز كو ف ي ل كرنا چاہتا ہے تاكہ وٗه پرانے دنوں كو وٗاپس لا سك ي ں۔

ہم ن ي شنل س ي كورٹ ي كونسل كے ق ي ام ك ي ؤجوہات پر غ ي رجانبداري سے غور كرتے ہ ي ں۔ ہمارے خ ي ال م ي ں اس كونسل كے ق ي ام سے فوج كو مستقل س ي است ميں اي ك كردار دے دي ا گ ي ا۔ اس طرح ہوسكتا ہے نظر آنے ؤالے مارشل لاء سے تو جان چھوٹ جائے مگر ملك پر ہم ي شہ ك ي لئے اي ك نادي دہ مارشل لاء مسلط كردي ا گ ي ا۔ اسطرح س ي است كا كھ ي ل اسمبل ي ؤں اور س ي نٹ ك ي بجائے اس كونسل م ي ں ہوا كرے گا اور ملك ك ي قسمت كے ف ي صلے ي ہ ي كونسل ك ي ا كرے گ ي ۔ اس طرح ملك م ي ں نہ تو صدارت ي نظام ہوگا اور نہ ہ ي پارل ي مان ي بلكہ رؤس ك ي طرح س ي كورٹ ي كونسل پولٹ ب ي ؤرؤ ك ي شكل م ي ں ملك پر حكومت كرے گ ي ۔

اس كے بعد پرؤي ز صاحب بلدي ات ي اصلاحات كے نفاذ ك ي بات كرتے ہ ي ں اور كہتے ہ ي ں كہ اسطرح جمہوري ت عام لوگوں تك پہنچے گ ي ۔ بلدي ات ي حكومتوں كو بہت سارے اخت ي ارات دے دي ئے اور انتظام ي ہ كو ان كے زي رِ انتظام دے دي ا۔

ہمارے خ ي ال م ي ں پرؤي ز صاحب نے اس نظام كے تحت ملك م ي ں ناظم ي ن اور نائب ناظم ي ن ك ي شكل م ي ں اپن ي اي ك س ي اس ي پارٹ ي كھڑي كرل ي اور انہ ي ں قوم ي اسمبل ي اور صوباء ي اسمبل ي كے ممبران كے برابر لا كھڑا ك ي ا۔ اس طاقت كو س ي استدانوں اور س ي است سے الگ ركھنے ك ي لئے جنرل ض ي اك ي تقل ي د كرتے ہوئے غ ي ر جماعت ي انتخابات كرائے ۔

معاش ي ترق ي كا اح ي اء

پرؤي ز صاحب كہتے ہ ي ں كہ 1999 كا ٹاپ اي ج ي نڈا تھا پاكستان ك ي اكانوم ي كو سنبھالنا۔ ان كے بقول بنك اور دؤسرے مال ي ات ي ادارے اقربا پرؤري كا شكار ہوچكے تھے ۔ پاكستان كا پبلك س ي كٹري عن ي ؤاپڈا، كے اي اي س س ي، ري لوے، پاكستان سٹ ي ل ملز، پاكستان ن ي شنل شپنگ كارپوري شن، پ ي آء ي اے، كاٹن اي كسپورٹ كارپوري شن اور رائس اي كسپورٹ كارپوري شن كے ادارے تباہ ہوچكے تھے ۔ تجارت ي خسارہ بڑھتا جارہا تھا، فارن اي كسچ ي نج ك ي آمد كم ہورہ ي تھ ي ۔ پاكستان پر قرضوں كا بوجھ : :19اور 1999 كے درم ي ان 2.0 بل ي ن سے 39 بل ي ن ڈالر ہوچكا تھا۔ غربت :1ف ي صد سے 39 فھصد ہوچك ي تھ ي ۔

[پرؤیز صاحب نے یہ ماننے سے گریز کیا ہے کہ پاکستان پر قرضوں کا بوجھ ان کے دؤر میں بھی بڑھا ہے بیشك یہ پہلے ؤالی رفتار سے کم ہے ۔ پرؤیز صاحب کے دؤر میں غربت 39 فیصد سے 45 فیصد تك جا پہنچی ہے ۔ اقربا پرؤری کا اب بھی ؤہی حال ہے ۔ ترقی میں چلنے ؤالے ادارے غیر ملکی فرموں کو بیچ کر نوآبادیاتی نظام کی بنیاد ڈالی جارہی ہے]۔

پرؤي ز صاحب نے اكنانوم ي كو درست كرنے كا ب ي ڑہ اٹھاي ا اور اپن ي ٹ ي م ك ي مدد سے پلان بناي ا۔ پرؤي ز صاحب كے بقول ان كے مش ي رؤں نے انہ ي ں ي ہ كہ كر ڈراي ا كہ ؤہ اكانوم ي ك ي بہتري ك ي لئے اگر مشكل ف ي صلے كري ں گے تو ان كا س ي اس ي مستقبل داؤ پر لگ جائے گا۔ مگر پرؤي ز صاحب نے كس ي ك ي پرؤاہ نہ ك ي اور مندرجہ ذي ل چار نقاط پر عمل كرنے كا تہ ي ہ ك ي ا۔

چھوٹی صنعتوں کی بحالی

بنیادی ڈھانچے کو تبدیل کر کے چھوٹی صنعتوں کو تباہی سے بچانا

معاشی نظام کی بہتری

غربت دؤر کرنا

ان چارؤں اہداف کا تعلق آپس میں اتنا گہرا ہے کہ تمام ساتھ ساتھ ہی تکمیل پاسکتے ہیں۔ پرؤیز صاحب کہتے ہیں کہ شرؤع کے چند سال ہمارے لئے اچھے نہیں تھے اؤر ہماری اکانومی کو کافی جھٹکے لگے۔ اس دؤران قحط بھی پڑا اؤر انڈیا کی فوج کا سرحد پر اجتماع بھی اکانومی پر بوجھ بنا۔

[یہاں پرؤیز صاحب کو بات گھما پھرا کر کرنے کی ضرؤرت نہیں تھی سیدھی بات کرتے کہ 911 کے ؤاقعے کی مدد کے بغیر ہم اکانومی کو بہتر نہیں بنا سکتے تھے]۔

پرؤیز صاحب لکھتے ہیں کہ انہوں نے ؤرلڈ بنک کے سابقہ عہدیدارؤں سے مدد لی یعنی انہیں نوکری پر رکھا۔ سٹیٹ بنک نے بھی سود بیس فیصد سے کم کر کے پانچ فیصد کردیا۔ مشینری کی برآمدات پر ڈیؤٹیاں کم کیں، پاکستانی رؤپے کی ڈالر کے ساتھ شرح تبادلہ ایک رکھی۔

[پرؤیز صاحب نے غیرملکی اؤر بین الاقوامی مالیاتی ادارؤں سے ماہرؤں کی خدمات حاصل کرکے کوئی نیا کام نہیں کیا۔ ہر مقرؤض ملک کو قرض لینے ؤالے ادارؤں کے لوگوں کو ملازم رکھنا پڑتا ہے تاکہ ان کا قرض ڈؤبنے نہ پائے۔ یہی ؤجہ ہے کہ ہر ڈکٹیٹر کے دؤر میں آئی ایم ایف یا عالمی بنک کے پاکستانی ملازموں کو ؤزیر خزانہ یا خزانے کے مشیر کی نوکریاں دی گئیں تاکہ ؤہ پاکستانی حکومت کو اپنی مرضی کیمطابق فیصلے کرنے پر مجبور کرسکیں۔ پرؤیز صاحب نے تو اس دفعہ ایک عالمی بنکار شوکت عزیز کو ؤزارتِ خزانہ کیساتھ ساتھ ملک کا اعلی عہدہ دے کر آئی ایم ایف کے کام مزید آسان کردیئے ہیں]۔

سب سے مشکل فیصلہ آئی ایم ایف سے معاملہ کرنے کا تھا۔ اب تک ہماری حکومتیں آئی ایم ایف کے قرضوں کو ٹھیک طرح استعمال نہیں کرپائی تھیں اؤر اس طرح ملک پر قرضے بڑھتے گئے۔ پرؤیزصاحب لکھتے ہیں کہ انہوں نے آئی ایم ایف سے سارے قرضے ری شیڈؤل کئے اؤر زیادہ سود ؤالے قرضوں کو تھوڑے سود ؤالے قرضوں میں بدلا۔ پھر ملک کو اس جگہ پر لے آئے جہاں آئی ایم ایف کی ہدایات پر چلنے کی بجائے ہم آئی ایم ایف کو ہدایات دینے لگے۔ قرضوں کو تیس سال کی بنیاد پر بدلا

اۋر كوشش كي كہ ہم اپنے بجٹ كا جو 66 في صد قرضوں كے سود كي اداءيگي پر خرچ كرتے ہيں اسے كم كركے 22-25 في صد پر لے آءيں۔

[پرۋيز صاحب يہ ساري باتيں جو كر رہے ہيں صرف زباني حد تك ٹھيك ہيں جبكہ ملك كے اكثر ماہرِ معاشيات اس بات پر متفق ہيں كہ ملك پر قرض بڑھا ہي ہے كم نہيں ہوا۔ درآمدات پر ڈيوٹياں كم كركے غيروں كو نوازا گيا ہے اۋر اپنے ملك كي صنعت كا بيڑہ غرق كياگيا ہے]۔

پرۋيز صاحب احتساب كے نظام كے بارے ميں بھي لكھتے ہيں كہ انہوں نے يہ محكمہ كرپشن كم كرنے كيلئے فعال كيا اۋر بناں تفريق كے قرض نادہنگان كو پكڑا۔

[ہم سب جانتے ہيں كہ پوۋيز صاحب كي اس بات ميں بھي ۋزن نہيں ہے كيۋنكہ احتساب كا ادارہ سياسي مقاصد كيلئے استعمال ہوا اۋر اس نے صرف مخالفين كو پكڑا اۋر حكومتي عہديداروں كو چھوڑا ہي نہيں بلكہ ان كے قرضے معاف كرانے ۋالوں كو بھي كچھ نہ كہا۔ پرۋيز صاحب نے قرض خوروں كو ۋزاتوں سے نواز ديا يعني گيدڑوں كو خربوزوں كی ركھوالی پر بٹھا ديا]۔

پہلے دۋتين سال ميں جب اكانومي خراب ہي رہي تو لوگوں نے باتيں بنانا شرۋع كرديں۔ اس كے بعد [ہمارے خيال ميں 911 كي بركتوں سے] جب اكانومي ٹھيك ہونے لگي تو پھر لوگ كہنے لگے كہ اس اكانومي سے نہ تو بيرۋزگاري كم ہوءي اۋر نہ ہي غربت۔ اب غربت اۋر بيرۋزگاري دۋنوں كم ہونا شرۋع ہوچكي ہيں۔ يہ سچ ہے كہ تيز ترقي كچھ بري چيزيں بھي ساتھ لاتي ہے ان ميں سے ايك دۋلت كي تفريق ميں اضافہ ہے ليكن صحيح پاليسيوں سے اس تفريق كو بھي كم كيا جا سكتا ہے۔

[اس كا مطلب ہوا كہ پرۋيز صاحب دۋلت كی غلط تفريق كو اكانومی كی ترقی مانتے ہيں يعنی جب غريب مزيد غريب ہونے لگيں اۋر امير امير تر، تو اس كا مطلب ہے ملك ترقی كر رہا ہے۔ ہميں تو يہ دليل گھٹيا ہی لگتی ہے پتہ نہيں يہ كس كے چھوٹے ذہن كی پيداۋار ہے]۔

پرۋيز صاحب كے پوچھنے پر بتاياگيا كہ قرضوں كے سود كي اداءيگي كے بعد ہمارا بجٹ سب سے زيادہ حكومت اۋر دفاع پر خرچ ہو جاتا ہے۔ ہماري آمدني كا ذريعہ ٹيكس ہيں۔ پرۋيز صاحب نے دفاع كے بجٹ كو نہ بڑھانے كا فيصلہ كيا اۋر خسارے ميں جانے ۋالے محكموں كو منافع ميں بدل ديا۔

جب پرۋيز صاحب نے اخراجات ميں كٹوتي كردي تو انہوں نے آمدني بڑھانے كي طرف دھيان ديا۔ پاكستان كي قوم ٹيكس دينے كي عادي نہيں ہے يہ پرۋيز صاحب جانتے تھے۔ پرۋيز صاحب كي حكومت نے جب چھوٹے بڑے كارۋباري اداروں سے ٹيكس اكٹھے كرنے شرۋع كئے تو ۋہ حكومت كے خلاف كھڑے ہوگئے۔ پرۋيز صاحب پر ٹيكس ختم كرنے كا دباۋ بڑھاياگيا مگر انہوں نے ٹيكس كم نہ كئے۔ آخر كار حكومت نے كچھ مراعات دے كر پراءيۋيٹ اداروں كو ٹيكس دينے پر راضي كرليا۔ اس

طرح حکومت نے خسارے کو : فیصد سے کم کر کے 4 فیصد کرلیا اور ریوینو 302 بلین سے 700 بلین ہوگیا۔ اس آمدنی سے حکومت نے ترقیاتی پروگرام شروع کئے اور ترقیاتی کاموں کے فنڈ تین سو فصد بڑھا دیئے۔

[پرویز صاحب نے بھی اپنے پیش رؤوں کی طرح ذراعت پر ٹیکس لگانے سے گریز کیا کیونکہ ان کی حکومت میں بھی جاگیر دار شامل ہوگئے اور وہ ان جاگیرداروں کی مخالف مول لینے کی طاقت نہیں رکھتے تھے]۔

ہمارا سب سے بڑا خرچہ بیرونی قرضوں پر سود کی ادائیگی تھی۔ پھر ہماری برآمدات کم تھیں جنہیں پرویز صاحب نے بڑھایا۔ تجارتی خسارے کوکم کرنے کیلئے حکومت درآمدات توکم کر نہیں سکتی تھی اس لئے برآمدات کو بڑھایاگیا۔ درآمدات میں سب سے زیادہ تیل تھا جس کی قیمت ہمارے کنٹرول میں نہیں تھی اس کے علاوہ ہم چائے اور تیل درآمد کررہے تھے۔ ہم صرف اپنے خسارے کوکم کرسکتے تھے وہ ہم نے کیا۔

حیران کن طور پر 911 کا واقعہ پاکستان کی اکانومی کو بڑھانے کا سبب بنا۔ حکومت نے دہشت گردی کیخلاف اتحادیوں کا ساتھ دینے کا وعدہ کرلیا اور ساتھ دینے کی وجہ سے ہم نے پیرس کلب کی ہمدردی حاصل کرلی اور اسطرح سارا پیکیج جو ہمیں ملا اس کی وجہ سے ہمارا خسارہ پانچ بلین ڈالر سے دوبلین ڈالر ہوگیا۔

[اس کا مطلب ہواکہ پرویز صاحب یہ مانتے ہیں کہ پاکستان کی اکانومی کے اچھا ہونے کی سب سے بڑی وجہ ان کو کوششیں نہیں بلکہ 911 کا ظہور ہے۔ لیکن یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ ہمیں یہ صلہ یوٹرن کے عوض ملا جسے ہم نے "سب سے پہلے پاکستان" کا نام دے دیا]۔

انہی تبدیلیوں نے ترقی کی بنیاد رکھی لیکن ہم نے آمدنی بھی بڑھانے کے طریقے سوچنے شروع کردیئے۔ ہم نے برآمدات بڑھائیں اور ہم نے ایکسپورٹ پروموشن بیورو کو دوبارہ فعال بنایا۔

بیرونی سرمایہ کاری تقریباً ختم ہوچکی تھی۔ چائنہ کے وزیرِاعظم نے پرویز صاحب کی رہنمائی کی اور انہیں اکانومی کو بہتر بنانے کیلئے بہت ساری تجاویز دیں اور بیرونی سرمایہ کاری بڑھانے کو کہا۔ بیرونی سرمایہ کار سرمایہ لگانے سے پہلے ملک کے زرِ مبادلہ کے ذخائر دیکھتے ہیں۔ پرویز صاحب نے ذاتی طور پر زرِ مبادلہ کے ذخائر بڑھانے کی ٹھان لی۔ سب سے پہلے صنعتوں کی نجکاری کا سوچا اور پھر سرمایہ کاری کے اصول وضوابط بھی بنائے۔ ہم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی اور ہمارے زرِ مبادلہ کے ذخائر 1999 سے پانچ سو فیصد زیادہ ہوگئے۔ پرویز صاحب نے ایک جوان اور جوشیلہ وزیرِ سرمایہ کاری چنا اور بہت سارے سرمایہ کاروں نے پاکستان کی بڑھتی ہوئی اکانومی کو دیکھتے ہوئے سرمایہ کاری کے بارے میں سوچنا شروع کردیا۔

بیرونِ ملک مقیم پاکستانیوں کی پاکستان رقم زیادہ بھیجنے کی ہمیں ضرورت تھی۔ اس کیلئے پہلے تو ہم نے ہنڈی کے کاروبار پر پابندیاں لگائیں پھر لوگوں تک پوسٹل سروس کی رسائی آسان کی۔ سب سے زیادہ فارن کرنسی پاکستان بھیجنے کی وجہ 911

کا ؤاقعہ بنا۔ 2005 م يں پاکستان م يں چار بل ين ڈالر فارن کرنس ي بھ يج ي گئی اؤر اسطرح ہمار ي ب يرؤن ي ادائ يگ يؤں م يں 2004 م يں 2 بل ين ڈالر بچ گئے۔

[یہاں بھی پرؤیز صاحب نے یہ ماننے میں جھجھک محسوس نہیں کی کہ اؤؤرسیز پاکستانیوں کی پاکستان میں رقوم بھیجنے کی سب سے بڑی ؤجہ 911 کا ؤاقعہ ہے نہ کہ حکومت کی پالیسیاں]۔

1999 م يں ہم بنک کرپس ي ک ي حدؤں کر چھو رہے تھے مگر اب ہمارا ج ي ڈ ي پ ي 65 بل ين ڈالر سے 125 بل ين ڈالر ہوچکا ہے۔ ہمار ي ف ي کس سالانہ آمدن ي 460 ڈالر سے 00 : سو ڈالر ہوچک ي ہے۔ ہمارے ذر مبادلہ کے ذخائر 5۔12 بل ين ڈالر ہوچکے ہ يں۔ برآمدات 2006 م يں 17 بل ين ڈالرتک پہنچ چک ي ہ يں۔ ہمار ي درآمدات بھ ي بڑھ چک ي ہ يں۔ ہمار ي برآمدات ابھ ي بھ ي درآمدات سے کم ہ يں مگر خوش ي ہے کہ برآمدات نے ملک ک ي اکانوم ي پر مثبت اثرات چھوڑے ہ يں۔ ہم ملک م يں مش ين ر ي برآمد کررہے ہ يں۔

[پتہ نہ يں پرؤ يز صاحب کس رؤ سے برآمدات م يں اضافے کو ملک ک يلئے بہتر ي خ يال کررہے ہ يں۔ حالانکہ برآمدات بڑھنے سے مقام ي صنعت کو نقصان ہوتا ہے۔ برآمدات م يں مش ين ر ي کا حصہ نہ ہونے کے برابر ہے اؤر ز يادہ تر اش يائے صرف ک ي چ يز يں برآمد ک ي جارہ ي ہ يں۔ اش يائے صرف م يں بھ ي سب سے ز يادہ ال يکٹرؤنکس ہ يں]۔

بجل ي ک ي پ يداؤار ک يلئے ہم پانچ ڈ يموں پر کام کررہے ہ يں۔ ت يل پر چلنے ؤالے پاؤر پلانٹس کو گ يس پر منتقل کر رہے ہ يں۔ گ يس ک ي ؤسط ي ر ياستوں اؤر ا يران سے انڈ يا اؤر چ ين کو سپلائ ي پاکستان کے ذر يعے ہوگ ي اسطرح پاکستان کو اس سے بھ ي منافع ملے گا۔

ٹ يکسوں ک ي ؤصول ي کا نظام ٹھ يک ہوچکا ہے اؤر حکومت ک ي آمدن ي ا يک بل ين ڈالر سے چار بل ين ڈالرتک پہنچ چک ي ہے۔ کراچ ي ک ي سٹاک مارک يٹ ترق ي ک ي راہ پر گامزن ہے اس کا انڈ يکس 11500 پر پہنچ چکا ہے۔ کچھ کہتے ہ يں کہ کراچ ي سٹاک ا يکسچ ينج دن يا ک ي سب سے ز يادہ منافع بخش ہے۔ ہم نے ب يرؤن ي ملکوں م يں بھ ي بونڈ ک ي فرؤخت شرؤع ک ي ہے جس سے حکومت کو آمدن ي ہورہ ي ہے۔ اکانوم ي ک ي اس ترق ي سے ق يمتوں م يں بھ ي اضافہ ہوا ہے۔ عام لوگوں ک ي تنخواہ يں بھ ي بڑھ ي ہ يں اؤر اس طرح ان ک ي قوتِ خر يد م يں بھ ي اضافہ ہوا ہے۔

پاکستان م يں افراطِ زر حکومت سمجھت ي ہے کہ اس ک ي پال يس يؤں ک ي ؤجہ سے دس ف يصد سے کم ہوکر ساتھ ف يصد ہوچک ي ہے۔

[ماہر معاشیات حکومت کی اس دلیل کو بھی ماننے سے ہچکچارہے ہیں۔ ؤہ کہتے ہیں کہ اس ؤقت پاکستان میں افراطِ زر کی شرح 15 سے 20 فیصد ہے]۔

ت يل ك ي بڑھت ي ہوءي ق ي متوں ك ي ؤجہ سے ملك ك ي اكانوم ي پر منف ي اثر پڑ رہا ہے ۔ پرؤي ز صاحب مانتے ہ يں كہ توانا ءي ك ي ق ي متوں م يں اضافہ چھوٹ ي صنعتوں كو نقصان پہنچاتا ہے اؤر اس سے ق ي مت يں بھي بڑھت ي ہ يں ۔ پرؤي ز صاحب كو اس ك ي بہت فكر ہے ۔

[پرؤي ز صاحب كو صرف فكر ہ ي ہے مگر عمل ي طور پر كچھ نہ يں كر رہے ۔ پرؤي ز صاحب كو ي ہ تو معلوم ہے كہ توانا ءي ك ي ق ي متوں م يں اضافہ اكانوم ي ك ي لئے اچھا نہ يں ہوتا مگر اب جب عالم ي مارك ي ٹ م يں ت يل ك ي ق ي مت يں كم ہوچك ي ہ يں حكومت پٹرؤل ك ي ق ي مت يں كم كرنے پر راض ي نہ يں ہورہ ي ۔ اس كا مطلب ہے كہ حكومت ك ي ن ي ت م يں خلل ہے]۔

پرؤي زصاحب لكھتے ہ يں كہ انہ يں معلوم ہے كہ اكانوم ي ك ي بہتر ي ك ي لئے اؤر لوگوں ك ي بہتر زندگ ي ك ي لئے ان ك ي آمدن ي كو بڑھانا ہوگا اؤر اسك ي لئے رؤزگار كے مواقع پ ي دا كرنے ہوں گے، ذات ي كارؤبار ك ي سہولت د ي نا ہوگ ي، لوگوں ك ي ترق ي ك ي لئے سرما ي ہ كار ي كرنا ہوگ ي اؤر سب سے ز ي ادہ ضرؤر ي ہے صحت اؤر تعل ي م ك ي لئے سرما ي ہ كار ي ۔ ان سب ك ي لئے ضرؤر ي ہے كہ ہمار ي اكانوم ي مضبوط ہو۔

پرؤي ز صاحب ي ہ بھي مانتے كہ ملك ك ي مع ي شت كا دارؤمدار د ي ہ ي علاقوں پر ہے ۔ اس ي لئے انہوں نے نئ ي نہر يں بچھانا شرؤع ك ي ہ يں اؤر لوگوں كو آسان اقساط پر قرضوں ك ي سك ي م بھي شرؤع ك ي ہے ۔ د ي ہ ي علاقوں پر توجہ د ي نے سے ہمار ي ذرعی پ ي داؤار م يں ااضافہ ہوا ہے اؤر پرؤي ز صاحب اس اضافے پر مطمئن بھي ہ يں ۔ پرؤي ز صاحب كو سب سے ز ي ادہ فكر تعل ي م ي افتہ جوانوں ك ي ب ي رؤزگار ي ك ي ہے ۔ كمپ ي ؤٹر اؤر مواصلات ي ترق ي نے تعل ي م ي افتہ لوگوں ك ي لئے رؤگار كے مواقع پ ي دا ك ي ئے ہ يں ۔ ي ہ س ي كٹر ب ي رؤن ي سرما ي ہ كار ي م يں سب سے آگے ہ يں ۔

1999 م يں صرف 39 شہرؤں م يں انٹرن ي ٹ ك ي سہولت تھ ي جو اب 2006 بڑھ كر 2000 ہوچك ي ہے ۔ مواصلات ي صنعت ك ي ترق ي كام ي اب ي ك ي اي ك بہت بڑ ي مثال ہے ۔ ت ي ن سالوں م يں موبائل فون چھ لاكھ سے بڑھ كر ت ي س مل ي ن ہوچكے ہ يں ۔ كمپ ي ؤٹر اؤر مواصلات ي صنعت نے بہت سارے لوگوں كو ملازمت يں مہ ي ا ك ي ہ يں ۔

[مگر ہم پرؤي ز صاحب ك ي طرف سے انٹرن ي ٹ ك ي فراہم ي اؤر موبائل فونوں ك ي ز ي ادت ي كو ملك م يں ترق ي كا پ ي مانہ قرار نہ يں دے سكتے ۔ ہمارے خ ي ال م يں تو انٹرن ي ٹ اؤر مواصلات ي صنعت صرف پاكستان م يں ہ ي نہ يں بلكہ سار ي دن ي ا م يں ترق ي كرچك ي ہے ۔ ي ؤرپ تو اس كا استعمال سوچ سمجھ كر كر رہا ہے مگر ہم نے اسے نوجوانوں كے ہاتھوں م يں كھلا چھوڑ كر ان ك ي برباد ي كا سامان پ ي دا كرد ي ا ہے ۔ انٹرن ي ٹ پر نہ حكومت كا كنٹرؤل ہے اؤر نہ ہ ي ؤالد ي ن كو اس ك ي سوجھ بوجھ ہے جس ك ي ؤجہ سے موجودہ نوجوان نسل انٹرن ي ٹ پر اپنا ؤقت فضول كاموں پر ضائع كر رہ ي ہے ۔ حكومت نے نوجوانوں كے بیرؤزگاری كے مسائل بھی حل كرنے كی طرف كوئی خاص توجہ نہیں دی اؤر یہی ؤجہ ہے كہ اب یہ پڑھے لكھے نوجوان چوری اؤر ڈكیتی كے پیشے اپنا رہے ہیں]۔

پرؤيز صاحب لکھتے ہيں کہ ايک اؤر سيکٹر پر بھي حکومت نے توجہ دي ہے اؤر ؤہ ہے تعميرات کا کارؤبار۔ نئی سڑکیں اؤر پل بنائے جارہے ہیں۔ عمارتیں بن رہی ہیں۔ اس کي ؤجہ سے بھي لوگوں کو رؤزگار ملا ہے اؤر ملک پر اس کا اچھا اثر ہورہا ہے۔

[یہ الگ بات ہے کہ سڑکوں کے ٹھیکے اقربا پرؤری کی بنیاد پر دیئے جارہے ہیں۔ سڑکوں کی تعمیر میں اتنے گھپلے ہورہے ہیں کہ ایک سڑک کئی کئی بار بنانی پڑرہی ہے۔ ملک کے بڑے بڑے شہرؤں کی سڑکوں کو نکاسیٔ آب کے نظام کی بہتری کے نام پر اس طرح توڑا پھوڑا جارہا ہے کہ شہر کھنڈرات کا نمونہ پیش کررہے ہیں]۔

آخر م ي ں پرؤيز صاحب کہتے ہيں کہ ؤہ اب بھي غربت ختم کرنے اؤر آمدني بڑھانے کي طرف مسلسل دھيان دے رہے ہيں۔ مضبوط اکانومي کي ؤجہ سے حکومت ترقياتي کاموں پر اب رقم سو ملين رؤپوں سے بڑھاکر تين سو بلين رؤپے کردي ہے۔

[پرؤيز صاحب نے ترقياتي کاموں کيلئے رقم تو بيشک کئی سو فصد بڑھا دي ہے مگر اس پر کوءي چيک اينڈ بيلنس نہيں رکھا۔ پاکستان کي پراني رؤاياتکي طرح اس رقم کازيادہ تر حصہ ؤزيرؤں مشيرؤں کي جيبوں م ي ں جارہا ہے]۔

[اس سارے باب م ي ں پرؤيز صاحب نے لفظوں اؤر نمبرؤں کے ہير پھير سے يہ ثابت کرنے کي کوشش کي ہے کہ پاکستان ترقي کي راہوں پر گامزن ہے اؤر ملک م ي ں موبائل فونوں کي بھرمار اس بات کا ثبوت ہے۔ ليکن پرؤيز صاحب نے کئي سارے حقائق کو عام قاري سے چھپا کر رکھا ہے۔ انہوں نے صرف ترقي پر بات کي ہے معاشرے کي محرؤميؤں پر بات نہيں کي۔ ان کے دؤر م ي ں غربت کي لکير کے نيچے زندگي گزارنے ؤالوں کي تعداد م ي ں اضافہ ہي ہوا ہے کمي نہيں۔ ان کے دؤر م ي ں اکانومي کي ترقي اؤر ملک م ي ں زرِ مبادلہ کے ذخائر م ي ں اضافہ ان کي کوششوں کي بجائے 911 اليؤن کے ؤاقعہ کي بدؤلت ہے۔

اقرباء پرؤري کا اب بھي دؤر دؤرہ ہے اؤر جو کام پرؤيز صاحب نے اکانومي کو مضبوط کرنے کيلئے شرؤع کئے تھے جن م ي ں احتساب کا نظام اؤر قرض نا دہندگان سے قرضوں کي ؤصولي شامل تھي ؤہ سياست کي نظر ہوچکے ہيں۔ اس حکومت کے ريکارڈ تعداد م ي ں ؤزراء حکومت کي اس قلعي کو بھي کھول ديتے ہيں کہ حکومت نے حکومتي اخراجات م ي ں کمي کي۔ حکومت نے تعليم اؤر صحت پر زيادہ رقم خرچ کرنے کا ؤعدہ کيا مگر اس مد م ي ں بہت معمولي رقم کا اضافہ کيا۔ دفاعي بجٹ اب بھي آڈٹ سے ماؤراء ہے اؤر کسي کو نہيں معلوم کہ کتني اؤر کہاں پر يہ رقم خرچ ہورہي ہے۔

ہم اگر اس باب کا نچوڑ نکاليں تو يہي کہيں گے کہ پرؤيز صاحب کے لفظوں کے ہير پھير سے لوگوں کا پيٹ نہيں بھرا جاسکا اؤر غربت اب بھي پاکستان کا نمبر ايک مسلہ ہے۔ جب تک سرمايہ کاري کا فول پرؤف نظام قائم نہيں کيا جاتا اؤر سب کو برابري کے مواقع مہيا نہيں کئے جاتے 911 کي مرہونِ منت اکانومي زيادہ دير تک قائم رہنے ؤالي نہيں۔ سنا ہے آءي ايم ايف نے اب دباؤ ڈالنا

شرۇع کردیا ہے کہ پاکستان اپنی کرنسی کو مزید ڈی ؤیلیؤ کرے کیؤنکہ آئی ایم ایف کو اب شک ہونے لگا ہے کہ ملک میں ترقی کی رفتار سست ہورہی ہے۔

پرۇیز صاحب بیشک کہتے رہیں کہ ان کے ہاتھ کرپشن سے پاک ہیں مگر ؤہ یہ نہ بھولیں کہ ان کی چھتری کے نیچے پلنے ؤالے حکومتی لوگ جو بھی مال ہڑپ کررہے ہیں ؤہ انہی کے گناہوں میں اضافہ کررہا ہے۔ پاکستانی قوم کواس سے غرض نہیں کہ ان کا حکمران کرپشن سے پاک ہے ان کواس سے غرض ہے کہ ان کے حکمران نے انہیں کرپشن سے پاک نظام دیاکہ نہیں۔ یہ ؤہی بات ہوئی کہ امام صاحب توکسی حرام کاری میں ملوث نہیں مگر ؤہ حرامیؤں کی جماعت کرانے سے گریز نہیں کرتے اۇر نہ ہی ان میں سکت ہے کہ ؤہ کسی حرامی کواپنے پیچھے نماز پڑھنے سے رۇک سکیں]۔

ایک دن جس نے دنیا بدل دی

[پرۇیز صاحب کی کتاب کا یہ بیسواں باب ہے جوکتاب کا دل ہے۔ ہمیں تویہی لگتا ہے کہ یہ کتاب صرف اسی باب کیلئے لکھی گئی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ پرۇیز صاحب نے 911 کے ۇاقعے کواپنے اۇر پاکستان کے مفاد کیلئے کس طرح کیش کرایا]۔

ستمبر2001،11 پاکستان میں ایک غیر معمولی دن تھا۔ پرۇیز صاحب اس شام اپنے پسندیدہ شہر کراچی میں قائداعظم کے مقبرے کے ایک باغ کا معائنہ کررہے تھے اۇر دنیا کے دۇسرے کونے میں ہوائی جہازۇں کا ۇاقع پیش آرہا تھا جس نے پرۇیز صاحب کی ہی نہیں بلکہ پاکستان کی راہیں ہی بدل دیں۔ پرۇیز صاحب کواتنا معلوم ہے کہ ہم ایک اۇر جنگ کا ہراۇل دستہ بننے جارہے تھے اۇر یہ جنگ تھی گمنام دشمن کیخلاف۔

پرۇیز صاحب کہتے ہیں کہ جس طرح دۇسال قبل ان کے جہاز کے اغوا کے دۇران ان کے پائلٹ نے ان کے کان میں سرگوشی کی تھی اسی طرح اس نے سرگوشی کرتے ہوئے بتایاکہ ایک جہاز ۇرلڈ ٹریڈ سنٹر کے ایک ٹاۇر سے ٹکراگیا ہے۔ پرۇیز صاحب ۇرلڈ ٹریڈ سنٹر سے پہلے ہی اس طرح ۇاقف تھے کہ 1993 میں کچھ دہشت گردۇں نے اسے تباہ کرنے کی کوشش کی تھی اۇر ان کا سرغنہ رمزے یوسف پاکستان آکر چھپ گیا تھا جسے 1995 میں پاکستان نے گرفتار کرکے امریکہ کے حوالے کیا تھا۔

[رمزے یوسف ایک طالبعلم جو غیرملکی تھا اۇر پاکستان میں قرآن حفظ کررہا تھا کیساتھ رہ رہا تھا اۇر اسی کی اطلاع پر ؤہ پکڑا گیا۔ اس کی گرفتاری پر 25 ملین ڈالر کا انعام تھا۔ اب پتہ نہیں یہ انعام اس مسلمان طالبعلم اۇر پاکستان کی سیکیورٹی افواج کے درمیان کس طرح تقسیم ہوا۔ البتہ اس کے بعد ؤہ مسلمان طالبعلم امریکہ چلا گیا اۇر اب ۇہیں کہیں کسی اۇر نام سے مزے کی زندگی گزار رہا ہوگا]۔

پرۇیز صاحب نے سب سے پہلے تو یہ خیال کیاکہ کسی چھوٹے سے جہاز نے ٹاۇر کر ٹکر مار دی ہوگی مگر ان کی چھٹی حس یہ بھی کہ رہی تھی کہ یا تو پائلٹ نے جان بوجھ کر جہاز ٹاۇر سے ٹکرایا ہے یا پھر جہاز بے قابو ہوکر ٹکرا گیا ہوگا۔ پرۇیز صاحب نے یہ سارا ۇاقعہ ٹی ۇی پر دیکھا۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ ایک سپر پاور کو اس کی اپنی مٹی پر اس کے اپنے جہازوں سے نشانہ بنایا گیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ تھا اور ایک سپر پاور کی شان کیخلاف گستاخی کی گئی تھی۔ لازمی طور پر امریکہ ایک بپھرے ہوئے زخمی بھیڑیئے کی طرح ردِّ عمل دکھانے والا تھا۔ اگر یہ حرکت القائدہ کی تھی تو پھر امریکہ کا رخ افغانستان کی طرف نہ صرف ہونا تھا بلکہ پاکستان بھی طالبان کے حمائتی ہونے کی وجہ سے ٹارگٹ ہوسکتا تھا۔ ستمبر 11 نے ماضی سے نامعلوم مستقبل کی طرف نہ بدلنے والا موڑ لے لیا تھا اور اس کے بعد دنیا ہمیشہ کیلئے بدل جانے والی تھی۔

پرویز صاحب گورنر ہاؤس گئے وہاں سے انہوں نے ٹی وی پر اس واقعے کی مزمت کی اور امریکہ کو اپنی حمائت کا یقین دلایا۔ اگلی صبح ایک اہم میٹنگ کے دوران ان کے ملٹری سیکریٹری نے بتایا کہ امریکہ کے وزیر خارجہ کا فون ہے اور وہ ان سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ پرویز صاحب نے کہا کہ انہیں کہ دو کہ وہ انہیں واپس کال کریں گے [یہ تو سرا سر جھوٹ لگتا ہے کہ پرویز صاحب نے اتنے غیر معمولی واقعے کے بعد امریکہ کے وزیر خارجہ کی کال کو اپنی میٹنگ سے کم اہمیت دے کر بعد میں فون کرنے کا کہا ہو۔ ہمیں یقین ہے کہ پرویز صاحب بغیر کسی پروٹوکول کا لحاظ کئے اٹھے ہوں گے اور اسی وقت فون اٹھا کر جی سر جی سر کرنا شروع کردیا ہوگا]۔ جب ملٹری سیکریٹری نے کہا کہ وہ ابھی اور اسی وقت بات کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے میٹنگ سے اٹھ کر فون پر کولن پاول سے بات کی۔ پرویز صاحب کے بقول کولن پاول نے دوٹوک الفاظ میں کہا "تم یا ہمارے ساتھ ہو یا ہمارے خلاف ہو"۔ پرویز صاحب نے اسے الٹی میٹم سمجھا۔ تاہم شائع شدہ خبروں کے برخلاف یہ بات چیت تفصیلی نہیں تھی۔ پرویز صاحب نے انہیں بتایا کہ وہ دہشت گردی کیخلاف جنگ میں امریکہ کے ساتھ ہیں۔ ہم نے بلکل سودے بازی نہیں کی اور ہمارے پاس سوچنے کیلئے وقت تھا کہ آنے والا وقت کیسا ہوگا۔

اگلے دن جب پرویز صاحب اسلام آباد پہنچے تو ان کی ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی جو اس وقت واشنگٹن میں تھے سے فون پر بات ہوئی اور انہوں نے امریکہ کے ڈپٹی سیکریٹری خارجہ رچرڈ آرمیٹج سے اپنی ملاقات کا حال بتایا۔ انہوں نے بتایا کہ رچرڈ آرمیٹج نے کسی سفارتی آداب کا لحاظ کئے بغیر انہیں دھمکی دی ہے کہ پاکستان نے اب یہ نہیں چننا کہ اسے امریکہ کا ساتھ دینا ہے کہ نہیں بلکہ یہ نظر میں رکھنا ہے کہ اگر پاکستان نے امریکہ کا ساتھ دینے کی بجائے دہشت گردوں کا ساتھ دیا تو امریکہ اس پر اتنی بمباری کرے گا کہ وہ ہزاروں سال پرانی دنیا میں لوٹ جائے گا۔ یہ دل ہلا دینے والی دھمکی تھی اور اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ امریکہ نے بدلہ لینے کا تہیہ کرلیا ہے اور بدلہ بھی سخت قسم کا۔

[اس پیراگراف کو پرویز صاحب نے امریکہ کے دورے کے دوران ایک انٹرویو میں اپنی کتاب کو کیش کرانے کیلئے استعمال کیا اور بعد میں اس پر کافی بحث بھی ہوئی۔ رچرڈ آرمیٹج نے ہوبہو ان الفاظ کے استعمال کی تردید کی مگر اس بات کا اقرار کیا کہ دھمکی کچھ اسی طرح کی تھی۔ بعد میں پرویز صاحب کی صدر بش کیساتھ مشترکہ کانفرنس میں بھی اس بات کی تصدیق کیلئے سوال پوچھا گیا جس کے جواب میں صدر بش نے کہا کہ ان کے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جبکہ پرویز صاحب نے کتاب پڑھنے کی ہدائت کی]۔

پرویز صاحب نے ٹھنڈے دماغ سے فوجی انداز میں اپنی ساری آپشنز کو سامنے رکھتے ہوئے نفع اور نقصان کا جائزہ لیا۔ جوش و خروش ڈرئنگ رومز، اخباروں کے اداریوں اور فلموں میں پایا جارہا تھا لیکن اس طرح کے فیصلوں میں جوش کی بجائے ہوش سے کام لیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک لیڈر کا

فیصلہ کروڑوں لوگوں کی قسمت کا فیصلہ کررہا ہوتا ہے۔ اس وقت لیڈر بلکل تنہا ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کی تجاویز سن سکتا ہے مگر آخر میں فصلہ اسی نے کرنا ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اسی نے فیصلہ کرنا ہے اور یہ کوئی عام سی بات نہیں ہوتی۔

[ہم پرویز صاحب کی اس منطق سے متفق نہیں ہیں۔ یہ مشہور مقولہ ہے کہ ایک ایک اور دو گیارہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک آدمی کی سوچ محدود ہوتی ہے اور محبِ وطن ایک سے زیادہ لوگوں کی سوچ لامحدود ہوتی ہے۔ اگر ایک آدمی کا فصلہ سب پر بھاری ہوا کرتا تو پھر صدر کے ہوتے ہوئے امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں کانگریس اور سینٹ کے ادارے نہ ہوتے۔ جموں کو جیوری کی شکل میں دس بارہ آدمی فیصلے کیلیئے مہیا نہ کئے جاتے۔ پرویز صاحب جانتے ہیں کہ انہیں بھی اپنے کورکمانڈروں کو ساتھ لیکر چلنا پڑتا ہے اور اگر وہ انہیں ساتھ لیکر نہ چلیں تو وہ ایک دن بھی حکومت نہیں کرسکیں گے۔ اس لئے بہتر ہوتا اگر پرویز صاحب اس نازک گھڑی میں اکیلے فیصلہ کرنے کی بجائے قوم کو بھی اس فیصلے میں شامل کرلیتے۔ یہ تو امریکہ کی خوش قسمتی تھی کہ پاکستان میں ڈکٹیٹر شپ تھی اور فیصلہ آسان شرائط پر ہوگیا ورنہ ہمارا سو فیصد یقین ہے کہ پاکستان پرویز صاحب سے بہتر ہی ڈیل کرتا۔ ترکی اور انڈیا کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ترکی امریکہ کا اتحادی ہونے کے باوجود عراق کے معاملے میں امریکہ کے ساتھ ڈیل نہ کرسکا اور انڈیا کو امریکہ کی ضرورت ہونے کے باوجود امریکہ کی مرضی کیخلاف عراق میں فوجیں نہ بھیجنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ کاش اس وقت ہمارے ملک میں بھی جمہوریت ہوتی اور ہم اچھی شرائط پر امریکہ سے مک مکا کرسکتے]۔

[ہمیں اس بات کا اتنا افسوس نہیں کہ پاکستان نے طالبان کے معاملے میں یوٹرن لیکر اپنے آپ کو بچا لیا بلکہ اس سے زیادہ اس بات کا افسوس ہے کہ اس واقعے کے بعد بھی ہم نے کوئی سبق نہیں سیکھا اور نہ ہی کوئی ایسی کوشش کی کہ دوبارہ ہم اس طرح کے فیصلے سے بچ سکیں۔ ہم اب بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں ستمبر۱۱ سے پہلے تھے اور اگر اسی طرح ملک پر مطلق العنانی مسلط رہی تو شائد اسی طرح رہیں گے]۔

[پرویز صاحب اپنے فیصلے کی تائد میں آگے بہت ساری تاویلیں گھڑتے ہیں یعنی وجوہات بیان کرتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان سب تاویلوں کو جانتے ہوئے بھی انہوں نے ان کے سدِباب کی کوشش کی کہ نہیں]۔

پرویز صاحب کہتے ہیں کہ ان کے فیصلے کا دارومدار ان کے عوام اور ملک کے مفاد پر تھا۔ پرویز صاحب نے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگایا اور اپنی حکمتِ عملی امریکہ کے ساتھ جنگ کی صورت میں ترتیب دی۔ سوال یہ تھا کہ اگر ہم امریکہ کی مخالفت مول لیتے ہیں تو کیا ہم اس حملے کا مقابلہ کرسکیں گے۔ اس کا جواب نہ میں تھا اور اس کی تین وجوہات تھیں۔

۱۔ ہماری آرمی امریکہ کے مقابلے میں کمزور تھی اور اس طرح ہماری فوج تباہ و برباد ہوجاتی۔

۲۔ ہماری اکانومی اتنی مضبوط نہیں تھی۔ ہمارے پاس تیل بھی نہیں تھا۔ ہماری اکانومی امریکہ کے حملے کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔

۳۔ تیسری اور سب سے اہم وجہ ہماری قومی کمزوری تھی۔ ہم میں اس اتحاد کی کمی تھی جس کی وجہ سے ہم ملکر اس حملے کا مقابلہ کرسکتے۔ ہم کسی بھی لحاظ سے امریکہ کیساتھ فوجی محاذ آرائی کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔

[پتہ نہیں تیسری وُجہ بیان کرنے کی پرویز صاحب کو یہاں ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور کیوں قومی انتشار کو اپنے دشمن کے آگے ننگا کر دیا۔ اور پھر وُہی بات ہے کہ کیا ان پانچ سالوں میں پرویز صاحب نے پاکستان آرمی کو مضبوط بنانے اور قوم کو متحد کرنے کی کوئی کوشش کی تاکہ آئندہ اس طرح کی صورتحال میں ہم دوبارہ نامرد کہلوانے سے بچ سکیں]۔

پرویز صاحب نے پھر قومی مفاد کا بھی تجزیہ کیا۔

ایک، ہندوستان امریکہ کو اپنے ہوائی اڈے پیش کر چکا تھا۔ اگر ہم نہ کر دیتے تو ہندوستان یہ آفر قبول کر لیتا۔ اس کے بعد کیا ہوتا کہ ہندوستان کو کشمیر کا مسلہ دبانے کا سنہری موقع مل جاتا۔ ہندوستان اس صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کشمیر پر حملہ بھی کر سکتا تھا اور امریکہ اور یو این کی مدد سے اس مسلے کو ہمیشہ کیلئے دبا دیتا۔ امریکہ یقیناً ہندوستان کے احسان کا بدلہ چکانے کیلئے اس کا ساتھ دیتا۔

دوسرے، ہمارے ایٹمی اساسوں کی حفاظت مشکل ہو جاتی۔ ہم ایٹمی طاقت بننے کی وُجہ سے ہندوستان کیساتھ برابری کا حق کھونا نہیں چاہتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ امریکہ کبھی بھی مسلمان ملک کو ایٹمی طاقت دیکھنا گوارا نہیں کرے گا اور وہ بلاشک کوشش کرے گا کہ ایٹمی آثاثوں کو تباہ کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دے اور ہندوستان امریکہ کو ایٹمی اثاثے تباہ کرنے میں ضرور مدد کرتا۔

تیسرے، ہماری معاشی ترقی جو ہم نے پچاس سالوں میں حاصل کی وہ صفحہء ہستی سے مٹ جاتی۔

آخری سوال پرویز صاحب کے ذہن میں یہی تھا کہ کیا طالبان کیلئے اپنے آپ کو تباہ کرنا پاکستان کے مفاد میں تھا کہ نہیں۔ کیا خودکشی کا کوئی حاصل تھا کہ نہیں۔ جواب صرف نہ میں ہی تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان نے رُوس کے جانے کے بعد جب امریکہ نے افغانستان کو تنہا چھوڑ دیا تو طالبان کی حمائت کی۔ کچھ عرصے کیلئے تو امریکہ نے بھی ایک حد تک طالبان کی حمائت کی۔ ہمیں امید تھی کہ طالبان اسلام کی اصلی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے تباہ شدہ افغانستان میں اتحاد اور امن بحال کریں گے۔ لیکن انہوں نے ملاؤں کی حکومت قائم کر دی جو کہ اسلام کی رُوشن خیالی، جدت پسندی اور میانہ رُوی کیخلاف تھی اور یہ خوبیاں پاکستانیوں میں موجود ہیں۔

[یہاں پرویز صاحب اگر چاہتے تو تھوڑی تفصیل میں جا کر امریکہ کی طالبان کیلئے حمائت پر بات کر سکتے تھے اور ان کی وُجوہات بھی بیان کر سکتے تھے۔ مگر چونکہ یہ کتاب کے تھیم کیخلاف تھا اسلئے پرویز صاحب بات کو گول کر گئے ہیں]۔

جب طالبان حکومت میں آئے تو ہمارے تعلقات میں سرد مہری آنے لگی۔ طالبان نے جو افغانستان میں امن قائم کیا وہ قبرستان کی طرح کا تھا۔ ہم نے طالبان کی حمائت زمینی حقائق کی بنیاد پر کی تھی اور اگر ہم ان کی حمائت نہ کرتے تو اپنے لئے مغربی سرحد پر ایک اور دشمن بنا لیتے اور قیادت کا خلا شمالی اتحاد پر کر لیتا جو پاکستان کیخلاف تھے۔ شمالی اتحاد کی حمائت ہندوستان، رُوس اور ایران کر رہے تھے۔ لیکن اب ہم طالبان کی شکل میں ان سے بھی زیادہ خطرناک لوگ پیدا کر چکے تھے۔ اب ہم طالبان سے الگ ہو سکتے تھے۔ کسی بھی صورت میں وہ اس حملے کی تاب نہ لا سکتے۔ اسلئے پھر ہم کیوں اس ڈکٹیٹرشپ کی حمائت میں اپنے مفاد کو داؤ پر لگاتے جو شکست کھانے والا تھا۔

دؤسری طرف، امریکہ کی مدد کرنے کے فوائد بہت تھے۔

ایک، ہم اپنے معاشرے سے انتہا پسندی کا خاتمہ کرسکتے تھے اؤر بیرؤنی دہشت گردؤں کا اپنی زمین سے سفایا کرسکتے تھے۔ ہم اکیلے یہ نہیں کرسکتے تھے اس کیلیۓ ہمیں امریکہ کی مالی اؤر تکنیکی مدد کی ضرؤرت تھی۔

[ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہم کیوں اکیلے انتہاپسندی ختم نہیں کرسکتے تھے اؤر امریکہ کی مدد سے کیسے ہم نے یہ ختم کی۔ جبکہ ہماری نظر میں سوائے تین چار سو انتہاپسندؤں کو امریکہ کے حوالے کرنے کے باقی سبھی پاکستانی جنہیں ہم انتہا پسند کہتے ہیں ابھی بھی پاکستان میں رہ رہے ہیں اؤر سکون سے رہ رہے ہیں]۔

ہم طالبان، القاعدہ اؤر ان کے حواریوں کی دہشت گردی کے کئی سالوں سے شکار تھے۔ پہلی پاکستانی حکومتیں ان مزہبی انتہاپسند گرؤپوں کیخلاف ایکشن لیتے ہوئے ہچکچاتی تھیں۔ جنرل ضیا نے ان کی حمائت اپنی سیاسی ؤجوہات کی بنا پر کی اؤر نواز شریف ان کی مدد سے اسلام کے خلیفہ بننے کی راہ پر گامزن تھے۔ پرؤیز صاحب اپنے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں ہمیشہ سے ایک ماڈرن مسلمان رہا ہوں جو کبھی بھی انتہا پسندی کے حق میں نہیں رہا۔ میں نے ان کے خلاف تب کارؤائی شرؤع کی جب فرؤری 2001 میں ان مذہبی انتہاپسند تنظیموں پر پابندی لگائی۔ لیکن اب ہمارے پاس موقع تھا کہ ہم ان طاقتوں کیخلاف کھلی جنگ لڑسکیں۔

دؤسرے، اگرچہ دہشت گردی کیخلاف اتحاد میں شمولیت سے ہم بین الاقوامی سرمایہ کاری سے محرؤم ہوجاتے مگر ہم اپنا خسارہ کم کرسکتے تھے اؤر اپنے اؤپر لگی ہوئی پابندیاں ختم کراسکتے تھے۔

تیسرے، ہم ایٹمی دھماکوں کے بعد الگ رہ جانے ؤالی قوم کی بجائے مرکزی حیثیت حاصل کرسکتے تھے۔

[ہمارے خیال میں جنرل ضیا نے جس طرح انہتاپسندؤں کی حمائت صرف اپنی حکومت کی مظبوطی اؤر امریکہ کی مدد کی ؤجہ سے کی اسی طرح پرؤیز صاحب نے رؤشن خیالوں اؤر لبرل طاقتوں کی حمائت امریکہ کی خوشنودی کیلیۓ کی تاکہ ان کی حکومت قائم رہ سکے]۔

[ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ نواز شریف کو خلیفہ کے رؤپ میں پیش کرنا بھی سیاسی فائدہ اٹھانا ہے تاکہ اتحادی نواز شریف سے خوف کھاتے رہیں اؤر اسے سیاست سے باہر رکھ کر پرؤیز صاحب آزادی سے حکومت کرتے رہیں۔ ؤگرنہ نہ ہی نواز شریف کا اسلامی نظام نافز کرنے کا ارادہ تھا اؤر نہ ہی ؤہ امریکہ کے خوف سے ایسا کرسکتے تھے]۔

[معاشی ترقی جو 911 کی بدؤلت ہمیں ملی پرؤیز صاحب کیلیۓ تیسری ترجیح تھی۔ سب سے پہلی ترجیح ان کی اپنی حکومت مظبوط کرنا اؤر پھر فوج اؤر ملک کو بچانا تھا۔ ہم دعوے سے کہ سکتے ہیں کہ اگر اب بھی پرؤیز صاحب کو اپنی حکومت بچانے کیلیۓ بلوچستان کی بھی قربانی دینی پڑے تو ؤہ اس سے بھی دریغ نہیں کریں گے کیونکہ ہم پاکستانیوں کی یہی عادت رہی ہے]۔

جب پرؤیز صاحب نے امریکہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا توان کے ذہن میں یہ سوال اٹھا کہ اس کا پاکستانی معاشرے میں ردِ عمل کیا ہوگا۔ یہاں پر ؤہ اس کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

پرؤیز صاحب کہتے ہیں کہ ملاّ تو اس کی مخالفت کریں گے اؤر گلیوں میں احتجاج کریں گے۔ سب کو معلوم ہے کہ صوبہ سرحد جوکہ افغانستان کیساتھ ہے میں بھی ردِّ عمل ہوگا۔ سندھ خاص کر کراچی اؤر بلوچستان تو غیر جانبدار ہوں گے یا پھر کچھ نہیں کریں گے۔ اب رہا پنجاب جو پاکستان کا دل ہے۔ کیا پنجاب میں اس کا الٹا ردِّ عمل ہوگا؟ میرا خیال تھا کہ نہیں کیونکہ پنجابی حساس اؤر عملیت پسند لوگ ہیں۔ رہی بات کراچی کی جہاں بہت سارے مدارس ہیں جنہیں صوبہ سرحد کے انتہاپسند چلاتے ہیں ؤہاں ضرؤر گلیوں مۍں احتجاج بلند ہوگا لیکن کراچی کی اکثریت اس احتجاج کی حمائت نہیں کرے گی۔ اسلئے پاکستانی عوام کے متعلق میری سوچ کے مطابق مجھے یقین تھا کہ پورے پاکستان میں کوئی خاص ردِّ عمل نہیں ہوگا۔

[یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ پاکستانی عوام کی اکثریت سیاستدانوں کی خود غرضیوں اؤر ؤعدہ خلافیوں کی ؤجہ سے بے حس ہوچکی ہے اؤر اسی لئے کسی نے نواز شریف کے جانے پر صدائے احتجاج بلند نہیں کی۔ یہ بات پرؤیز صاحب کو بھی معلوم تھی یا ان کو بتا دی گئی تھی کہ لوگ سوئے ہوئے ہیں تم ان کی پرؤاہ نہ کرؤ۔ جب پاکستانی عوام نے اپنا آدھا حصہ گنوا کر کچھ نہیں کیا اؤر اس سے پہلے دؤ فوجی حکمرانوں کو طویل عرصے تک برداشت کر چکے ہیں تو اب ؤہ کیا کریں گے۔ یہ ؤہ ؤقت تھا اگر امریکہ پاکستان پر قبضہ بھی کرنا چاہتا تو پرؤیز صاحب اس کی بھی حامی بھر لیتے]۔

یہ تھا پرؤیز صاحب کا تجزیہ جو انہوں نے ٹھنڈے دل ؤ دماغ سے کیا۔ رچرڈ آرمٹیج کی سفارتی آداب کے خلاف دھمکی نے میرے فیصلے پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ امریکہ اپنے مفاد میں فیصلے کرے گا اؤر ہم اپنے مفاد میں۔ لیکن رچرڈ آرمٹیج کی دھمکی نے پرؤیز صاحب کو اپ سیٹ ضرؤر کیا۔ یہ ایک فوجی کی شان کیخلاف ہے کہ ؤہ دھمکی کے جواب میں بڑھ کر دھمکی نہ دے اؤر کہے کہ کرلو جو کرنا ہے۔ لیکن پرؤیز صاحب مانتے ہیں کہ رچرڈ آرمٹۍج بعد میں ایک اچھے آدمی اؤر پاکستان کے دؤست ثابت ہوئے۔

[اس بات کی سمجھ نہیں آئی ایک طرف رچرڈ آرمٹیج کی دھمکی کو سرِ بازار اچھالا اؤر خود کو حقیر اؤر بے بس ثابت کیا اؤر دؤسری طرف اسی شخص کی تعریف بھی کردی۔ اس شخص کے بیان کو سفارتی بے ادبی بھی قرار دینا اؤر بعد میں اسے اچھا شخص کہنا کیا یہ دؤغلاپن نہیں ہے۔ ابھی حال ہی میں پاکستانی ؤزیر خارجہ نے بھی اسی قسم کا بیان دیا ہے کہ اگر پاکستان امریکہ کا ساتھ نہ دیتا تو اس کا حال بھی عراق جیسا ہوتا تو پھر ایسے شخص کو اچھا کہنا صرف امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے زمرے میں ہی آئے گا]۔

ستمبر 13،2001 کے دن امریکی سفیر ؤینڈی چیمبرلین صدر صاحب کے پاس مندرجہ ذیل ساتھ ڈیمانڈیں لے کر آئی۔ یہ سات مطالبات اس سے پہلے امریکہ کا سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ پہلے ہی ہمارے خارجہ آفس کو پیش کرچکا تھا حالانکہ ؤہ صرف زبانی تھے۔

1۔ سرحد پر القائدہ کی سرگرمیاں بند کردؤ، پاکستان سے ہتھیارؤں کی سپلائی رؤک دؤ اؤر بن لادن کی ہر قسم کی مدد ختم کردؤ۔

2۔ امریکہ کو تمام فضائی سہولتیں مہیا کرؤ جہاں سے ؤہ فوجی اؤر انٹیلیجینس کی کارؤائی کرسکے۔

3۔ امریکہ اوٗر اس کے اتحادیوں کو دہشت گردوٗں کیخلاف فوجی اوٗر انٹیلیجنس کاروٗائیوں کیلیئے زمینی راستے دوٗ جس میں ہر قسم کی ہوائی، بحری اوٗر سرحدی رسائی شامل ہو۔

4۔ فوری طور پر امریکہ کو معلومات، امیگریشن کے متعلق اطلاعات اوٗر اعدادوٗشمار اوٗر اندروٗنی سیکورٹی کی معلومات فراہم کروٗتاکہ امریکہ اسے ان دہشت گردوٗں کیخلاف استعمال کرے جنھوں نے امریکہ اوٗر اس کے اتحادیوں کیخلاف دہشت گردی کی۔

5۔ سرِعام امریکہ اوٗر اس کے اتحادیوں کیخلاف ہونے وٗالی دہشت گردی کی مزمت کرنا شروٗع کردوٗ اوٗر امریکہ اوٗر اس کے اتحادیوں کیخلاف دہشت گردوٗں کیلیئے پاکستانی عوام کی سپورٹ کو ختم کرنا شروٗع کردوٗ۔

6۔ طالبان کو تیل کی فراہمی اوٗر رضاکاروٗں سمیت تمام چیزوٗں کی سپلائی بند کردوٗ جو جنگ میں امریکہ کیخلاف استعمال ہوسکتی ہیں یا دہشت گردی کے کام آسکتی ہیں۔

7۔ اسامہ بن لادن اوٗر اس کی القائدہ نے ہی دہشت گردی کی ہے اوٗر اگر طالبان اسامہ بن لادن اوٗر القائدہ کا ساتھ نہیں چھوڑتے اوٗر اسے امریکہ کے حوالے نہیں کرتے تو طالبان کیساتھ سارے سفارتی تعلقات ختم کردوٗ اوٗر اسامہ بن لادن اوٗر القائدہ کو تباہ کرنے کیلیئے امریکہ کی مدد کروٗ۔

پرؤیز صاحب کہتے ہیں کہ ان میں سے کچھ مطالبات تو بچگانہ معلوم ہوتے تھے جیساکہ مقامی آبادی کو امریکہ اوٗر اس کے اتحادیوں کی حمائت پر مجبور کروٗ۔ اس طرح کی ڈیمانڈ کا انحصار تو دہشت گردی کیخلاف مقامی حمائت اوٗر رائے عامہ کی آزادی کی حدوٗد میں رہ کر ہی کیا جاسکتا تھا۔ پرؤیز صاحب اس ڈیمانڈ کو بھی عجیب خیال کرتے ہیں کہ اسامہ بن لادن اوٗر القائدہ کے دہشت گردی میں ملوث ہونے کے ثبوت فراہم کروٗ حالانکہ امریکہ خود یہ نہیں جانتاکہ وٗاقعی اسامہ اوٗر القائدہ 911 کی دہشت گردی میں ملوث ہیں کہ نہیں۔ پرؤیز صاحب نے یہ بھی خیال کیاکہ اگرافغانستان اسامہ اوٗر القائدہ کوپناہ دیئے رکھتا ہے تواس کیساتھ سفارتی تعلقات توڑنا بھی حقیقت پسندی نہیں تھی کیونکہ ایک تو جب تک طالبان کی حکومت ختم نہیں ہوجاتی امریکہ کو افغانستان میں رسائی درکار تھی اوٗر دوٗسرے یہ دوٗسرے ملک کے اندروٗنی معاملات میں دخل اندازی تھی۔ لیکن جلد بازی میں تیار کی گئی اس فہرست کیخلاف کسی بحث کی گنجائش نہیں تھی۔ ہمیں دہشت گردی کو ختم کرنے کی ڈیمانڈ پر کوئی اختلاف نہیں تھا ہم امریکہ پر دہشت گردی کے حملے سے پہلے ہی دہشت گردی کیخلاف اقدامات کررہے تھے۔

[پرؤیز صاحب نے صرف ایک بات کو پاکستان کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی قراردیا ہے حالانکہ اگر دیکھا جائے تو سات کے سات نقاط اسی زمرے میں آتے ہیں۔ جب پرؤیز صاحب کے پاس بحث کی گنجائش ہی نہیں تھی تو پھر یہاں پر تاؤلیں گھڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پنجابی میں کہتے ہیں "ڈاہڈئے کا ستیں وٗیں سو ہوندا اے" یعنی اگر طاقتور ایک سو بیس کو بھی سو کہ دے تو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ یہاں پرؤیز صاحب دوٗبارہ یہی کہ سکتے تھے کہ امریکہ سپر پاوٗر تھا اوٗر ہم بے بس تھے]۔

ہم ان میں سے دؤ یا تین ڈیمانڈیں نہیں مان سکتے تھے۔ ہم کیسے یہ برداشت کرسکتے تھے کہ امریکہ کو پاکستان کی فضائی حدؤد اؤر ہوائی اڈؤں کو استعمال کرنے کی اجازت دے دیتے۔ ہم نے صرف ایک ہوائی پٹی استعال کرنے کی اجازت دی جو ہمارے حساس مقامات سے دؤر تھی۔ ہم امریکہ کو اپنے ہوائی اڈے، بندر گاہیں اؤر سرحدی علاقے استعمال کیلیۓ بھی نہیں دے سکتے تھے۔ ہم نے بندر گاہوں اؤر ہوائی اڈؤں کے استعمال کی اجازت دینے سے انکار کردیا۔ ہم نے امریکہ کو صرف دؤ ہوائی اڈے استعمال کرنے کی اجازت دی جوکہ شمسی بلوچستان اؤر جیکب آباد سندھ میں تھے اؤر صرف انہیں سازؤسامان اؤر جہازؤں کی ریکوری کیلیۓ استعمال کی اجازت دی۔ اس کے علاؤہ ہم نے امریکہ کو کوئی کھلی چھٹی نہیں دی۔

[پرؤیز صاحب ہمیں بھولا سمجھتے ہیں۔ ایک طرف کہتے ہیں کہ ہوائی اڈے ہم کیسے دے سکتے تھے اؤر دؤسری طرف کہتے ہیں کہ دؤ ہوائی اڈے دیۓ۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ ابھی تک امریکی فوج جیکب آباد کا ہوائی اڈہ سنبھالے بیٹھی ہے حالانکہ طالبان کی حکومت ختم ہوئے پانچ سال ہو چکے ہیں۔ سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ امریکہ نے جب چاہا اؤر جہاں چاہا پاکستانی فضائی اؤر سمندری حدؤد استعمال کیں مگر حکومت نے پاکستانی عوام کو اس کی کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی]۔

اس کے علاؤہ باقی مطالبات کو ہم پورا کرسکتے تھے۔ پرؤیز صاحب کو خوشی ہے کہ امریکہ نے ان کی تجاؤیز بغیر کسی غصے کے مان لیں۔ پرؤیز صاحب کو یہ سن کر دکھ ہوتا ہے جب لوگ کہتے ہیں پرؤیز صاحب نے امریکہ کے سارے مطالبات کولن پاؤل کیساتھ فون پر بات چیت کے دؤران ہی آنکھیں بند کرکے مان لئے تھے۔ پرؤیز صاحب کہتے ہیں کہ کولن پاؤل نے ہمیں کوئی مطالبات پیش نہیں کئے تھے بلکہ یہ مطالبات سفیر نے تیسرے دن پیش کئے تھے۔

[لوگ اسلیۓ یہ سمجھتے ہیں کہ پرؤیز صاحب نے فون پر ہی سارے مطالبات مان لئے تھے کیونکہ پرؤیز صاحب کو اپنی حکومت بھی بچانا تھی اؤر پھر کیا پدی اؤر کیا پدی کا شوربہ کے مصداق ؤہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ جو ؤجوہات پرؤیز صاحب نے مطالبات ماننے کے حق میں دی ہیں ان سے تو یہی لگتا ہے کہ پرؤیز صاحب نے ان مطالبات کو ماننے میں ایک منٹ کی دیر نہیں لگائی ہوگی۔ جیسا کہ ہم پہلے کہ چکے ہیں کہ اگر پرؤیز صاحب کی جگہ کوئی اؤر بھی ہوتا تو ؤہ ؤہی کرتا جو پرؤیز صاحب نے کیا کیونکہ ہمیں ملکی مفاد سے زیادہ اپنی کرسی پیاری ہوتی ہے۔ اس بات کی تصدیق نواز شریف نے بھی کی ہے مگر ساتھ اس لاحقے کے ساتھ کہ ؤہ اسمبلی کے ارکان کیساتھ ضرؤر مشورہ کرتے۔ یہ لاحقہ بھی انہوں نے اسلیۓ لگایا ہے کہ ؤہ اب حکومت میں نہیں ہیں۔ اگر یہاں پر کوئی محبِ ؤطن حاکم ہوتا تو ؤہ ضرؤر قوم کو ساتھ لے کر چلتا اؤر اچھے طریقے سے امریکہ کیساتھ معاملہ کرتا۔ ہم یہ بات پھر دہرائے دیتے ہیں کہ اگر حکومت محبِ ؤطن ہوتی تو اس ؤاقعے سے جانبر ہونے کے بعد ضرؤر ایسے اقدامات کرتی جن کی ؤجہ سے ہمیں اس طرح کی صورتحال سے دؤبارہ دؤچار نہ ہونا پڑتا۔ ہم اب بھی ؤہیں کھڑے ہیں جہاں 2001 میں کھڑے تھے اؤر اگر آج اسطرح کے مطالبات دؤبارہ پیش کئے جائیں تو ہمارے پاس سوائے انہیں ماننے کے کوئی اؤر چارہ نہیں ہوگا]۔

پرؤیز صاحب کہتے ہیں کہ فیصلہ کرنے کے بعد انہوں نے اپنی کابینہ سے رجوع کیا۔ ان کی توقع کیمطابق ؤزیرؤں نے گلہ کیا کہ ان سے مشورہ نہیں لیا گیا۔ اس کے بعد کور کمانڈرؤں کی میٹنگ میں بھی اسی طرح کے خدشات کا اظہار کیا گیا۔ پرؤیز صاحب نے اپنا سارہ تجزیہ ان کے سامنے پیش کیا جس کی رؤ سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا اؤر تب تک تمام سوالات کے جوابات دیۓ جب تک سارے خدشات دؤر نہیں ہوگئے اؤر پھر سب

نے ان کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد 19 ستمبر کو پرؤیز صاحب نے ریڈیو اؤر ٹی ؤی پر قوم کے سامنے اپنا فیصلہ رکھا۔ ان کی توقع کے مطابق ردِ عمل محدؤد اؤر قابلِ کنٹرؤل تھا۔

اس کے بعد انھوں نے ہر قسم کے لوگوں سے ملنا شرؤع کیا۔ ستمبر 1 اؤر اکتوبر 3 کے درمیان پرؤیز صاحب سکالرؤں، چوٹی کے ایڈیٹرؤں، مشہور کالم نگارؤں، پرؤفیسرؤں، قبائلی سردارؤں، طالبعلموں اؤر مزدؤر یونینوں کے لیڈرؤں سے ملے۔ اکتوبر 1 کو پرؤیز صاحب ایک چائنیز ؤفد سے بھی ملے اؤر اپنے فیصلے پر ان سے بات چیت کی۔ اس کے بعد ؤہ سارے ملک میں فوج کی بیرکوں میں گئے اؤر فوجیوں کیساتھ تبادلہ ء خیال کیا۔ ہر ایک کو یہی خدشہ تھا کہ اگر افغانستان پر بمباری کی گئی تو بہت ساری مسلم جانیں ضائع ہوجائیں گی۔ پرؤیز صاحب نے بھی اس خدشے سے اتفاق کیا اؤر فیصلہ کیا کہ ؤہ سب سے پہلے ملاّ عمر سے مطالبہ کریں گے کہ ؤہ اسامہ بن لادن اؤر اس کے ساتھیوں کو نکال دیں۔ اس طرح افغانستان امریکہ کے حملے سے بچ سکے گا۔

اس طرح فیصلہ صرف دؤ آدمیوں کے ہاتھ میں تھا۔ ایک ملاّ عمر اؤر دؤسرا اسامہ بن لادن۔

عمر اؤر اسامہ - حصہ اؤل

کتاب کا باب اکیس ملا عمر اؤر اسامہ کے نام ہے جس میں پرؤیز صاحب نے ان دؤنوں کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا ہے اؤر ان کیساتھ مزاکرات کا حال بیان کیا ہے۔

آج ملاّ عمر اؤر اسامہ بن لادن دنیا میں دؤ بدنام ترین نام ہیں۔ دنیا کیلئے ؤہ دہشت گرد ہیں مگر انتہا پسندؤں کے ؤہ ہیرؤ ہیں۔ تقریباً سب کیلئے ؤہ ایک مسٹری ہیں۔ دنیا ملا عمر کے بارے میں کچھ نہیں جانتی مگر پرؤیز صاحب کی نظر میں ملا عمر اب بھی بچ جانے ؤالے طالبان کا لیڈر ہے۔ پانچ سال پہلے تک دنیا اسامہ بن لادن کو جانتی تھی مگر بعد میں ؤہ نظرؤں سے اؤجھل ہوگیا۔ پرؤیز صاحب دؤنوں آدمیوں کے بارے میں کچھ حقائق سے پردہ اٹھائیں گے اؤر کچھ ؤاقعات کی تصیح کریں گے۔

یہ مشہور ہے کہ شارٹ کٹ سے حاصل کردہ فوائد لمبے عرصے کیلئے دردِ سر بن جاتے ہیں۔ یہی کچھ رؤس کیخلاف جہاد کرنے ؤالوں کی حمائت کرنے ؤالوں کیساتھ ہوا جن میں امریکہ، پاکستان اؤر سعودی عرب بھی شامل تھے۔ ہم نے مجاہدین کو ہتھیار دیئے اؤر رؤس کیخلاف لڑایا اؤر جب رؤس شکست کھا گیا تو ہم نے یہ نہ سوچا کہ یہ جہادی بعد میں ہمارے لئے ؤبالِ جان بن جائیں گے۔ امریکہ نے بھی یہ نہ سوچا کہ پڑھا لکھا اؤر مالدار اسامہ بن لادن ایک دن اس کیخلاف کھڑا ہوجائے گا۔ امریکہ نے افغانستان کی تعمیر کی طرف توجہ نہ دی اؤر افغانیوں کو آپس میں لڑنے کیلئے چھوڑ دیا۔ امریکہ نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ افغانستان کی جنگ کی ؤجہ سے پاکستان میں ہیرؤئن اؤر کلاشنکوف کا کلچر پرؤان چڑھے گا اؤر پاکستان کو پریسلر ترمیم میں باندھ کر بے بس کردیا گیا۔

پرؤیز صاحب کا یقین ہے کہ اگر آپ لوگوں کو مزہب کے نام پر لڑائی کیلیئے تیار کرتے ہیں تو ہوسکتا ہے ؤہ لوگ آپ کو اپنے مقصد کیلیئے استعمال کررہے ہوں۔ یہی ؤجہ ہے کہ ملا عمر نے افغانستان میں حکومت پر کنٹرؤل حاصل کیا اؤر اسامہ نے امریکہ، پاکستان اؤر سعودی عرب کی مدد سے القائدہ تنظیم بنالی۔ ان حالات م یں یہ بتانا نا ممکن ہے کہ کس نے کس کو استعمال کیا۔

طالبان مدرسوں کے طلبا تھے مگر اب طالبان کا لیبل تبدیل ہوچکا ہے اؤر ؤہ ایک انتہاپسند تنظیم ہیں۔ ہم نے طالبان کی اسلئے امداد کی تاکہ ہماری سرحد شمالی اتحاد ؤالوں سے محفوظ رہے جنہیں ایران، رؤس اؤر بھارت امداد فراہم کررہے تھے۔ ہماری نیت خراب نہیں تھی اؤر نہ ہی ہمیں معلوم تھا کہ ایک دن ہماری مدد سے حکمران بننے ؤالے ہماری بات ماننے سے انکار کردیں گے۔

ملا عمر کندھار کے گاؤں مودا م یں پیدا ہوا۔ کہتے ہیں اس کی پیدائش 1959 میں ہوئی۔ اس کی چار بیویاں اؤر چار بچے ہیں۔

[یہاں پر بیویوں کا ذکر اس کو کٹر مزہبی دکھانے کیلیئے ضرؤری تھا۔ ملا عمر کا نقشہ کھینچتے ہوئے اس کی ہر اس برائی کو اچھالا گیا ہے جس سے ثابت ہو کہ ؤہ ایک مزہبی جنونی شخص تھا اؤر اس کی کسی خوبی کو بیان نہیں کیا گیا۔ ایک اچھا لکھاری اگر اپنے دشمن کے بارے میں بھی لکھتا ہے تو اس کی دؤچار خوبیاں ضرؤر بیان کردیتا ہے مگر اس کتاب میں طالبان کی کسی خوبی کا ذکر تک نہیں ملتا]۔

ملا عمر کی ایک آنکھ رؤسیوں کے خلاف لڑتے ہوئے ضائع ہوئی اؤر ملا عمر کو ہیرؤ ثابت کرنے کیلیئے یہ مشہور ہوا کہ ملا عمر نے اپنی آنکھ کو زخمی ہونے کے بعد چاقو کے زؤر سے نکال کر سی دیا لیکن دؤسرے کہتے ہیں کہ اس کی آنکھ کا ہسپتال میں آپریشن ہوا۔

رؤسی جب افغانستان 9 :19 میں خالی کرگئے تو قبائلی سرداروں نے آپس م یں لڑنا شرؤع کردیا۔ ایک دن کندھار سے باہر چیک پوسٹ پر محافظوں نے دؤلڑکوں کیساتھ زیادتی کی اؤر انہیں قتل کردیا۔ ملا عمر اپنے مدرسے کے چند شاگردؤں کیساتھ چیک پوسٹ پر گیا اؤر اس نے محافظوں کو سزا دی۔ اس کے بعد طالبان ایک محاذ کے طور پر اٹھے اؤر سارے افغانستان میں چھا گئے۔ پاکستان سے بھی صوبہ سرحد، بلوچستان اؤر کراچی شہر کے مدرسوں سے لوگوں نے ؤہاں جاکر طالبان کی مدد کی۔

ملا عمر کو اکتوبر 1994 م یں امیر چن لیا گیا۔ 1996 میں 1500 ارکان پر مجلسِ شوریٰ بنائی گئی اؤر ملا عمر کو امیر المومنین بنا دیا گیا۔ اس ؤقت تک طالبان افغانستان کے نوے فیصد علاقے پر قبضہ کرچکے تھے۔

طالبان کی آمد افغانستان کی لاقانونیت اؤر سابقہ کمانڈرؤں، جنگجوؤں اؤر بدمعاشوں کی غنڈہ گردی کا ردِ عمل تھا۔ بعد میں سیاسی فائدے کیلیئے بینظیر حکومت نے طالبان کی حمائت کردی۔ بینظیر کا ؤزیر داخلہ ریٹائرڈ میجر جنرل نصیر اللہ بابر انہیں اپنی اؤلاد کہا کرتا تھا جو بعد میں نافرمان نکلے۔ حقیقت یہ ہے کہ شرؤع م یں طالبان نے پاکستان سے نہ تو مدد مانگی اؤر نہ ہی مدد ل ی۔

[یہاں پر بینظیر کا نام لیکر خواہ مخواہ پی پی پی کو بدنام کرنے اوٗر سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری ہر حکومت نے طالبان کی حمائت کی اوٗر تب تک کی جب تک اوٗپر سے احکامات نہیں آگئے]۔

پرؤیز صاحب کو یقین ہے کہ امریکہ نے بھی پاکستان کی طرح طالبان کو شرؤع میں رد نہیں کیا اوٗر انہوں نے امید ظاہر کی کہ طالبان افغانستان میںمستقل امن لائیں گے۔ سعودی عرب اوٗر متحدہ عرب امارات کی حکومتوں اوٗر ان کے لوگوں نے بھی طالبان کی ہرطرح سے امداد کی۔ اسلیئے افغانستان میں جنگجوؤں کے درمیان صلح نہ ہونے کی ؤجہ سے یورپ اوٗر خصوصاً امریکہ نے طالبان کو تیسری قوت کے طور پر خوش آمدید کہا۔ جب بعد میں امریکہ طالبان سے مایوس ہوا تو اسکیلیئے طالبان کو چھوڑنا بہت آسان ہوگ یا۔

طالبان کی اکثریت پختون تھی اوٗر یہ پختون پاکستان کے صوبہ سرحد اوٗر بلوچستان میں بھی آباد تھے۔ دؤسری طرف شمالی اتحاد ؤالے تاجک، ازبک اوٗر ہزارہ قبائل پر مشتمل تھے جنہیں رؤس، ایران اوٗر ہندؤستان کی آش یرباد حاصل تھی۔ یہی ؤجہ ہے کہ پاکستان کی حکومت نے شمالی اتحاد کا ساتھ نہیں دیاکیونکہ اس سے علاقے میں انتشار پھیل سکتا تھا۔

پاکستان نے ملا عمر کو پہلے پاکستان کے دؤرے کی دعوت دی اوٗر پھراسے عمرے پر بھیجنے کی پیشکش کی مگر اس نے دؤنوں دفعہ انکار کردیا۔ ؤہ پاکستانی کمانڈرؤں سے تو ملتا رہا لیکن اس نے اپنے کمانڈرؤں سے ملنے نہیں دیا۔ طالبان کیساتھ پاکستان کے تعلقات خوشگوار نہیں رہے بلکہ خراب ہی تھے۔

[اس سچائی میں گڑبڑ ہے کہ شرؤع سے ہی پاکستان کے تعلقات طالبان کیساتھ خراب رہے۔ اگر یہ ؤجہ تھی تو پھر پاکستان نے طالبان کی مدد کیوں کی؟ کیا صرف شائد شمالی اتحاد سے بچاؤ کیلیئے۔ یہ ؤجہ یہاں جچی نہیں۔ ہوسکتا ہے پرؤیز صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہوں کہ طالبان شرؤع سے ہی خراب تھے]۔

آگے پرؤیز صاحب طالبان کی انسانی حقوق کی خلاف ؤرزیوں کی مثالیں دیتے ہیں۔ ؤہ پاکستانی فٹ بال ٹ یم کے سر منڈؤانے کی بات کرتے ہیں اوٗر ؤجہ یہ لکھتے ہیں کہ پاکستانی ٹ یم کچھے پہن کر کھیلی تھی۔

[ہمارے علم کیمطابق فٹ بال ٹیم کے سر اسلیئے نہیں منڈؤائے گئے کہ انہوں نے کھیل کے میدان میں کچھے پہنے تھے۔ بلکہ ؤہ کچھوں میں شہر میں پھرتے ہوئے پائے گئے تھے۔ ل ی کن اس کے باؤجود انہ یں قانون سے لاعلم ی ک ی ؤجہ سے چھوڑ دی نا چاہیئے تھا]۔

طالبان نے عورتوں کے گھرؤں سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی اوٗر لڑکیوں کو سکول بھیجنے سے بھی منع کر دیا۔

[طالبان نے عورتوں پا پابندی لگا کر اوٗر لڑکیوں کو سکول نہ جانے دے کر ؤاقعی ہی زیادتی کی۔ دراصل اسلام عورتوں کر پردے کا تو حکم دیتا ہے مگر انہیں باہر نکلنے اوٗر تعلیم حاصل کرنے سے نہیں رؤکتا۔ طالبان کا یہ عمل اسلامی نہیں بلکہ قبائلی رؤایات کی عکاسی کرتا ہے]۔

پرؤیز صاحب لکھتے ہیں کہ طالبان زانیوں کو سزا دینے اؤر اپنے دشمنوں کو قتل کرنے کی ؤجہ سے بدنام ہوچکے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایرانی قیدیوں کو شپنگ کنٹینیز میں بند کردیا تاکہ ؤہ بھوک اؤر دم گھٹنے سے مرجائیں اؤر آخر کار انہیں کلاشنکوفوں سے کنٹینٹنر کی دیوارؤں میں سے گولیاں مار کر ختم کردیا۔

[پرؤیز صاحب نے زانیوں کو سزا دینے کی طالبان کی عادت کو بھی برائی جانا ہے اؤر اپنے دشمنوں کر مارنا بھی غلط قرار دیا ہے۔ کیا زانی کو سزا دینا برائی ہے؟ پرؤیز صاحب نے خود اپنی حکومت کے کتنے ہی مخالفین کو اس طرح غائب کرنے کی عادت اپنا رکھی ہے کہ کئی کئی سال ان لوگوں کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ لگتا ہے بعد میں اتحادیوں نے بھی طالبان کیخلاف جنگ کے دؤران انہی کی تقلید کرتے ہوئے انہیں ٹرالوں میں بند کیا اؤر بناں کلاشنکوف کی فائرنگ کے اندر ہی دم گھٹ کر مار دیا]۔

پاکستانی حکومت کی پہلی سرکاری ملاقات ملا عمر کیساتھ اکتوبر 1994 میں سپن بولدک میں ہوئی۔ جس میں پاکستانی حکومت نے امدادی کارؤائیوں کیلئے اپنے قافلے کی نگرانی مانگی تھی مگر ملا عمر نے علاقے میں جاری لڑائی کی ؤجہ سے پہلے تو انکار کردیا مگر بعد میں حامی بھرلی۔ بعد میں ؤہ قافلہ اغوا ہو مگر طالبان نے اسے اغوا نہیں کیا۔

اسامہ بن لادن کے مئی 1996 میں جلال آباد آمد کے بعد ؤہ عرب جو رؤسی جنگ کے بعد ؤاپس چلے گئے تھے ؤاپس افغانستان لوٹنے لگے تاکہ اسامہ کے گرؤپ میں شامل ہوسکیں۔ انہوں نے طالبان کی حکومت کو بھی سپورٹ کیا۔ جلد ہی ازبک، بنگلہ دیشی، چیچن، چائنیز، اؤنگرز اؤر دؤسرے مسلمان جنوبی ہندؤستان، یورپ، امریکہ اؤر حتیٰ کہ آسٹریلیا سے طالبان کی مدد کیلئے افغانستان آنا شرؤع ہوگئے۔ الرشید ٹرسٹ جو پاکستان میں تھا طالبان کے سپورٹرؤں میں سے ایک تھا اؤر اس نے طالبان کو مالی امداد دی اؤر میڈیا کی مدد پہنچائی۔

ستمبر 19، :199 کو پاکستانی ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی نے سعودی پرنس ترکی الفیصل جو سعودی خفیہ ایجنسی کا سربراہ تھا اؤر اب امریکہ میں سفیر ہے کیساتھ ملا عمر سے کندھار میں ملاقات کی۔ یہ میٹنگ کینیا اؤر تنزانیہ میں امریکی ایمبیسیوں کی بمباری کے نتیجے میں ہوئی۔ شہزادے نے ملا عمر کو بتایا کہ اسامہ اس دہشتگردی میں ملوث ہے اؤر اس کیساتھ اسامہ کے مستقبل کے پلاٹوں کی معلومات بھی شیئر کیں اؤر اسے بتایا کہ اسامہ سعودی عرب میں امریکی ایمبیسی کو بھی نشانہ بنانا چاہتا تھا جسے ناکام بنا دیا گیا۔ تین ماہ پہلے جون :199 میں طالبان نے شہزادے سے پکا ؤعدہ کیا تھا کہ ؤہ اسامہ کو افغانستان سے نکال دیں گے اؤر سعودی عرب کے حوالے کردیں گے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ شہزادے نے ملا کو اسامہ کا یہ ؤعدہ بھی یاد دلایا کہ جب تک اسامہ افغانستان میں ہے ؤہ کسی دہشت گردی م ىں ملوث نہیں ہوگا۔ یہ ؤعدہ بھی اسامہ نے اس ؤقت توڑ دیا جب اس نے کھوست میں ایک پریس کانفرنس میں لوگوں کو دہشت گردی پر اکسایا۔ اسامہ سعودی عرب میں حکومت کیخلاف تحریک کا بھی رؤحِ رؤاں تھا۔ طالبان نے ابھی تک اسے سعودی عرب کے حوالے کرنے کا ؤعدہ پورا نہ ىں کیا تھا۔

[پرؤیز صاحب کی باتیں یکطرفہ ہیں اؤر جب تک دؤسرے گرؤپ کا نقطہ ء نظر سامنے نہ آئے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ کس نے ؤعدہ خلافی کی۔ طالبان کی پچھلی کارکردگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو یقین نہیں آتا کہ انہوں نے ؤعدہ خلافی کی ہو]۔

پاکستانی ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی نے ملا عمر کو یہ بھی بتایا کہ رؤسیوں کیخلاف جہاد کو پاکستان اؤر سعودی عرب دؤنوں نے سپورٹ کیا تھا۔ اس نے ملا عمر سے کہا کہ ؤہ اسامہ کو یا تو افغانستان سے نکال دے یا پھر اسے اس کے اپنے ملک کی حکومت کے حوالے کردے۔ اس نے ملا عمر کو اسامہ کے پاکستان میں تعلقات پر بھی اندیشے کا اظہار کیا اؤر کہا اگر اسامہ کو افغانستان سے نکال دیا جائے گا تو دؤسرے ممالک بھی طالبان کی حکومت کو تسلیم کرلینگے۔

ملا عمر نے دؤنوں صاحبان کو بتایا کہ اس نے شہزادے کیساتھ کوئی ایسا ؤعدہ نہیں کیا تھا اؤر شہزادے کو جھوٹا کہا۔ اس نے اپنی منطق گھڑی اؤر کہا کہ اسامہ کو اس ؤقت کوئی بھی ملک پناہ دینے کیلیئے تیار نہیں ہے اؤر اسے شمالی اتحاد ؤالوں سے بھی خطرہ ہے جنہیں ایران کی مدد حاصل ہے۔ اس نے شکائت کی کہ سعودی اس موقع پر اس کی مدد کرنے کی بجائے اس پر اسامہ کا بہانہ بنا کر دباؤ ڈال رہے ہیں۔

شہزادہ تب تک تو تحمل میں رہا لیکن پھر ؤہ اپنے ہواس کھو بیٹھا۔ اس نے ملا عمر پر انگلی تانی جو ملا عمر کو اپنے بیس سے زیادہ جانثارؤں کی موجودگی میں ناگوار گزرا۔ اچانک ملا عمر اٹھا اؤر غصے میں باہر چلا گیا۔ ایک گارڈ بھی اس کے پیچھے گیا۔ چند منٹوں کے بعد ملا عمر ؤاپس آیا تو اس کے سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا اؤر اس کی قمیض بازؤؤں سمیت گیلی ہورہی تھی۔ کہنے لگا کہ ؤہ دؤسرے کمرے میں اسلیئے گیا تاکہ اپنے سر پر ٹھنڈا پانی ڈال کر اپنے آپ کو ٹھنڈا کرسکے۔ اگر شہزادے تم میرے مہمان نہ ہوتے تو آج میں تمہیں عبرتناک سزا دیتا۔

ملا عمر نے اسامہ کا فیصلہ کرنے کیلیئے سعودی اؤر افغانی عالموں پر مشتمل ایک کونسل بنانے کی تجویز پیش کی۔ اس نے اسامہ کی طرح سعودی عرب میں امریکی فوج کی مخالفت کی اؤر کہا کہ سعودی عرب کو آزاد کرانے کیلیئے ساری مسلم امہ کو متحد ہوجانا چاہیئے۔ اس نے کہا پرانے سعودیوں کو اپنی عزت کا احساس تھا اؤر ؤہ کبھی بھی امریکی فوجوں کو سعودی عرب میں داخل نہ ہونے دیتے۔ اس نے سعودی عرب اؤر پاکستان پر اسامہ کے بحران میں بہت کم امداد کا الزام لگایا۔ اس نے کہا کہ اس نے اسامہ سے یہ لکھوا لیا تھا کہ ؤہ طالبان کی حکومت میں رہ کر کسی دہشتگردی میں ملوث نہیں ہوگا۔

[پرؤیز صاحب اسطرح کی امریکہ مخالف باتیں ملا کے منہ سے نکلوا کر یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ملا امریکہ کیخلاف تھا]۔

سعودی شہزادے کو مزید غصہ آگیا اؤر اس نے کہا کہ ملا سعودی عرب کے لوگوں، ان کے مزہبی عالموں اؤر شاہی خاندان کی بے عزتی کررہا ہے۔ ؤہ مزید بے عزتی برداشت نہیں کرے گا۔ اگر کبھی طالبان بری نیت سے سعودی میں داخل ہوئے تو ؤہ پہلا شخص ہوگا جو ان کیساتھ جنگ کرے گا۔

ملا عمر اپنے ساتھیوں کیساتھ گیلری میں کھڑا تھا اؤر اس نے پوچھا کیا ہوا؟ ڈائریکٹر نے بتایا کہ لگتا ہے شہزادہ مزید بات چیت جاری نہیں رکھنا چاہتا تھا اؤر ؤہ ایئرپورٹ چلا گیا ہے۔ لیکن ملا عمر کو ذرا بھر بھی ملال نہ ہوا کہ اس نے اپنے چند دؤستوں میں سے ایک اؤر کو اپنا دشمن بنا لیا ہے جو اسامہ کے بحران سے اسے نکالنے کی کوشش کررہے تھے۔

تم اس طرح کے آدمی کیساتھ کیسے مزاکرات کرسکتے ہو؟ وُہ برے حالات میں پھنس چکا تھا اُور ابھی تک پھنسا ہوا ہے اُور اس نے حقیقت سے پرؤہ پوشی کی۔ لیکن پاکستان پھر بھی طالبان سے ناطہ توڑ کر اپنی افغانستان کی ایمبیسی بند نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ خدا جانتا ہے کہ یہ موقع ہمیں طالبان نے ہماری ایمبیسی کو آگ لگا کر اُور ہمارے ایمبیسیڈر جو سٹریچر پر پاکستان ؤاپس آیا کو مارپیٹ کر فراہم کیا۔

عمر اُور اسامہ - حصہ دؤئم

طالبان نے سب سے برا اقدام بدھا کے دؤ بہت بڑے بت توڑ کر کیا جو صدیوں سے بامیان میں تھے۔ دنیا نے پاکستان سے درخواست کی کہ ؤہ طالبان سے کہے کہ ؤہ بت نہ توڑیں۔

پرؤیز صاحب کی نظر میں ساری دنیا نے طالبان کی حکومت کو تسلیم نہ کرکے بڑی غلطی کی۔ اگر طالبان کی حکومت کو تسلیم کرکے ساری دنیا نے کابل میں اپنے سفارتخانے کھولے ہوتے توآج ؤہ ان پر بت نہ توڑنے کیلئے مشترکہ دباؤ ڈال سکتے تھے۔

اس لئے یہ پاکستان پر چھوڑ دیا گیا کہ ؤہ طالبان سے مزاکرات کرے۔ جب ہم نے ساری دنیا کے نمائندے کے طور پر ملا عمر سے بات کرنے کی کوشش کی تو اس کا نقطہء نظر مختلف پایا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ خدا کا حکم ہے کہ بت توڑ دیئے جائیں۔ اسی لئے خدا نے بارش کے ذریعے بتوں کے نیچے بڑے بڑے سوراخ بنادیئے ہیں تاکہ ؤہاں پر ڈائنامائٹ آسانی سے نصب کئے جاسکیں۔ ملا عمر نے پاکستان کی کوئی قدر نہ کی اُور بتوں کو توڑ دیا۔

[ملا عمر نے بتوں کو توڑ کر اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی۔ اس نے بت اسلئے توڑے کہ اسلام میں بتوں کو شریک ٹھرایا گیا ہے اُور اسلامی تاریخ میں بتوں کو شرؤع سے ہی اچھا نہیں سمجھا گیا۔ اچھا ہوتا جو ملا عمر اسلام کے اس اصول کو بھی سامنے رکھتے جس میں دؤسرے مزاہب کی قدر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی ؤجہ ہے کہ جہاں جہاں مسلمانوں نے حکومت کی، ؤہاں دؤسرے مزاہب کی عبادت گاہوں کو نقصان نہیں پہنچایا]۔

اس عمل نے اسلام کو ایک بے رحم مزہب کے طور پر پیش کیا۔ ملا عمر نے اس مزہب کی بے ادبی کی جسے ؤہ عزیز سمجھتا تھا۔ یہ ہمارے لئے بہتر ہے کہ ہم ایسے اسلام کی نفی کریں جو بے رحم ہے اُور اسلام کو ایک ترقی پسند، جدید اُور لبرل کے رؤپ میں پیش کریں جو کہ صحیح اسلام ہے۔ لوگ کیوں اپنے قیمتی ؤقت سے چند لمحے نکال کر اسلام کی خوبیاں تلاش کرتے پھریں۔ لوگ تو اسلام کو اسی طرح جانیں گے جس طرح ؤہ اسے مسلمانوں میں پائیں گے۔

911 کے بعد پرؤیز صاحب کی نظر میں امریکہ کے ہاتھوں افغانستان اُور طالبان کو تباہی سے بچانے کیلئے ایک ہی راستہ تھا اُور ؤہ تھا اسامہ بن لادن اُور اس کے ساتھیوں کو کسی طرح افغانستان سے نکال باہر کرنا۔ پرؤیز صاحب کو سب سے بڑا خدشہ یہ تھا کہ امریکہ کے طالبان کیخلاف فوجی ایکشن کے پاکستان پر برے اثرات پڑیں گے۔ افغانستان کیلئے اسامہ کو اتحادیوں کے حوالے کرنے یا ملک بدر کرنے کا معاملہ بہت اہم تھا۔ پاکستان نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ کامیابی کے امکانات کم ہیں طالبان سے مزاکرات شرؤع کردیئے۔ امریکہ اُور دؤسری دنیا نے اس ؤقت ہمارے

افغانستان کیساتھ تعلقات کی اہمیت کو محسوس کیا اور پرویز صاحب کی پہلے سے سفارتی تعلقات بحال رکھنے کی حکمتِ عملی ٹھیک ثابت ہوئی۔ اگر کابل میں دوسرے ملکوں کے سفارتخانے بھی ہوتے اور وہ ملکر ملا عمر پر اسامہ کیخلاف دباؤ ڈالتے تو شائد کامیاب ہوجاتے۔

ملا عمر اور طالبان پر 911 کی دہشت گردی کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ملا عمر نے کہا کہ خدا نے امریکہ کو مسلمانوں کیساتھ بے انصافی برتنے پر سزا دی ہے۔ خدا ان کیساتھ تھا اور اسامہ ان کا ہیرو تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ملا عمر کیساتھ مزاکرات اتنے مشکل تھے کہ جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے دیوار کیساتھ سر پھوڑنا۔ اس وقت دو طرح کے متضاد خیالات پائے جاتے تھے۔ پرویز صاحب کے خیال میں ہر ایک کو جنگ وجدل سے بچنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔ ملا عمر سمجھتا تھا کہ مسلمان کیلئے جنگ میں موت اور تباہی ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔

دوسروں کی طرح جو موت کے بعد کی زندگی کو ابدی اور موجودہ زندگی کو ایک عارضی زندگی قرار دیتے ہیں طالبان اور القائدہ کی طرح کے مزہبی انتہا پسند موت اور وہ بھی شہادت کی موت کو جنت میں داخلے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لیکن مسلہ یہ ہے کہ عام جنگ اور مزہبی جنگ میں کیسے تفریق پیدا کی جائے۔ پرویز صاحب کہتے ہیں کہ اُن جیسے لوگوں کا سنہری اصول ہے کہ لیڈر کی سب سے پہلی ڈیوٹی اپنے ملک، اس کے عوام اور ان کی پراپرٹی کو بچانا ہونا چاہیئے۔ دوسری طرف ملا عمر جیسے لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیاوی مال اور جان سے زیادہ اپنے اصولوں اور روایات کو ترجیح دینی چاہیئے۔ ان روایات میں سے ایک یہ ہے کہ اس شخص کی حفاظت کرو جو تمہارا مہمان ہے۔ اسامہ اور اس کے لوگ ملا عمر اور طالبان کے مہمان تھے اور یہی سب سے بڑی مشکل تھی۔

[اس پیراگراف میں پرویز صاحب نے ایسا پیغام دینے کی کوشش کی ہے جو جنگل کے قانون کے مصداق ہے۔ یعنی اپنی جان بچاؤ چاہے اسکیلئے اپنا دین اور اصول سب کچھ قربان کرنا پڑ جائے۔ انہوں نے اپنا اور ملا عمر کا اس طرح موازنہ کیا ہے کہ ملا عمر ایک اصول پسند آدمی بن کر ابھرا ہے جس نے اپنے وعدے پر اپنی شہنشاہت قربان کردی اور پرویز صاحب نے اپنے وعدے کو توڑ کر اپنی وردی بچالی۔ کہیں کہیں اس باب میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پرویز صاحب نے اسلام کو ایک ناکام دین ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دی ہے۔ اب اللہ جانتا ہے کہ اس کے پیچھے ان کا کونسا مقصد کارفرما ہے]۔

جیسا کہ پرویز صاحب کا خیال تھا انہوں نے کوشش کی مگر وہ ملا عمر کو صدر بش کی اکتوبر 7، 2001 کی ڈیڈ لائن سے پہلے اسامہ کی ملک بدری کیلئے قائل نہ کرسکے۔ ہم نے اسے بتایا کہ تمہارا ملک تباہ ہوجائے گا مگر وہ نہ مانا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ امریکہ کو شکست دے دے گا۔ اس منطق کے پیچھے سب سے پہلے اسامہ بن لادن کی شہ تھی۔ لیکن اس کے علاوہ دوسرے ناسمجھ مزہبی علماء بھی تھے حتیٰ کہ پاکستانی مزہبی علماء بھی یہی سمجھتے تھے۔

[اس نقطہ ء نظر پر بحث کی گنجائش نہیں ہے امید ہے قارئین خود ہی سمجھ جائیں گے کہ پرویز صاحب کی اس منطق کے پیچھے کونسا پیغام چھپا ہوا ہے]۔

امریکہ نے اکتوبر 7، 2001 کو افغانستان پر لگاتار بمباری شروع کردی اور ساتھ ہی شمالی اتحاد نے طالبان پر زمینی حملہ کردیا۔ مختصر سی منصوبہ بند مزاحمت کے بعد طالبان نے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لے لی جہاں وہ گوریلہ جنگ کیلئے ماہر مانے جاتے ہیں۔ دسمبر کے پہلے ہفتے میں ملا عمر بھی ہنڈا موٹرسائیکل پر فرار ہوگیا۔ بعد میں ایک دفعہ جاپانی وزیر اعظم نے پرویز صاحب سے ملا عمر کے بارے میں پوچھا تو پرویز صاحب نے ازراہِ تفنن جواب دیا کہ ہنڈا موٹرسائیکل کیلئے بہترین اشتہار اس طرح بن سکتا ہے کہ ملا عمر کو ہنڈا پر بھاگتے ہوئے دکھایا جائے جس میں اس کی چادر اور لمبی داڑھی ہوا میں لہراتی جارہی ہو۔

[یہاں پر پرویز صاحب کو داڑھی کا مزاق نہیں اڑانا چاہیئے تھا کیونکہ داڑھی سنتِ رسول ہے۔ وہ ملا کا مزاق اڑاتے مگر اچھا ہوتا اگر اسلامی شعار کا مزاق اڑانے سے پرہیز کرتے]۔

تب سے ملا عمر کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ پرویز صاحب کو دو وجوہات کی بنا پر پکا یقین ہے کہ ملا عمر اپنے علاقے کندھار یا اس کے اردگرد روپوش ہے۔ ایک، جب ملا عمر نے کبھی پاکستان کا دورہ ہی نہیں کیا تو وہ کس طرح پاکستان میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھے گا۔ دوسرے، جنوبی افغانستان کے علاقے طالبان کے گڑھ رہے ہیں اور وہیں ملا عمر اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ افغان حکومت کا خیال ہے کہ ملا عمر کوئٹہ پاکستان میں رہ رہا ہے۔ یہ ایک بیہودہ خیال ہے۔ اگر وہ کوئٹہ میں رہ رہا ہوتا تو اب تک دوسرے طالبان کی طرح پکڑا جاچکا ہوتا۔ جونہی امریکہ اور شمالی اتحاد طالبان کو پیچھے دھکیلتے گئے ان میں سے بہت سارے بھاگ کر پاکستان آگئے جن کی وجہ سے بعد میں پاکستان کو مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔

چونکہ ملا عمر ابھی تک زندہ ہے اور آزاد ہے۔ پھر طالبان ابھی تک مکمل طور پر ختم نہیں کئے جاسکے۔ اسلئے کچھ کا ابھی تک یہی خیال ہے کہ ملا عمر ابھی تک امریکہ کو شکست دینے کیلئے طالبان کی کمانڈ کر رہا ہے۔ اس طرح سوچنا اس آدمی کیلئے آسان ہے جس کا پیٹ بھرا ہوا ہے اور جس کے پاس گھر اور فیملی ہو۔ مگر اگر کوئی کسی افغانی سے پوچھے کہ وہ اپنی فیملی، گھر اور اپنی ذات کا اپنی عزت کیساتھ موازنہ کرے تو پتہ ہے وہ کس چیز کو اولیت دے گا؟ افغانی عزت پر دوسری چیزوں کو ترجیح دے گا۔

[ہمیں نہیں لگتا کہ پرویز صاحب کی یہ منطق تمام افغانیوں پر صادق آتی ہو۔ اگر یہ بات سچ ہوتی تو اب تک دولت سے مالا مال اتحادیوں کے خلاف افغانی مزاحمت نہ کر رہے ہوتے اور اتحادیوں سے ڈالر وصول کرکے شاہانہ زندگی گزار رہے ہوتے۔ اگر پرویز صاحب کی بات سچ ہے تو پھر ابھی تک کارزائی کی حکومت کابل تک کیوں محدود ہے۔ ہم نے تو یہ سن رکھا ہے کہ افغانی جیسا بھی ہے اپنی زمین پر غیروں کا قبضہ پسند نہیں کرتا]۔

[اس باب میں پرویز صاحب نے ایک تو ایسا نقشہ کھینچا ہے جس سے دینِ اسلام کی تضحیک ہوتی نظر آتی ہے۔ دوسرے پرویز صاحب نے ملا عمر اور اسامہ کی مخالفت آنکھیں بند کرکے کی ہے اور اس مخالفت میں انہوں نے عزتِ نفس کو ایک حقیر شے جانا ہے اور دنیا کا مال و دولت اور اس عارضی زندگی کو آخرت کی ابدی زندگی پر ترجیح دی ہے۔ ہوسکتا ہے اسطرح انہوں نے مغرب کو اپنی روشن خیالی اور لبرل ازم سے متاثر کرنے کی کوشش کی ہو]۔

عمر اؤر اسامہ - حصہ سوئم

دؤسرا تورا بورا کے پہاڑؤں کا مشہور بھگوڑا صاف ظاہر ہے اسامہ بن لادن ہے۔ اگرچہ دنیا اسامہ کے ملا عمر کی بنسبت زیادہ جانتی ہے مگر یہاں پر لازمی ہے کہ اسامہ کے ماضی سے مزید پردہ اٹھایا جائے۔ رؤس کے افغانستان پر قبضہ کرنے کے بعد امریکہ اؤر اس کے اتحادیوں نے پاکستان کو مجبور کیا کہ ؤہ رؤس کیخلاف جہاد میں شریک مجاہدین کی مدد کیلیئے میدان میں کود پڑے۔ 2 :19 میں ایک فلسطینی ڈاکٹر عبداللہ عظام اؤر ایک اسلامی لیڈرؤں کے گرؤپ نے پشاؤر پاکستان میں مکتبہ الخدمت کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی۔ اسامہ عظام کا نائب تھا۔ یہ تنظیم مجاہدین کو ہرطرح کی مالی، افرادی اؤر دؤسری مدد فراہم کررہی تھی۔ زیادہ تر امداد سامہ بن لادن دے رہا تھا جس کا خاندان بہت امیر تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ خلا میں ظہور پزیر نہیں ہوا اؤر نہ ہی یہ کچھ عربوں کا ذاتی فعل تھا۔ امریکی سی آئی اے اؤر پاکستانی آئی ایس آئی ہمت افزائی کیساتھ ساتھ ان کی مدد بھی کررہی تھی۔

تاہم 0 :19 کے درمیان میں اسامہ کے اپنے لیڈر عظام سے اختلافات پیدا ہونا شرؤع ہوگئے۔ ؤہ صرف مالی مددگار نہیں رہنا چاہتا تھا بلکہ ؤہ مجاہد بن کر رؤسیوں کیخلاف جنگ میں حصہ لینا چاہتا تھا۔ اسامہ نے افغان مجاہدین میں شامل ہونے کی بجائے عربوں کا ایک الگ گرؤپ عرب بریگیڈ بنالیا۔ ؤہ سمجھتا تھا کہ افغانی حقیقت پسند ہیں جو جب شکست کا خطرہ محسوس کرتے ہیں تو میدانِ جنگ چھوڑ جاتے ہیں اؤر پھر اگلے دن دؤبارہ لڑنے کیلیئے آجاتے ہیں۔ اسامہ کے عربی مجاہدین یہاں پر اسلام کے نام پر لڑنے کیلیئے آئے تھے اؤر ؤہ بخوشی شہید ہونا چاہتے تھے۔ لیکن دؤسری طرف افغان اپنے گھرؤں کو ؤاپس لوٹنا چاہتے تھے جہاں ؤہ کھیتی باڑی کرسکیں، شادیوں اؤر جنازؤں میں شریک ہوسکیں مگر عربوں کے جانے کیلیئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ لیکن پرؤیز صاحب کا یقین ہے کہ اسامہ بن لادن اپنی ایک الگ پہچان بنانا چاہتا تھا جو افغان مجاہدین سے الگ اؤر اعلیٰ ہو۔

6 :19 میں اسامہ نے جاجی افغانستان میں رؤسی کمپنی کے نزدیک اپنا الگ کیمپ آباد کرلیا جوکہ پاکستانی سرحد سے دس میل کے فیصلے پر تھا۔ پؤیز صاحب کا یقین ہے کہ اسامہ نے اس کیمپ کا نام اپنے نام کی مناسبت سے مسادہ یعنی شیر کا علاقہ رکھا کیونکہ اسامہ کے معنی شیر ہیں۔ بہار 7 :19 میں اسامہ بن لادن نے رؤسیوں کیخلاف جاجی میں ایک انوکھا معرکہ لڑا جس کو سارے میڈیا نے کوریج دی اؤر اسے سراہا بھی۔ اسطرح اسامہ نے نام کمانے کا مزہ چکھا اؤر اسے پسند کیا۔ اس معرکے میں دؤ مصری مجاہدین ابو حفص اؤر ابوزبیدہ بھی اسامہ کیساتھ شامل تھے۔ اس دؤران اسامہ کی ایک مصری ڈاکٹر ایمن الظواہری کیساتھ دؤستی ہوگئی جو پشاؤر میں زخمی مجاہدین کا علاج کررہا تھا۔

القائدہ کا نام جس کا مطلب ہے "بنیاد" سب سے پہلے ڈاکٹر عبداللہ عظام نے اپریل : :19 میں ایک جریدے جہاد میں استعمال کیا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک ایسی تنظیم ہو جو مسلمانوں کو سوشل سرؤسز فراہم کرے اؤر یہ مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کا منبع ہو۔ اس کا القائدہ کو ملٹری کے لفظ کے طور پر استعمال کرنے کا قطعاً ارادہ نہیں تھا۔

عبداللہ عظام کے مطابق جہاد وُہ ہوتا ہے جو غیر ملکی قابضین کیخلاف مسلمانوں کے علاقے چھڑانے کیلیئے کیا جائے۔ لیکن اسامہ ان مسلمان حکومتوں کو بھی ختم کرنے کے حق میں تھا جنہیں وُہ غدار مانتا تھا۔ تاہم یہ مسلمانوں میں ایک اختلافی مسلہ بن سکتا تھا اوٗر عظام اس سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ یہی اختلاف ان میں علیحدگی کا سبب بنا۔ بعد میں اسامہ نے عظام کا چنا ہوا نام القاعدہ استعمال کرنا شروٗع کر دیا۔ ایک سال بعد نومبر 24، 9 :19 کو عبداللہ عظام کو قتل کر دیا گیا۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے قتل میں اسامہ کا ہاتھ تھا۔

[دل نہیں مانتا کہ اسامہ نے عظام کو قتل کیا ہو مگر جب اختلافات پیدا ہوجائیں تو کچھ بھی بعید نہیں ہوتا]۔

القاعدہ کے بننے کے نو سال بعد فروٗری :199 کو اسامہ نے ایک تنظیم اسلامک وٗرلڈ فرنٹ بنائی۔ اس کا مقصد فلسطین پر اسرائیلی قبضے کیخلاف مزاحمت کرنا تھا۔ دوٗسری طرف القاعدہ ایک بین الاقوامی انتہاپسند تنظیم ہے جس کے ممبران کا تعلق بہت سے ملکوں سے ہے مگر زیادہ تر مصری ہیں۔ یہ ایک عالمی طور پر جانی پہچانی تنظیم ہے اوٗر اس کے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں۔

1۔ موجودہ اسلامی تنظیموں کو کٹر مزہبی بنانا اوٗر جہاں پر نہیں ہیں وٗہاں قائم کرنا۔

2۔ دوٗسروٗں کو القاعدہ میں شامل کرنا

3۔ امریکی فوجوں کو مسلم ممالک سے باہر نکالنا

4۔ مشرق وٗسطیٰ میں امریکی اوٗر اسرائیلی مقاصد کیخلاف لڑنا

5۔ مسلمانوں کی آزادی کیلیئے ان کی ہر جگہ مدد کرنا

6۔ مسلمانوں کے تمام وٗسائل کو جہاد کیلیئے مختص کرنا

القاعدہ نے ایک مشاوٗرتی کونسل یعنی شوریٰ بنائی جس کے چار حصے ہیں ملٹری، میڈیا، خزانہ اوٗر مزہبی تعلقات۔ اس کی شاخیں یہ کہتے ہیں کہ چالیس ممالک بشمول امریکہ اوٗر کینیڈا میں متحرک ہیں۔ یہ بنیادی طور پر اپنی سرگرمیاں افغانستان، عراق، سعودی عرب، پاکستان، ترکی، جنوب مشرقی ایشیا، شمالی افریقہ، یورپ، امریکہ، برطانیہ اوٗر کینیڈا جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس کی سرگرمیاں منتشر ہیں اوٗر یہ اپنے تربیت یافتہ مجاہدین کو تب تک چھپائے رکھتی ہے جب تک کسی جگہ حملہ کرنے کا موقع نہ تلاش کر لے۔

آج القاعدہ بہت ساری ناکامیوں سے دوٗچار ہونے کے بعد جن میں زیادہ تر پاکستان میں ہوئیں اپنا نیا مرکز افریقہ کے مرکز میں مشرق سے مغرب تک پھیلا چکی ہے۔ چوٹی کے لیڈروٗں کے قتل یا گرفتاری کے بعد القاعدہ ایک نئی شکل اختیار کر رہی ہے۔ سوائے چوٹی کی لیڈرشپ کے اس کا ارتقا ایک نہ ختم ہونے وٗالا عمل ہے۔

پرؤیز صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے اسامہ کو ڈھونڈنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اب تک ؤہ ہم سے بچا ہوا ہے۔ اپنی گرفتاری سے بچنے کیلئے ؤہ برقی مواصلاتی ذرائع کی بجائے زمینی ذرائع استعمال کررہاہے جس کی ؤجہ سے اس کی کمیونیکیشن کی رفتار سست ہوچکی ہے۔ ہم اب تک اس کے کئی پیغامات پکڑنے م ي ں کامیاب ہوچکے ہیں۔

اسامہ کہاں چھپا ہوا ہے یہ ابھی تک سب کیلئے ایک راز بنا ہوا ہے اؤر ہم دؤسرؤں سے زیادہ اس راز کو پانے کرنے کیلئے بیتاب ہیں۔

رامزی بن الشیبح جسے بیسواں جائی جیکر مانا جاتا ہے کی پوچھ گچھ کے دؤران اسامہ کی رؤپوشی کی جگہ کے بارے میں کچھ اشارے ملے ہیں۔ رامزی تورا بورا کی بمباری سے بچ نکلا تھا اؤر بعد میں کراچی میں فائرنگ کے تبادلے کے بعد اپنے دؤ برمی ساتھیوں سید امین اؤر ابو بدر کیساتھ گرفتار ہوا۔ امین نے بتایاکہ ؤہ اسامہ سے نامعلوم جگہ پر جون 2002 میں ملا تھا۔

خالد شیخ محمد [کے ایس ایم] تیسرے نمبر کا لیڈر جو پشاؤر م ي ں گرفتار ہوا اسامہ سے ملاقات سے انکاری ہے لیکن اس نے بتایاکہ اسامہ زندہ ہے اؤر ٹھیک حالت میں ہے اؤر دؤنوں کا ایک دؤسرے سے رابطہ تھا۔ اس نے بتایاکہ آخری خط جو اسے اسامہ سے ملا ؤہ زمینی ذرائع سے آیا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایاکہ تورا بورا کی بمباری سے پہلے اسامہ جلال الدین حقانی، دؤ افغان محمد رحیم اؤر امین الحق اؤر ایرانی بلوچ احمد الکویتی کی مدد سے ؤزیرستان چلا گیا تھا۔ مارچ 4، 2003 م ي ں خالد کے خیال کیمطابق اسامہ کنڑ افغانستان میں تھا۔

ابو فراج ال لبی جس نے خالد کی جگہ لی نے مئی 2005 میں اپنی گرفتاری کے بعد بتایاکہ اس کا بھی اسامہ کیساتھ زمینی رابطہ تھا اؤر اس نے آخری خط اسامہ سے دسمبر 2004 کے ارد گرد ؤصول کیا تھا۔ اس ؤقت ہم تواتر سے چھٹی رساں کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔

پرؤیز صاحب لکھتے ہیں کہ جب ہم نے ؤزیرستان کے پہاڑؤں میں القاندہ کا مواصلاتی نیٹ ؤرک توڑا تو دریافت ہواکہ ان کا مواصلاتی نظام کافی مضبوط ہے۔ اس کی چار اقسام انتظامی، آپریشن، میڈیا کی مدد اؤر اعلیٰ کمانڈ ہیں۔ پہلے تین دؤطرفہ رابطے کے طور پر کام کرتے ہیں اؤر چوتھے میں القاندہ کی اعلیٰ کمانڈ یکطرفہ رابطہ پر عمل کرتی ہے اؤر یہ رابطہ صرف اؤپر سے نیچے کی طرف ہوتا ہے۔

پہلی قسم میں صرف خاندانوں کی حرکت اؤر ان کی منتقلی اؤر دؤسری انتظامی سرگرمیاں ہیں اؤر خاندانوں اؤر معاؤنت کرنے ؤالوں میں دؤطرفہ رابطہ ہے۔ افغانی اؤر پاکستانی ملکر یہ کام کرتے ہیں۔

آپریشن میں لوگ کاموں کی اطلاعات دیتے ہیں اؤر ان لوگوں کا انتخاب بڑی احتیاط سے کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ حفاظتی اقدامات کے طور پر کوڈ ؤرڈ اؤر کٹ آؤٹ استعمال کرتے ہیں اؤر یہ لوگ کافی تجربہ کار ہیں۔

میڈیا ؤالی قسم پرؤپیگنڈہ اؤر لوگوں کو قائل کرنے کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ یہ مواد سی ڈی، برؤشر اؤر ؤڈیو ؤغیرہ کی شکل میں الجزیرہ ٹی ؤی کو پہنچایا جاتا ہے۔

چوتھی قسم صرف القائدہ کی اعلیٰ کمانڈ استعمال کرتی ہے جوکہ کوشش کرتی ہے کہ لکھے ہوئے پیغامات نہ بھیجے جائیں سوائے ضرؤری کاموں کے مثلاً خالد اؤرلبی کے خطوط۔ اکثرالقائدہ کے لیڈر اپنے خاص اؤر تربیت یافتہ جانثارؤں کے ذریعے زبانی ایک دؤسرے کوپیغامات بھیجتے ہیں۔

یہ تھوڑے عرصے کی بات ہے جب اسامہ بن لادن پکڑا جائے گا۔ ؤہ پاکستانی قبائلی علاقوں میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اگر مجھے اندازہ لگانے کوکہا جائے تو میں کہوں گاکہ اسامہ افغانستان پاکستان کی سرحد کے آس پاس کہیں چھپا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کنڑ میں بہت سارے سعودی رہتے ہیں اؤر یہ ؤہ جگہ ہوسکتی ہے جہاں اسامہ چھپا ہوا ہو لیکن اس بات کو یقین سے نہیں کہا جاسکتا۔

میں مزاق سے کہہ چکا ہوں "میں شکر کرؤں گا کہ ؤہ پاکستانی فوج کے ہاتھوں پاکستان میں نہ پکڑا جائے"۔

[پویز صاحب کی اسامہ کے بارے میں رپورٹ مغرب کو تو یہ پیغام دیتی ہے کہ ؤہ کمر باندھ کر اسامہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں مگر دؤسری طرف ہوسکتا ہے اسلام کو بدنام کرنے کی دانستہ کوشش میں ؤہ عوام میں مقبولیت مزید کھو بیٹھیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے پرؤیز صاحب یہ سمجھتے ہوں کہ عوامی مقبولیت سے زیادہ بیرؤنی طاقتوں کی حمائت حکومت قائم رکھنے کیلئے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ اسی تگ ؤ دؤ میں پرؤیز صاحب کہیں کہیں ؤہ باتیں کہ گئے ہیں جوایک مسلمان کی حیثیت سے زیب نہیں دیتیں]۔

پاکستان دہشتگردی کی لپیٹ میں

امریکہ ہی صرف 911 کا شکار نہیں تھا بلکہ پاکستان پر اس کا اثر مختلف انداز سے ہوا لیکن اتنا ہی سنگین تھا اؤر ہم اس کے نتائج اب تک بھگت رہے ہیں۔ کسی اؤر ملک کو اتنی مختلف سمتوں سے، اتنے خطرات کا سامنا نہیں کرپڑا۔ ہم نے امریکہ کا ساتھ دیا اؤر دہشت گردی کی مخالفت م یں تمام مہزب دنیا کیساتھ ہیں۔ اس کے باؤجود ہمیں داخلی اؤر خارجی خطرات کا سامنا ہے۔ افغانستان ہمارا پڑؤسی ہے اؤر ہماری اس کیساتھ غیر محفوظ سرحد ہی مشترک نہیں بلکہ ہمارے اس کیساتھ دینی، نسلی اؤر قبائلی اشتراک کیساتھ ساتھ خاندانی رشتے بھی ہیں۔ بنیادی طور پر ہمارے بہت سارے قبائل افغانستان سے آئے اؤر انھوں نے بارڈر کے دؤنوں طرف آپس میں شادیاں بھی کی ہوئی ہیں۔ افغنانستان کی جنگ کے دؤران بہت سارے افغانی پناہ گزین پاکستان میں داخل ہوگئے۔ پچیس سال بعد بھی پاکستان میں چار ملین افغان پناہگزین پاکستان میں رہ رہے ہیں جوکہ دنیا میں سب سے زیادہ پناہ گزینوں کی تعداد ہے۔ رؤس کے افغانستان سے جانے اؤر امریکہ کو اسے اپنے حال پر چھوڑنے کے بعد ہمیں ان کی بنیادی ضرؤریات کا بوجھ اٹھانا پڑا۔

[طالبان کے دؤر میں امن قائم ہونے کے بعد مہاجرین کے ؤاپس جانے کا جو عمل شرؤع ہوا تھا ؤہ طالبان کی حکومت کے خاتمے کیساتھ ہی ختم ہوگیا۔ اب افغانستان میں ان لوگوں کی حکومت ہے جن کے مہاجرین پاکستان م یں رہ رہے ہیں مگر ہم میں اتنی ہمت نہیں کہ اب ان لاکھوں افغان مہاجرین کو ان کے ملک ؤاپس بھیج سکیں۔ ان مہاجرین نے اپنے پر اس قدر پھیلا لئے ہیں کہ اب کپڑے کا تقریباً سارا کارؤبار انھوں نے سنبھال رکھا ہے۔ سیکیورٹی کیلئے بھی زیادہ تر افغانی بھرتی کئے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے بڑے بڑے گھر ملک کے بڑے بڑے شہرؤں میں بنا

رکھے ہیں۔ بہت سوں نے تو پاکستانی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ تک بنوا لئے ہیں۔ سب سے نقصان والی بات یہ ہے کہ ان مہاجرین کی اکثریت ان پڑھ ہے۔ امریکہ کو دیکھیں وہاں غیر قانونی تارکینِ وطن کو باہر نکالنے کی باتیں اس لئے ہو رہی ہیں کہ امریکی لیڈروں کے بقول انھوں نے مقامی امریکیوں کے روزگار کا حق مار رکھا ہے۔ وہ ان کی میڈیکل کی سہولتیں استعمال کر رہے ہیں اور جرائم میں بھی ملوث ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ کبھی سوچا ہی نہیں کہ یہ مہاجرین ہماری معشیت پر کتنا بڑا بوجھ ہیں۔ ایک طرف تو ہم بہاریوں کو بنگلہ دیش سے اسلئے نہیں لا رہے کہ انہیں بسائیں گے کہاں اور دوسری افغانیوں کو سینکڑوں میل کے علاقے میں بسا رکھا ہے]۔

اس جنگ کا ایک اور محاذ پاکستانی عوام کی اپنی رائے تھی۔ گوکہ بہت سارے پاکستانیوں نے 911 مزمت کی مگر عوام کی اکثریت نے امریکہ کی جوابی کاروائی کو بھی اچھا نہیں سمجھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک مزہبی رہنما اور دوسرے پاکستانی عوام کا امریکہ کا پاکستان کو روس کی شکست کے بعد اکیلا چھوڑنے پر غصہ۔

اکیس سال پہلے ہمارے لئے یہ قدرتی امر تھا کہ ہم روس کیخلاف جہاد میں شامل ہوجائیں تاکہ ہم اس کی گرم پانیوں تک رسائی کو روک سکیں۔ 2001 میں یہ بھی ہمارے لئے قدرتی امر تھا کہ ہم دہشت گردی کیخلاف جنگ میں شامل ہوجائیں کیونکہ پاکستان فرقہ وارانہ اور بیرونی دہشت گردی کا شکار رہا تھا اور ہماری یہ بھی خواہش نہیں تھی کہ پاکستان میں طالبان کی طرز کا دور لوٹ آئے۔ دونوں حالات میں یہ ہمارے قومی مفاد میں تھا کہ جس طرح ہم روس کی موجودگی اپنے پڑوس میں برداشت نہیں کرسکتے تھے اسی طرح ہم اپنی گھریلو دہشت گردی اور انتہا پسندی بھی برداشت نہیں کرسکتے تھے جس کی وجہ سے انتہا پسند حکومت پر قبضہ کرکے پاکستان میں دقیانوسی اور متشدد اسلام نافذ کردیتے جوکہ اسلام کی غلط تشریح تھی۔

[دراصل نہ ہم اپنی مرضی سے روس کیخلاف جہاد میں شریک ہوئے اور نہ اپنی مرضی سے دہشت گردی کی جنگ میں۔ ہم تو وہ سوکھے پتے تھے جن کو جدھر ہوا نے چاہا اڑا دیا۔ اب ہم اس کی سو وجوہات بیان کریں ان کا کوئی فائدہ نہیں]۔

جب ہم نے اپنی ہمت سے دہشت گردی پر قابو پانا شروع کیا تو بین الاقوامی دہشت گرد تنظیموں نے پرویز صاحب کے سر کی قیمت مقرر کردی اور بیرونی دہشتگردی کا پاکستان میں آغاز کردیا۔

[اس کے بعد مشرف صاحب پاکستان میں ہونے والے دہشتگردی کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ ان واقعات میں وہ سب سے زیادہ اہمیت ڈینیل پرل کے اغوا اور شوکت عزیز پر قاتلانہ حملے کو دیتے ہیں۔ یہاںپر ہم ان واقعات کا حرف بہ حرف ترجمہ کرنے کی بجائے صرف خلاصہ پیش کرتے ہیں]۔

جنوری 23 اور 24، 2002 کو بین الاقوامی میڈیا کو ای میلز ملیں جن میں وال سٹریٹ جنرل کے صحافی ڈینیل پرل کے اغوا کے بارے میں بتایا گیا تھا۔ اسے اغوا کرنے والوں نے عجیب سے مطالبات پیش کئے تھے۔

1۔ گونٹانا موبے سے پاکستانی قیدیوں کی رہائی اور واپسی

2۔ امریکی افواج کی پاکستان سے فوری واپسی

3۔ پاکستان کو ایف سولہ کے جہازوں کی ڈیلوری جن کی قیمت پاکستان پہلے ہی ادا کر چکا تھا۔

4۔ پاکستان میںسابق افغان سفارتکار ملا حفیظ کی رہائی

اس ای میل میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ امریکی پاکستانی زمین پر کبھی بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں پائیں گے اور اگر ان کے مطالبات نہ مانے گئے تو اس طرح کے واقعات بار بار پیش آتے رہیں گے۔

قصہ مختصر یہ کہ اس ای میل کی مدد سے ڈینیل پرل کے قاتل پکڑے گئے مگر تب تک ڈینیل پرل کو قتل کیا جا چکا تھا۔ عمر شیخ اس اغوا کرنے والوں کا سرغنہ پایا گیا۔ یہ وہی عمر شیخ ہے جو برطانیہ کا شہری ہے اور وہ انڈیا مولانا اظہر کو رہا کروانے گیا مگر پکڑا گیا۔ وہ انڈیا میں تین برطانوی اور امریکن کو اغوا کے جرم میں پانچ سال سے قید تھا مگر جب انڈین ائرلائن کا طیارہ قندھار، افغانستان میں اغوا کیا گیا تو اس کی ڈیل میں ان دونوں کو چھوڑ دیا گیا۔ عمر شیخ نے کچھ کرائے کے لوگوں کیساتھ ملکر ڈینیل پرل کو اغوا کیا جو بعد میں عمر شیخ سے باغی ہو گئے اور انہوں نے اس کی مخالفت کے باوجود ڈینیل پرل کو قتل کر کے اس کی وڈیو ریلیز کر دی۔

پرویز صاحب کہتے ہیں کہ انہیں بعد میں معلوم ہوا کہ عمر شیخ نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کیوں کیا۔ ایک تو پولیس نے اس کے رشتہ داروں کو گرفتار کر لیا تھا اور دوسرے اسے یقین تھا کہ وہ اس مقدمے سے بری ہو جائے گا مگر دہشت گردی کی عدالت نے اسے اس کے ساتھیوں کیساتھ سزائے موت سنا دی۔ قتل کے کچھ ماہ بعد لشکرِ جھنگوی کے ایک کارکن نے تفتیش کے دوران ڈینیل پرل کے قتل میں ملوث ہونے کا اقرار کر لیا اور اس کی نشاندہی پر پرل کی لاش برآمد کر لی گئی۔ مگر وہ پرل کے قاتل کے بارے میں صرف اتنا جانتا تھا کہ وہ عربی لگتا تھا۔ تفتیش کے بعد یہ پتہ چلا کہ پرل کو قتل خالد شیخ محمد نے کیا تھا جس کا اس نے اقرار کر لیا۔ [سزائے موت پانے والے ابھی تک اپیلوں کے چکروں میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنی پھانسی کا انتظار کر رہے ہیں]۔

اس کے بعد پرویز صاحب اسلام آباد میں ایک چرچ پر گرینیڈز کے حملے کی دہشتگردی کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو مارچ 17، 2002 میں ہوا۔ اس چرچ میں بیرونی ممالک کے باشندے عبادت کرتے تھے۔ اس حملے میں چار افراد ہلاک اور چالیس زخمی ہوئے۔ حکومت نے کئی لوگوں کو گرفتار کیا مگر اصل قاتل اسلئے نہ پکڑے گئے کہ اصل مجرم اور دہشتگرد نے اپنے آپ کو بم سے اڑا لیا تھا۔

اس کے پانچ ماہ بعد مری میں ایک مشنری سکول پر حملہ کیا گیا۔ گارڈ نے حملہ آوروں کو روکنے کی کوشش کی مگر انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ فائرنگ کی آواز سے سکول کی انتظامیہ چوکنی ہو گئی اور انہوں نے سکول کے دروازے کھڑکیاں بند کر دیئے۔ دہشتگرد اس کے بعد جنگل میں روپوش ہو گئے۔

پولیس سٹیشن اور آرمی کا کمیپ اس سکول کے پاس ہی تھا۔ آرمی نے شکاری کتوں کی مدد سے دہشت گردوں کو جنگل میں ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ ایک دیہاتی جو سابقہ جونیئر آرمی آفیسر تھا نے تینوں دہشتگردوں کو ایک مقام پر گھیر لیا مگر انہوں نے اپنے آپ کو بموں سے اڑا لیا۔ دو کی لاشیں دریا میں گر گئیں جبکہ صرف ایک لاش ملی مگر اس دہشتگردی کے اصل مجرمان کا پتہ نہ چل سکا۔

اس کے چار دن بعد دہشتگردوں نے ٹیکسلہ کے کرسچین ہسپتال کے ایک چرچ پر حملہ کر دیا۔ لوگ عبادت کر کے باہر آ رہے تھے کہ تین آدمی گراؤنڈ میں داخل ہوئے اور انہوں نے لوگوں پر گرینیڈ پھینکے۔ ایک آدمی اور چار عورتیں ہلاک ہوئیں اور بیس زخمی ہوئے۔ دہشتگرد بھاگ گئے مگر بعد میں پولیس نے ایک دہشتگرد کی لاش گیٹ کے پاس دیکھی جو اپنے گرینیڈ سے ہلاک ہوا تھا۔ لاش کی جیب سے اس کے شناختی کارڈ کی کاپی ملی جس کی مدد سے اس کے دوسرے دو ساتھی بھی گرفتار کر لئے گئے۔ پہلی دفعہ دہشتگردوں کو گرفتار کرنے کا موقع ملا۔ انہی کی مدد سے ان حملوں کے سرغنہ سیف الرحمن سیفی کا پتہ چلا جس نے انہیں گرینیڈ اور دوسرے ہتھیار فراہم کئے تھے۔

سیفی نے دورانِ تفتیش بتایا کہ ان حملوں کی وجہ افغانستان پر امریکہ کا حملہ اور مسلمانوں پر افغانستان، کشمیر اور فلسطین پر ظلم کا بدلہ تھا۔ سیفی کو اس کا پتہ نہیں تھا کہ ان حملوں کے پیچھے کسی اور کے محرکات تھے۔ دراصل سیفی نے افغانستان میں مولانا اظہر کے کیمپ سے ٹریننگ لی تھی۔ جب اس جعلی ملا کو ہم نے گرفتار کیا تو اسے یہ ڈر تھا کہ ہم کہیں اسے دوبارہ انڈیا کے حوالے نہ کر دیں۔ اس لئے اس نے حکومت کو اپنی طاقت دکھانے کیلئے حملوں کا منصوبہ بنایا۔ بعد میں جب اسے یقین ہو گیا کہ ہم اسے انڈیا کے حوالے نہیں کریں گے تو اس نے حملے نہ کرنے کا حکم دیا مگر نزیر جو کہ استاد سے بھی زیادہ بدلے کی آگ میں جل رہا تھا نے حملے روکنے سے انکار کر دیا۔ اس اوسامہ نزیر کو بعد میں فیصل آباد سے گرفتار کر لیا گیا۔

2002 میں ایک اور حملہ پاکستان نیوی کی بس پر ہوا جو شیرٹن ہوٹل سے باہر نکل رہی تھی۔ خودکش حملہ آور نے اپنی کار ان کی بس سے ٹکرا دی۔ اس بس میں فرانسیسی انجینئر سفر کر رہے تھے جن میں سے گیارہ ہلاک ہو گئے۔ دو پاکستانی بھی اس حملے میں شہید ہوئے۔ زخمیوں کی تعداد چوبیس تھی۔ نیوزی لینڈ کی کرکٹ ٹیم اس ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی اور تھوڑی ہی دیر میں میچ کھیلنے کیلئے روانہ ہونے والی تھی۔ کھلاڑیوں پر اس دہشتگردی اتنا برا اثر ہوا کہ وہ دورہ ادھورا چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ جو کار حملے میں استعمال ہوئی وہ چند روز قبل ایک شوروم سے خریدی گئی تھی۔ سیلزمین کی مدد سے دہشتگرد کا خاکہ بنایا گیا مگر مجرم نہ پکڑے جا سکے۔ اس واردات میں بریک تھرو تب ملا جب پولیس کی حراست میں ایک دہشتگرد نے بتایا کہ شارب نامی لڑکا یہ حملہ کرنا چاہتا تھا۔ شارب نے دورانِ تفتیش اس حملے میں ملوث ہونے سے انکار کیا مگر اس نے بتایا کہ وہ اصل مجرموں کو جانتا ہے اور وہ تھے حرکت المجاہدین کے آصف ظہیر اور سہیل اختر۔ وہ دونوں گرفتار ہوئے اور بعد میں انہیں موت کی سزا سنا دی گئی۔

اس سے پہلے کہ پرویز صاحب اگلے دو واقعات کا ذکر کریں وہ لکھتے ہیں۔ "مجھے ان تمام وحشیانہ حرکتوں پر ان لوگوں پر سخت غم و غصہ تھا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور عیسائیوں اور غیر ملکیوں پر بلا وجہ حملے کرتے تھے اور طیش تھا کہ اپنی خبیث حرکتوں کی وجہ سے یہ دہشت گرد ہمارے مزہب کو بدنام کر رہے ہیں، جو سکھاتا ہے کہ عیسائی بھی اہلِ کتاب ہیں اور یہ کہ خدا کی راہ میں جنگ کرتے ہوئے ہمیں بصیرت کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور جنہوں نے ہمیں کوئی ضرر نہ پہنچائی ہو ان سے جنگ نہ کریں اور یہ کہ قتل اور خودکشی گناہِ کبیرہ ہیں"۔

اس کے بعد پہلے کراچی کے کورکمانڈر لیفٹیننٹ جنرل احسن سلیم حیات جو آج کل وائس چیف آف سٹاف ہیں پر دہشتگرد حملے کا ذکر ہے۔ جنرل کی کار کراچی کے اس پل سے گزر رہی تھی جو کلفٹن کو کراچی سے ملاتا ہے کہ دہشتگردوں نے ان پر گولیاں چلا دیں۔ جنرل صاحب کا ڈرائیور اور سات باڈی گارڈ ہلاک ہوگئے مگر ڈرائیور کا پاؤں گاڑی کے سٹیئرنگ پر رہا جس کی وجہ سے گاڑی چلتی رہی۔ بعد میں جنرل کے اے ڈی سی نے گاڑی پر قابو پالیا۔ دہشتگردوں نے دھماکہ خیز مواد سڑک پر بچھا رکھا تھا مگر موبائل فون کے ناکارہ ہونے کی وجہ سے وہ پھٹ نہ سکا۔ اس موبائل فون کے ذریعے دہشتگردوں کا سراغ لگا لیا گیا۔ اس حملے کا سرغنہ جو اس واردات سے انکاری تھا اپنی ماں کے کہنے پر جرم قبول کرنے پر راضی ہوا۔

30 جولائی 2004 کو شوکت عزیز پر خودکش حملہ آور نے اس وقت حملہ کیا جب انہوں نے راولپنڈی سے ایک گھنٹے کی مسافت پر ایک جلسے سے خطاب کیا۔ شوکت صاحب جو پرویز صاحب کی دی ہوئی بکتربند گاڑی میں سوار تھے اس حملے میں بچ گئے۔ ایک ٹی وی کیمرہ مین اپنا وڈیو کیمرہ وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کیمرے کا رخ حادثے کی طرف ہونے کی وجہ سے سارا حادثہ ریکارڈ ہوگیا۔ اس حادثے میں گاڑی کا ڈرائیور ہلاک ہوا۔ اس حملے میں خودکش حملہ آور کا ایک اور ساتھی بھی تھا جس کو بعد میں حملہ کرنے کی شائد جرأت نہ ہوئی لیکن وہ بعد میں پکڑا نہیں گیا۔ بعد میں تحقیقات سے پتہ چلا کہ حملہ آور ایک پاکستانی عرفان تھا اور اس حملے کا سرغنہ جیشِ محمد کا امتیاز احمد تھا۔

پرویز صاحب اس حملے کے بعد شوکت عزیز صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "شوکت عزیز پر ہونے والے حملے کے دوران اور اس کے بعد میں ان کے رویے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ شوکت عزیز کو ایک پاکستانی جنرل کی طرح گولیوں اور بموں کا سامنا کرنے کی تربیت نہیں ملی بلکہ وہ تو پاکستان آنے سے پہلے نیویارک کے دھاری دارسوٹ پہننے والے بینکر تھے۔ لیکن انہوں نے انتہائی اعتماد اور ضبطِ نفس کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے ان کے بارے میں میری رائے جو پہلے ہی بہت اچھی تھی اور زیادہ مثبت ہوگئی"۔

پرویز صاحب دھماکے میں بچ جانے پر شوکت عزیز صاحب کو اپنے کلب کا رکن مانتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ہمارے کلب کی رکنیت اب بھی دو پر محدود ہے اور امید کرتے ہیں کہ اس کے مزید رکن نہیں بنیں گے۔

[ان دہشتگردی کے واقعات کو سنانے کا مطلب یہی ہے کہ دنیا کو باور کرایا جائے کہ پاکستان نے بھی دہشتگردی کی جنگ میں اپنی وقعت سے بڑھ کر قربانیاں دی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اتحادی ان قربانیوں کی لاج رکھتے ہیں یا پھر پہلے کی طرح دوبارہ بھول جاتے ہیں]۔

تعاقب

911 کے فوراً بعد جب القاعدہ کے بہت سے کارکن افغانستان سے بھاگ کر اور سرحد پار کرکے پاکستان میں آئے، تب سے ہم ان کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اسامہ بن لادن ہے، جو اس کتاب کے لکھنے کے وقت تک آزاد ہے لیکن ہم نے دوسرے بہت سے کارکن پکڑے ہیں۔ ان میں سے کچھ دنیا بھر میں مشہور ہیں اور کچھ گمنام ہیں۔ ہم نے کل 9 :6 افراد پکڑے ہیں جن میں سے 369 کو امریکہ کے حوالے کیا۔ ہم اب تک ان لوگوں کی کل کروڑوں ڈالر قیمت وصول کر چکے ہیں۔ ان لوگوں کو جو اپنی خامیاں اور ناکامیاں

چھپانے کے لئے ہم پر جانبدارانہ طریقے سے اوٗر عادتاً یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم دہشتگردی کے خلاف کافی کام نہیں کر رہے، سی آئی اے سے صرف یہ پوچھنا چاہئے کہ وٗہ پاکستانی حکومت کو کتنی رقم انعام میں اب تک دے چکے ہیں۔

[اردوٗ وٗالی کتاب سے یہ فقرہ "ہم اب تک ان لوگوں کی کل کروڑوٗں ڈالر قیمت وٗصول کر چکے ہیں" جان بوجھ کر حزف کر دیا گیا ہے۔ تاکہ لوگوں کو یہ شک پیدا نہ ہو کہ پروٗیز صاحب نے 369 افراد صرف قیمت وٗصول کرنے کیلیئے امریکہ کے حوالے کئے۔ اچھا ہوتا اگر پروٗیز صاحب ان افراد کے عوض ملنے وٗالے کروڑوٗں ڈالروٗں کے استعمال کی بابت بھی بتا دیتے یعنی یہ رقم بعد میں کہاں گئی اوٗر کیسے خرچ کی گئی]۔

اب یہاں پر پروٗیز صاحب ان لوگوں میں سے چند کی گرفتاری کی روٗداد سناتے ہیں۔ سب سے پہلے وٗہ ابوزبیدہ جو فلسطینی تھا اوٗر جس پر 911 کے حملوں کی منصوبہ بندی کا الزام تھا کے بارے میں بتاتے ہیں کہ وٗہ کیسے گرفتار ہوا۔ سی آئی اے نے اس کی گرفتاری پر پانچ ملین ڈالر کا انعام رکھا ہوا تھا۔ عام گرفتار کارکنوں کی نشاندہی پر تیرہ جگہوں پر یکدم چھاپے مار کر ابوزبیدہ کو اس کے ستائیس ساتھیوں سمیت گرفتار کیا گیا اوٗر پھر 30 مارچ 2002 کو اسے امریکہ کے حوالے کر دیا گیا۔

یہاں پر پروٗیز صاحب اس بات کی بھی صفائی پیش کرتے ہیں کہ دہشتگردی میں ملوث اوٗر ناپسندیدہ غیرملکیوں کو امریکہ کے حوالے کیوں کیا گیا۔ وٗہ لکھتے ہیں کہ جب ان غیرملکیوں کا ملک انہیں وٗاپس لینے سے انکار کر دیتا ہے اوٗر وٗہ امریکہ کو مطلوب ہوتے ہیں تو انہیں امریکہ کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

[یہاں پر پروٗیز صاحب نے پاکستانی قانون کی بات نہیں کی اوٗر یہ نہیں بتایا کہ پاکستانی قانون اس بارے م ي ں کیا کہتا ہے۔ دوٗسرے ابوزبیدہ کے بدلے جو پانچ ملین ڈالر ملے وٗہ کہاں گئے؟]۔

اس کے بعد خالد شیخ محمد کی گرفتاری بیان کی گئی ہے۔ خالد کا نام ایف بی آئی کی لسٹ پر نمایاں تھا۔ وٗہ کویت میں پیدا ہوا اوٗر ایران کا شہری تھا۔ اس نے امریکہ سے ذراعت میں تعلیم حاصل کی اوٗر وٗہ ایک دہشتگرد تنظیم افغان الوینائی کا رکن بھی تھا۔ رمزے یوسف اس کا بھتیجا تھا اوٗر دوٗنوں چچا بھتیجے نے ملکر کئی دہشتگردی کے منصوبے بنائے مگر یوسف کی گرفتاری کے بعد وٗہ دھرے کے دھرے رہ گئے۔

خالد کی پہلے اپنی ایک تنظیم تھی مگر بعد میں وٗہ کئی کوششوں کے بعد القاعدہ میں شامل ہوگیا اوٗر اپنے خاندان کو قطر سے قندھار لے آیا۔ 911 کا منصوبہ اسامہ، عاطف اوٗر اس کے درمیان ہی خفیہ رکھا گیا تھا۔ ملا عمر کو امریکہ کی سرزمین پر دہشتگردی کے منصوبے کا علم ہوگیا تھا اوٗر کہتے ہیں کہ وٗہ اس سے خوش نہیں تھا لیکن غالباً وٗہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔

محمد عاطف اوٗر اسامہ بن لادن نے نائن الیون کی کاروٗائی کے لئے کارکنوں کے ناموں کی ایک فہرست بنائی اوٗر کے ایس ایم سے ان میں سے مناسب ترین کارکنوں کا انتخاب کرنے کے لئے کہا۔ القاعدہ کی مجلس شوریٰ نے اگست 2001 میں منصوبے کی منظوری دے دی۔ تمام اہم

کارکنوں کو مع محمد عاطف، نواف الحزنی اور خالدالمہدر تربیت دی گئی اور کے ایس ایم نے انہیں امریکہ روانہ کر دیا۔ دو افراد مصطفی احمد اوساوی اور عمار البلوچی [کے ایس ایم کا ایک اور بھتیجا] کو رقم اور اغوا کنندگان کو مہم کے لئے ضرورت کی چیزیں فراہم کیں۔

اس فیصلہ کن دن کے ایس ایم اور اس کے چار دہشتگرد ساتھیوں، رمزی بن الشبہ، مصطفیٰ احمد ہوساوی، عمار البلوچی اور جعفر الطیار نے کراچی کے ایک انٹرنیٹ کیفے میں بیٹھ کر ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر پہلے حملے کو دیکھا۔ پھر وہ فوراً ایک خفیہ جائے پناہ میں چلے گے، جہاں انہوں نے اپنے تباہ کن منصوبے کا بقیہ حصہ دیکھا۔ کے ایس ایم کہتا ہے کہ جب اس نے دونوں برجوں کو گرتے ہوئے دیکھا تو اپنی کارگزاری پر بہت متعجب ہوا۔ 21 اور 22 ستمبر 2001 کو اسامہ بن لادن نے کے ایس ایم کو افغانستان واپس بلا لیا حالانکہ وہ وہیں رہنا چاہتا تھا، جہاں اس وقت تھا۔ اغوا اور خود کش واقعات کے تجزیے کے بعد وہ دونوں افغانستان کے دفاع اور اپنے خاندانوں کی پاکستان منتقلی کے انتظامات میں مصروف ہوگئے۔

[اگر یہ سب سچ ہے اور کے ایس ایم اپنے جرم کا اقرار کرچکا ہے تو پھر ابھی تک اس پر مقسمہ کیوں نہیں چلایا گیا؟ اب تو سنا ہے کہ تفتیش کے بعد اسے گٹمو منتقل کر دیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے اس پر مقدمہ چلانے سے سکیورٹی رسک کا خطرہ ہو]۔

ایک مخبر کی اطلاع پر راولپنڈی میں کے ایس ایم کو اس کے ایک ساتھی مصطفیٰ الاوساوی کیساتھ گرفتار کرلیا گیا۔ کے ایس ایم کو گرفتار کرتے ہوئے اس نے گولی چلا دی جس سے ایک افسر بھی زخمی ہوا مگر بعد میں دونوں پر قابو پالیا گیا۔ تین دن اسے اپنی تحویل میں رکھ کر تفتیش کی اور ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد اس کو بھی امریکہ کے حوالے کر دیا گیا۔

[اخبار کہتے ہیں کہ جب کے ایس ایم کو گرفتار کرنے کیلیئے دھاوا بولا گیا تو کئی امریکی بھی پاکستانی افسروں کی رہنمائی کررہے تھے مگر پرویز صاحب نے اس کا ذکر نہیں کیا]۔

آگے چل کر پرویز صاحب ایک اور گرفتاری کا حال اسلیئے بیان کرتے ہیں تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ پاکستان نے ان غیر ملکی دہشتگردوں کو گرفتار کرکے کتنی معلومات حاصل کیں اور دہشتگردوں کی خواہشات اور منصوبوں سے بھی پردہ اٹھایا۔

یہ ایک کراچی میں پیدا ہونے والا پاکستانی ہے جس نے کمپیوٹر انجنیئرنگ میں ڈگری حاصل کی اور اسے کے ایس ایم نے مارچ 2002 میں بھرتی کیا تھا۔ اگست 2003 میں اسے پاکستان کے قبائلی علاقے وانا کے مقام پر حمزہ رابعہ، حمزہ الجوفی، ابوفراج اللبی اور ابوحاوی العراقی سے ملنے کیلیئے بھیجا گیا۔ اس نے 2001 میں افغانستان میں کاراباغ کے محاذ پر جنگ میں بھی حصہ لیا اور اس کے سر پر پانچ ملین ڈالر کا انعام تھا۔ دسمبر 2003 کے بعد وہ لاہور میں القاعدہ کے انفارمیشن ٹیکنالوجی کے شعبے کے نگران کی حیثیت سے قیام پزیر ہوا جس کی سربراہی خالد شیخ محمد کی گرفتاری کے بعد حمزہ ربیعہ نے سنبھالی تھی۔ وہ انگلینڈ میں قائم ایک گروپ کا بھی رکن تھا اور القاعدہ کی ذرائع ابلاغ سے متعلق کمیٹی کی مدد کرتا تھا۔

القاعدہ کے دؤاعلیٰ کارکنوں عمار البلوچی اؤر خلاد بن اتاش کی گرفتاری کے بعد یہ شخص کراچی میں دہشتگرد تنظیم کا مرکزی نگران بن گیا۔ 2004 کے امریکی صدارتی انتخابات سے قبل دنیا بھر میں امریکی مفادات کو نقصان پہنچانے کی القاعدہ کی خواہش کی تکمیل کیلئے بارہ افراد پر مشتمل خودکش دستے کو تربیت دینے کیلئے اسے سب سے موزؤں آدمی سمجھا گیا اؤر اس نے یہ کام شکائی صوبہ سرحد میں انجام دیا اؤر اس کے بعد انہیں کراچی بھیج دیا گیا۔ اس دؤران ؤہ القاعدہ کی اعلیٰ قیادت مع کے ایس ایم، حمزہ ربیعہ، فراج اللبی، ہادی العراقی، حمزہ الجوفی۔ حنبلی گن گن [حنبلی کا بھائی] اؤر ابو مصعب البلوچی [کے ایس ایم کا ایک اؤر بھتیجا اؤر رمزی یوسف کا بھائی] کے ساتھ رابطے میں رہا۔

یہ بات قابلِ فہم ہے کہ ہمارے امریکی دؤست اس کی سرگرمیاں ختم کرنے کے بہت خواہش مند تھے۔ ؤہ اس کا پیچھا کر رہے تھے اؤر انہوں نے ہمیں اس کے اتے پتے کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ ان معلومات کی بنا پر ہمارے ایک خفیہ ادارے نے اس کا سراغ لگایا اؤر 21 جولائی 2004 کو اسے لاہور سے گرفتار کرلیا۔ اس کے پاس اؤر اس کے کمپیوٹر میں معلومات کا خزانہ تھا۔

اس کی گرفتاری کے بعد پتہ چلا کہ کے ایس ایم لندن ہیتھرؤ ہوائی اڈے، لندن کے زیر زمین ریلوے اؤر بہت سی دؤسری بلڈنگوں پر بھی دہشتگرد حملے کرنا چاہتا تھا اؤر اس کی منصوبہ بندی اس پاکستانی کو سونپی تھی۔ اس کے کمپیوٹر میں جمع معلومات نہ صرف برطانوی حکام کو فراہم کیں بلکہ کمپیوٹر کے مالک سے بھی انہیں ملوایا۔ بعد میں اس سے صدیق خان اؤر شہزاد تنویر سے تعلق کا بھی انکشاف ہوا جو 7 جولائی 2005 کو جسے اب 7/7 کہتے ہیں کے خودکش حملوں میں حصہ لینا چاہتے تھے۔ صدیق اؤر تنویر کے بارے میں یہ تمام معلومات :2 جولائی 2005 یعنی لندن پر حملوں کے اکیس دن بعد تک ہمیں فراہم نہیں کی گئی تھیں۔ حالانکہ صدیق اؤر تنویر کی پہلی نشاندہی سترہ مہینے قبل ہوئی تھی۔

لندن کی زیر زمین ریلوے کی کارؤائی سے پہلے القاعدہ نے چیک ریپبلک، سلوؤاک ریپبلک، کرؤشیا، پولینڈ، رؤمانیہ اؤر مالٹا کے ہوائی جہازؤں اؤر ان کی قومی ہوائی کمپنیوں کو ہیتھرؤ پر حملہ کرنے کیلئے استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، کیونکہ ان ہوائی اڈؤں پر اؤر ان کے ہوائی جہازؤں پر حفاظتی انتظامات ڈھیلے تھے۔ ان حملوں کیلئے سکیورٹی کی بنا پر عربوں کی بجائے بوسنیا اؤر افغانی باشندے استعمال کرنے کا پلان بنایا گیا۔ انہوں نے سعودی عرب میں القاعدہ کے نگران حاظم الشاعر [جو سعودی عرب میں 2004 میں ہلاک ہوگیا] س اغوا شدہ ہوائی جہازؤں کو چلانے کیلئے ہوابازؤں کی بھرتی کرنے کیلئے کہا اؤر اگر یہ ممکن نہ ہو تو ؤہ طالب علموں کو ہوابازی کے سکولوں میں بھیجے۔ ایسی پرؤازؤں کا انتخاب کیا جائے جو ایک ہی ؤقت پر ہیتھرؤ ہوائی اڈے پر اترتی ہوں۔ ہائی جیکرز کو کارؤائی کرنے کا اشارہ، ہوائی جہاز کے زمین پر اترنے سے پہلے اپنی حفاظتی پیٹیاں باندھنے کی علامت کے رؤشن ہونے سے ہوگا۔ ؤہ جہاز پر موجود سٹیل کے چھری کانٹے اؤر شراب کی ٹوٹی ہوئی بوتلوں کے ٹکڑے بطورِ ہتھیار استعمال کریں گے۔ ؤہ ہوائی جہازؤں کو ہیتھرؤ کی مختلف عمارتوں سے ٹکرائیں گے۔ کے ایس ایم نے بتایا کہ القاعدہ کے ایک اؤر اہم رکن خلاد بن اتاش نے منصوبہ بندی کے اختتامی حصے میں تجویز دی کہ ہدف کو ہیتھرؤ کی بجائے اسرائیل کے کسی مقام پر منتقل کردیا جائے۔ لیکن کے ایس ایم نے اس سے اتفاق نہ کیا۔

یہ تمام معلومات برطانوی حکام کو دے دی گئیں اؤر مجھے خوشی ہے کہ ہیتھرؤ پر حملہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔ ہماری بہت سی خاموش کامیابیوں میں ایک یہ بھی تھی۔

انہی معلومات کی بنا پر ہم گجرات [پنجاب] میں پندرہ دہشتگردوُں کے ایک ٹولے تک پہنچے، جن مںی تنزانیہ کا ایک تیس سالہ شہری اوُر ماہر کمپیوٹر احمد خلیفان غیلانی بھی تھا، جسے امریکہ نے 16 دسمبر : :19کو دارالسلام اوُر نیروُبی میں قائم امریکی سفارتخانوں میں ہونے وُالے دھاکوں میں ملوث ہونے کا ملزم ٹھرایا تھا۔ اسے انتہائی صفائی سے جعلی سفری دستاوُیزات بنانے میں مہارت حاصل تھی۔ اس کے کمپیوٹر میں بہت سے ملکوں کے وُیزے اوُر آمد اوُر خروُج کی مہریں تھیں۔ غیلانی، دہشت گردوُں کو تربیت بھی دیتا تھا اوُر دھماکہ خیزآلات بھی بناتا تھا۔ وُہ امریکہ کیلیئے اتنا اہم تھا کہ انہوں نے اس کی گرفتاری کیلیئے اطلاع فراہم کرنے کا انعام 25 ملین ڈالر رکھا تھا۔ ہم نے 4 ستمبر 2004 کو اسے امریکی حکام کے حوالے کردیا۔

اس سے باز پرس کے دوُران پنجاب میں موجود القاعدہ کے ایک اوُر نیٹ وُرک کا انکشاف ہوا۔ ہم نے اس کی فراہم کردہ اطلاعات پر عمل کرتے ہوئے مختلف افراد کو جن میں القاعدہ کے کارکن اوُران کے خاندان کے افراد [اوُر ایک نوزائیدہ بچہ] شامل تھے، گرفتار کیا۔ یہ ان پندرہ افراد کے علاوُہ تھے جنھیں ہم پہلے ہی گجرات سے گرفتار کر چکے تھے۔ اس طرح اس نیٹ وُرک کا بھی خاتمہ ہوا۔

اب تک جو بیان کیا گیا ہے وُہ القاعدہ اوُر پاکستان میں اس کی شریک دہشتگرد تنظیموں کیخلاف چند کاروُائیوں کا منظرنامہ ہے، لیکن اس سے اس جنگ کی وُسعت اوُرتیزی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے جس کے خلاف ہم نے اپنے شہروُں میں ایک کامیاب جنگ لڑی ہے۔

یہ سمجھنے کیلیئے کہ پاکستان میں دہشتگردی کے خلاف جنگ کرنے کے کیا معنی ہیں، ہمیں 25 دسمبر 2003 کی طرف وُاپس جانا ہوگا، جب میں اپنی گاڑیوں کے قافلے پر بموں کے حملے میں زندہ سلامت بچ گیا۔

گھراوُ

اس باب میں جو لمبی چوڑی تفصیل بیان کی گئی ہے اس کا مختصر خاکہ کچھ اس طرح بنتا ہے۔

ان حملوں کی تحقیق راوُلپنڈی کے کورکمانڈر لیفٹیننٹ جنرل اشفاق پروُیز کیانی کے سپرد کی گئی۔ یہاں پر بھی مختلف خفیہ ایجنسیوں کے درمیان معلومات کا تبادلہ نہیں کیا جاتا اوُر ہر ایجنسی کریڈٹ لینے کی کوشش کرتی ہے مگر جنرل کیانی کے حکم پر سب نے ایک دوُسرے کیساتھ تعاوُن کیا۔ مجرموں تک رسائی موبائل فونوں اوُر شناختی کارڈوُں کے ذریعے ممکن ہوئی۔ لیکن تحقیقات میں بریک تھروُ مشتاق نامی شخص کی گرفتاری سے ملا اوُر اس نے بتایا کہ ان حملوں میں فوج کے جوان بھی ملوث ہیں۔ اس کے بعد صلاح الدین کی گرفتاری اوُر اس کے بعد فراج اللبی سے تعلقات کا ذکر ہے۔ صلاح الدین کی گرفتاری کے بعد امجد فاروُقی کی تلاش کی گئی۔

ایک موقع پر پروُیز صاحب کہتے ہیں کہ ایک دہشتگرد کا سر حملے کے مقام سے قریب تھانے کے صحن سے ملا۔ اس کی شناخت مشکل تھی مگر اس کے چہرے کو پلاسٹک سرجری سے دوُبارہ بنا کر اوُر اس کے شناختی کارڈ کی ادھوری کاپی سے معلوم ہوا کہ وُہ جمیل تھا جو راوُلاکوٹ میں رہتا

تھا۔ دؤسرے خودکش حملہ آؤر کی شناخت اس کے جعلی شناختی کارڈ کی درخواست کو تصدیق کرنے ؤالے کے ذریعے ممکن ہوئی، جس کا نام خلیق تھا۔

پرؤیز صاحب سمجھتے ہیں کہ زیادہ تر دہشتگرد گھر کے ماحول اؤر غربت کے ستائے ہوئے جہادی ہوتے ہیں۔ ؤہ شناختی کارڈ کی کاپیاں شائد اسلئے پاس رکھتے ہیں تاکہ بعد میں ان کی مشہوری ہوسکے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بعد میں ان کی شناخت ان کی تنظیم کے خاتمے کا سبب بن سکتی ہے۔ یہی چھوٹ ي چھوٹی غلطیاں ؤارداتوں کو حل کرنے کا سبب بنتی ہیں۔

ان کے حملے میں استعمال ہونے ؤالی منی ؤین کی شناخت بھی ؤین بیچنے ؤالے کے ذریعے ملزم کی شناخت کا سبب بنی اؤر اس طرح جمیل کو شناخت کرلیا گیا۔

پرؤیز صاحب کو یومِ دفاع میں پریڈ کے دؤران ہلاک کرنے کا منصوبہ بھی بنایا گیا اؤر اس مقصد کیلیئے راکٹ اسلام آباد لائے گئے مگر ارشد کی ؤائیس چیف آف آرمی سٹاف کے حفاظتی دستے سے گرفتاری نے یہ منصوبہ خاک میں ملا دیا۔

2 جنوری 2004 کو تحقیقات کے نتیجے میں ایک گاڑی پکڑی گئی جو دہشتگردی کیلیئے استعمال کی جانی تھی اؤر اس کی گیس کے سلینڈر میں دھماکہ خیز مواد بھرا ہوا تھا۔ گاڑی جس گھر سے ملی اس کی پانی کی ٹ ي نکی میں بھی دھماکہ خیز مواد چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

ان تمام گرفتاریوں اؤر تحقیقات کے بعد نیٹ ؤرک کا ڈھانچہ سمجھ میں آنا شرؤع ہوگیا۔ پتہ یہی چلا کہ ابوفراج اللبی ہی دؤسرے حملے کا خالق اؤر ہدائت کار تھا۔ صلاح الدین صرف ایک پیامبر تھا۔ معلوم یہ بھی ہوا کہ ایس ایس جی کے کمانڈؤ جنہیں گرفتار کیا گیا صرف اس منصوبے کے چھوٹے اداکار تھے۔ سازش کی کڑی تب مکمل ہوئی جب امجد فارؤقی کا نام سامنے آي ا۔

[اگلے پیراگراف میں پرؤیز صاحب اتحادیوں کی کارکردگی کو اپنے جیسی دکھا کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان سب گرفتاریوں کے پیچھے ان کے محکموں کی کارکردگی تھی اؤر اتحادیوں کے پاس کچھ تحقیقات کے ماڈرن ذرائع نہیں تھے اؤر اس طرح ان کی تضحیک کرکے اپنے آپ کو اعلیٰ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اتحادیوں کے اپنے اخبارات نے ہر بڑے بریک تھرؤ کے بعد یہی بتایا کہ اتحادیوں کی معلومات اؤر مدد کیساتھ سارے اہم دہشتگرد گرفتار ہوئے۔ اب یہ پیراگراف پڑھیئے اؤر خود فیصلہ کیجیئے کہ کتنا سچ ہے اؤر کتنا جھوٹ]۔

دؤسرے حملے کی تحقیقات میں مدد کرنے کیلیئے ہمارے امریکی دؤست ہماری مدد کرنے کی پیشکش کرتے رہے۔ ایک رؤز کیانی نے انہیں اپنے صدر دفتر بلایا اؤر دھماکہ خیز مواد کے بارے میں ان سے تکنیکی مدد مانگی۔ امریکیوں نے کہا کہ ان کے لئے جائے ؤقوعہ دیکھنا ضرؤری ہے۔ جس کی کیانی نے اجازت دے دی۔ پھر ان سے کیانی نے پوچھا کہ انہیں کتنا ؤقت درکار ہے؟ انہوں نے کہا کہ چار ہفتے۔ چار ہفتوں کے بعد انہوں نے اپنی رپورٹ کیانی کو پیش کردی۔ کیانی کو تعجب ہوا کہ اس رپورٹ میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی، جسے ؤہ خود نہ جانتے ہوں گے۔ اس میں صرف یہ تھا کہ کس قسم کا دھماکہ خیز مواد استعمال کیا گیا تھا۔ کیانی نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسی چیز تھی، جو ان کی نظر سے نہ گزری ہو؟ جواب دیا گیا کہ نہیں

اور ان کے پاس یہی معلومات تھیں۔ کیانی نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم نے اپنی تحقیقات مکمل کرلی ہیں، بہت سی گرفتاریاں کی ہیں اور بڑے اہداف حاصل کرلئے ہیں۔ یہ وہ مدد تھی،جو ہمیں اپنے دوستوں سے ملی۔

[ىہ ہوہى نہىں سکتا کہ کىانى صاحب نے اتحادىوں کو اس طرح کا جواب دىا ہو۔ ہم لوگ تو گوروں کے آگے سر سر کہتے نہىں تھکتے اس طرح ان کى تحقىقات کر ان کے منہ پر عام سى کىوں کہیں گے]۔

ابوفراج اللبی اس تالاب میں سب سے بڑی مچھلی تھا مگر امجد فاروقی پہلے گرفتار ہوا۔ امجد فاروقی کو اس کے ٹیلیفون کی مدد سے ڈھونڈا گیا اور جب پتہ چلا کہ وہ نواب شاہ جارہا ہے تو ادھر جہاں وہ چھپا ہوا تھا اس گھر کا محاصرہ کرلیا گیا۔ جب اس کی مرضی پر افسر سے بات نہ کرائی گئی تو وہ آنسو گیس کی وجہ سے باہر نکلا اور اس نے سرکاری کارندوں کی طرف فائر کرتے ہوئے دوڑ لگا دی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اپنی شال کے اندر اس نے اسلحہ چھپا رکھا ہے۔ کارندوں نے اپنی جان بچانے کیلئے اس پر گولی چلا دی اور وہ وہیں مرگیا۔

ابو فراج گرفتاری سے بچنے کیلئے کراچی سے پشاور تک اپنا مقام بدلتا رہا۔ ابوفراج اللبی کی گرفتاری میں اس کے ایک اسیر ساتھی کا حصہ تھا۔ حکومت نے گرفتار ساتھی کو اپنے ساتھ ملایا اور اسے اللبی سے رابطہ کرنے کو کہا۔ کئی دفعہ وہ ملاقات کاوعدہ کرکے حکومت کے مخبر سے ملنے نہ آىا۔ ایک دفعہ اس نے پہلے اپنے ساتھی کو ملاقات کیلئے بھیجا جو مارا گیا۔ آخر کار وہ ایک مزار پر ملنے کیلئے آہی گیا اور ادھر گرفتار کرلیا گیا۔

[پرویز صاحب نے اس کی گرفتاری کی خوش خبری جنرل ابی زید اور صدر بش کو مکالمے کی صورت میں جھٹ چھٹ کر بیان کی ہے]۔

"تمہارے لئے خوش خبری ہے" میں نے جنرل ابی زید کمانڈر انچیف سینٹ کام سے کہا۔ جب وہ مئی 2005 میں مجھ سے ملنے آئے۔

"ہم نے اللبی کو پکڑلیا ہے" میں ابی زید کو ایک قابل جنرل اور ایک اچھا دوست سمجھتا ہوں۔

"واقعی، کب" امریکی نے متعجب ہوکر پوچھا[کیا دوست کو اسی طرح مخاطب کیا جاتا ہے؟]۔

"چندروز ہوئے۔" میں نے جواب دیا

"اب وہ کہاں ہے؟" ابی زید نے پوچھا

"وہ اسلام آباد میں ہے۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ "برائے مہربانی صدر بش کو بتا دیں یا میں بتاؤں۔"

"بہت اچھا ہوگا کہ آپ ہی انہیں بتائیں۔ ابی زید نے جوشیلی آواز میں کہا۔

"معلوم نہیں" میں نے کہا۔ "آپ ہی انہیں بتائیں۔"

،،نہیں میں نہیں، برائے مہربانی آپ ہی انہیں بتائیں۔''

میں نے جواب دیا کہ میں بتا دؤں گا۔ اسی شام میں نے صدر بش کو فون کیا اور خبر سنائی۔ "آپ نے اللبی کوپکڑ لیا۔" انہوں نے جوشیلی آواز میں کہا۔ اسامہ بن لادن اور ڈاکٹر ایمن الزؤاہری کے علاوہ القاعدہ کے جس رکن کا نام بش جانتے تھے، اور مجھ سے کہا تھا کہ اگر میرے لئے ممکن ہو تو اسے گرفتار کرلوں، وہ ابوفراج اللبی تھا۔

[اب جس طرح یہ مکالمہ لکھا گیا ہے اس سے چھوٹے پن اور محکومیت کی بو آتی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ مکالمہ اسی طرح اردؤ ترجمے سے نکال دینا چاہیئے تھا جس طرح پکڑے جانے والے سرؤں کی قیمت کا فقرہ نکالا گیا]۔

آخر میں مشتاق کے فرار اور پھر اس کی دوبارہ گرفتاری کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ وہ باتھ رؤم کے بہانے گیا اور فوجی ڈانگری پہن کر سوئے ہوئے گارڈ کے اوپر سے گزرا اور گیٹ سے باہر نکل گیا۔ گیٹ والوں نے سمجھا کہ وہ ائیرفورس کا مکینک ہے۔ پھر وہ وردی والے کی سائیکل پر لاری اڈے پہنچا اور غائب ہوگیا۔ اس کی گرفتاری اس کےی ٹیلیفون کالوں اور جی پی ایس [گلوبل پوزیشنگ سسٹم] ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہی عمل میں آئی۔ اس کی کہانی میں اس کی دوست کا بھی ذکر کیا گیا ہے جسے اس نے اپنے فرار کی خبر دی مگر اس کی دوست نے اسے بتایا کہ وہ اس سے فارغ ہوگئی ہے اور اس نے کسی اور سے دوستی کرلی ہے۔ یہ سن کر اسے اتنا غصہ آیا کہ اس نے دھمکی دی، وہ جلد از جلد گجرات آکر رقیب کو قتل کردے گا۔ [اس کی دوست کا ذکر اسلیئے کیا گیا ہے تاکہ ثابت کیا جا سکے کہ مزہبی انتہاپسند بھی ناجائز عشق کرتے ہی]۔ جب وہ لاہور سے اسلام آباد جاتے ہوئے شاہراہ پر تھا، تو وہ بس میں سب سے پچھلی سیٹ پر سو رہا تھا اور اس کا موبائل فون اس کی جیب میں آن تھا اور اسی فون کی وجہ سے آئی ایس آئی نے اسے ٹریک کیا۔ [یہ جی پی ایس سسٹم پاکستان کے پاس نہیں تھا اور امکان غالب ہے کہ امریکہ نے مشتاق کو ٹریک کرنے کیلیئے امداد فراہم کی ہو]۔

جب آئی ایس آئی افسر نے اس سے اپنی شناخت کرانے کو کہا تو مشتاق نے جواب دیا کہ ،،تمہیں معلوم ہے کہ میں کون ہوں۔''

القاعدہ، پہاڑؤں میں

اس باب میں پرویز صاحب نے اپنے قبائلی علاقوں یعنی فاٹا کی ساخت اور پھر بعد میں وہاں پر القاعدہ کیخلاف کاروائیوں کا ذکر کیا ہے۔ پرویز صاحب نے تین بڑی کاروائیوں کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ انہوں اپنے اتحادی امریکہ کی طرف سے تکنیکی امداد بشمول رات کو اڑنے والے ہیلی کاپٹرؤں کی نایابی کا بھی گلہ کیا ہے۔

پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے قبائلی علاقے سات قبیلوں پر مشتمل ہیں جنہیں ایجنسیوں میں منظم کیا گیا ہے۔ خیبر، باجوڑ، مہمند، اورکزئی، کرم، شمالی اور جنوبی وزیرستان ایجنسیاں۔ وہاں کی زمین انتہائی ناسازگار اور دشوارگزار ہے، چٹیل پہاڑ ہیں۔ وہاں کے موسم بھی سخت ترین ہوتے ہیں۔ فاٹا کا درجہ نیم خود مختار علاقے کا ہے اور اس میں تقریباً بتیس لاکھ قبائلی آباد ہیں۔ انگریز بھی اس نوآبدیاتی علاقے میں چند سڑکوں کے ذریعے آتے

جاتے تھے۔ یہ علاقہ تقریباً 10600 مربع میل علاقے پر پھیلا ہوا ہے اور روایتی طور پر اس علاقے میں عمل داری ملک یا قبائلی سرداروں اور بزرگوں کے ذریعے ہوتی ہے، جو قدیم قبائلی روایات کے تحت اپنے اپنے قبیلوں پر سیاسی اور عسکری اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ قبائل مزہبی ہیں، لیکن ملا کا کردار مسجد تک محدود ہے۔ وفاقی حکومت کی نمائندگی پولیٹیکل ایجنٹ کے ذریعے ہوتی ہے، جو نیم فوجی تنظیم اور علاقائی پولیس جسے خاصہ دار کہتے ہیں، کے ذریعے حکومتی امور کی نگرانی کرتا ہے۔

افغانستان کے ساتھ پاکستان کی سرحد قبائل کے درمیان سے گزرتی ہے اور ایسے لوگوں کو، جن کے بہت گہرے نسلی اور معاشرتی رشتے ہیں، منقسم کرتی ہے۔ 93 :اک ی ڈیورنڈلائن کے معاہدے میں، جو سابق ہندوستان اور اب پاکستان کو افغانستان سے علیحدہ کرتی ہے، ایک شق ہے جسے عموماً سہولیاتی حقوق کہا جاتا ہے، جس کے تحت برطانوی حکومت کی آخری دہائیوں میں قبائل تجارتی اور معاشرتی وجوہات کی بنا پر آزادی سے اور بغیر روک ٹوک کے سرحد عبور کرسکتے تھے۔ یہ عمل اب بھی جاری ہے۔ اس تاریخی شہرت کے باوجود کہ وہ انتہائی نڈر جنگجو ہیں یا اپنے ہتھیار ساتھ رکھتے ہیں اور اپنے ذاتی اسلحے خانے بھی رکھتے ہیں، فاٹا کے قبائلی ہمیشہ سے پاکستان کے انتہائی محب وطن رہے ہیں۔ انہوں نے :194 میں کشمیر کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا اور بھارت کے ساتھ جنگوں میں افواجِ پاکستان کو مسلح قبائلی لشکر بھی فراہم کئے۔ وہ انتہائی آزاد منش بھی ہیں۔ 2000 میں پہلی مرتبہ پاکستان آرمی کو تمام قبائلی ایجنسیوں میں سڑکیں بنانے اور اقتصادی ترقی شروع کرنے کیلئے داخل ہونے دیا گیا۔ اس سب کے نتیجے میں، ہماری خواہش یہ ہے کہ سیاسی طور پر قبائلی علاقے صوبہ سرحد میں مدغم ہوجائیں۔

[پرویز صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ قبائلیوں کی وفاداری کا صلہ وہ ان بمباری کرکے اور ان پر اعتماد نہ کرکے دے رہے ہیں۔ اگر یہی حالات رہے تو صدر کا یہ خواب کہ وہ سرحد میں مدغم ہوجائیں کبھی بھی پورا نہیں ہوگا]۔

911 کے بعد وہاں پر فوج بڑھا دی گئی اور معلومات کے حصول کیلئے علاقے میں ایک تنظیم تشکیل دی گئی۔ تورا بورا کے واقعہ کے بعد جب القاعدہ اور طالبان کے بہت سے جنگجو پاکستان فرار ہونے پر مجبور ہوئے، اس وقت انہیں پکڑنے کیلئے پرویز صاحب نے ایک منصوبہ بنایا۔

تورا بورا سے بھاگنے والوں کو پکڑنے کیلئے بچھائے گئے جال میں ہم نے القاعدہ کے 240 کارکن پکڑے۔ جو 26 مختلف قومیتوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن اکثریت افغانیوں اور عربوں کی تھی۔ 911 کے بعد دہشتگردی کے خلاف کی جانے والی کاروائیوں میں، ایک ہی وقت میں اتنی بڑی تعداد کے گرفتار کئے جانے کی یہ سب سے بڑی مثال ہے۔

اس کے بعد ہم نے متعدد چھوٹی بڑی کاروائیاں کیں۔ اخبارات میں ان کی خبریں سرسری طور پر آئی ہیں۔ ان کے پورے قصوں اور نتائج سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے جتنا زیادہ کام کیا، لوگوں کو اس کے بارے میںمعلومات کم ہیں۔

تورا بورا کے بعد پہلی کارؤائی جو کازہاپنگا کے نام سے ہوئی، نے حکومت کی آنکھیں کھول دیں۔ جب فوج نے ایک احاطے کا حصار مکمل کرلیا تو بتایاگیاکہ احاطے میں دؤآدمی اؤر چار خواتین ہیں اؤر فوجی جوانوں کو دھوکے سے اندر بلاکر تلاشی کی دعوت دی۔ جب فوجی اندر گھسے تو ان پر حملہ کردیا گیااؤر دس سپاہیوں کوشہید کردیاگیا۔ اس کارؤائی سے پتہ چلاکہ ؤہاں پر غیرملکی دہشتگرد چھپے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد امریکہ کے ساتھ ملکر ایک ہیلی کاپٹر سوار سپیشل آپریشنز ٹاسک فورس بنائی گئی مگر بعد میں جس امداد کا ؤعدہ کیاگیا ؤہ برؤقت نہ ملی جس کی ؤجہ سے ہماری فوج کواپنے سازؤسامان پر بھرؤسہ کرنا پڑااؤر ہمارا جانی ؤمالی نقصان زیادہ ہوا۔ ان چھوٹی موٹی کارؤائیوں کا کوئی نتیجہ بھی برآمد نہ ہوا۔

2002 میں سراغرسانی کا ایک جال بچھانے اؤر ایس اؤ ٹی ایف کی عملی کارکردگی کو تقویت پہنچانے کیلئے ہم نے انتہائی کاؤشیں کیں۔ سراغرسانی کے معاملات پر کبھی کبھی پاکستان آرمی اؤر پاکستانی اؤر امریکی خفیہ اداروں کے مابین غلط اطلاعات فراہم کرنے کا الزام لگاتی تھی اؤر دؤسرے طرف ایجنسیاں فوج کواس کے سست ردِعمل پر موردِالزام ٹھراتی تھیں۔ دؤنوں دعوؤں میں حقیقت تھی۔

[ان غلط معلومات کی ؤجہ سے پاکستانی افواج کونقصان بھی اٹھانا پڑامگر پرؤیز صاحب نے اس نقصان کا ذکر نہیں کیا]۔

نوتشکیل شدہ ایس اؤ ٹی ایف کی پہلی کارؤائی آپریشن بغارچینا کے نام سے اکتوبر 2003 میں اسی نام کے علاقے میں کی گئی۔ ابھی حصار مکمل بھی نہیں ہوا تھاکہ دہشتگردؤں نے گولیاں چلانا شرؤع کردیں۔ دن بھر اس ؤقت تک گولیوں کا تبادلہ ہوتا رہا جب تک مزاحمت پر قابو نہ پالیاگیا۔ : دہشتگرد مارے گئے جن میں ثمرقند نامی ایک اردنی جوالقاعدہ کا ایک اعلیٰ رکن تھا اؤر جس کے سر پر پانچ ملین ڈالر کا انعام تھا اؤر حسن معصوم نامی ایک چینی جو مشرقی ترکستان اسلامک موؤمنٹ کا لیڈر تھا، شامل تھے۔

پانچ ماہ بعد 16 سے : 2 مارچ 2004 تک جنوبی ؤزیرستان ایجنسی کی ؤادی ؤانا میں بڑی کارؤائی کی گئی۔ سب سے پہلے قبائلی سردارؤں سے بات کی اؤر غیرملکیوں کو ہتھیار ڈالنے اؤر پرامن طور پر ادھر ہی رہنے کی پیشکش کی۔ قبائلیوں کا جواب مثبت تھامگر غیرملکیوں نے بات ماننے سے انکار کردیا اس کا مطلب ہے کہ غیرملکی مقامی قبائلیوں کی بات بھی نہیں سنتے تھے۔ حکومت نے کارؤائی کا فیصلہ کیا۔ پہلے تو سپاہی ایک گھات کا شکار ہوئے پھر دہشتگرد اؤنچائی پر تھے اسلئے آرمی کو کافی جانی اؤر مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ پھر مزید کمک منگوائی گئی اؤر گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ ایک حصار سے بچ جانے ؤالی پہاڑی سے دہشتگردؤں نے گولے برساکر آرمی کے 16 جوان شہید کردیئے۔ اس پہاڑی پر بعد میں قبضہ کرلیا گیا اؤر ؤانا کو دہشتگردؤں سے خالی کرالیاگیا۔ اس قبضے کے بعد پتہ چلاکہ ؤہاں پر الیکٹرؤنکس کے اعلیٰ معیار کے ایک ٹیلیفون ایکسچینج سے لیس سرنگوں کا جال تھا۔ اس کارؤائی میں مجموعی طور پر 64 سپاہی شہید ہوئے اؤر 63 دہشتگرد مارے گئے۔

[ی‍ہ بات سچ نہ ی‍ں ہے کہ جنوب‍ی ؤزی‍رستان کے معرکے م‍ی‍ں حکومت کو مکمل فتح حاصل ہوء‍ی۔ بلکہ حق‍ی‍قت ی‍ہ ہے کہ حکوت کو حد سے زی‍ادہ مال‍ی ؤجان‍ی نقصان اٹھانا پڑا اؤر ؤہ پسپا ہوگئی۔ ناکام‍ی کے بعد قباء‍ل‍ی‍ؤں کے ساتھ معاہدہ ہ‍ی اس کارؤاء‍ی کا انجام قرار پائے گ‍ی]ا۔

اس کے بعد وانا اور افغانستان کی مغربی سرحدوں کے ساتھ ساتھ کارروائیوں کے اگلے دو ماہ کے بعد فرار ہوتے ہوئے کچھ غیرملکی دہشتگردوں نے شکئی میں پناہ لی اور اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کردیا۔ 10 جون 2004 کی کاروائی میں تین ہزار سپاہیوں نے اپنا حصار قائم کرلیا۔ پہلے پاکستان کی فضائیہ نے طیاروں اور ہیلی کاپٹروں سے بمباری کی اور پھر پیادہ فوج نے حملہ کردیا۔ اس کاروائی میں 4 سپاہی شہید ہوئے اور 50 سے زیادہ دہشتگرد مارے گئے۔ اس کے بعد غیرملکیوں کی شکست ہونے کے بعد فرضی کہانیوں کا خاتمہ ہوگیا اور مقامی آبادی نے اپنے آپکو ان سے جدا کرلیا۔ اس کاروائی کے بعد مقامی قبائل نے حکومت کیساتھ شکئی معاہدے پر بھی دستخط کئے۔

ان کاروائیوں کو پرویز صاحب نے دوسری جنگ کے دوران بحرالکاہل میں ڈگلس میکارتھر کے جزیرے سے جزیرے پھلانگنے کی مہم سے تشبیہ دی ہے۔ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ ہم نے دو جزیروں کا سفایا کردیا لیکن ہمارا پھلانگنے کا عمل ختم نہیں ہوا تھا۔

[یہ عمل نہ برطانوی مکمل کرسکے اور نہ ہی حکومت کو اب تک جرأت ہوئی ہے کہ وہ اس علاقے پر کنٹرول کرسکے۔ اسلئے حکومت بندر کی طرح جزیرے پھلانگتی ہی رہے گی اور کبھی بھی اس علاقے پر کنٹرول حاصل نہیں کرسکے گی۔ ہاں اگر وہاں پر کسی طرح تعلیم شروع کردی جائے تو ہوسکتا ہے قبائلی سول ورلڈ کا حصہ بننے کیلئے تیار ہوجائیں]۔

اس کے بعد فرار ہونے والے غیرملکی دہشتگردوں نے محسود قبیلے اور دلا خلا کے علاقوں میں پناہ لے لی۔ 9 ستمبر 2004 کو یہاں پر فضائی حملہ ہوا اور 60 سے 70 دہشتگرد مارے گئے۔ فوج نے بھی کاروائی کی اور اسے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس معرکے میں 42 سپاہی شہید ہوگئے اور 70 دہشتگرد مارے گئے۔ جو بچ گئے وہ پہاڑیوں میں فرار ہوگئے۔

اس ساری کاروائی میں مجموعی طور پر 350 دہشتگرد مارے گئے اور 600 گرفتار ہوئے۔ ہمارے تقریباً 300 سپاہی شہید ہوئے۔

[کیا اتنا بڑا جانی نقصان کرکے اتحادیوں سے پکڑے جانے والے لوگوں کے بدلے کروڑوں ڈالر وصول کرنا ٹھیک تھا۔ اگر ہماری جگہ پر اتحادی ہوتے تو کبھی بھی ایسا نہ کرتے اور اپنے ایک ایک سپاہی کی جان کی حفاظت کرتے]۔

جنگ جاری ہے اور اب القاعدہ کی شمالی وزیرستان ایجنسی میں میرعلی اور میرانشاہ کے قصبوں میں موجودگی کی اطلاعات آئی ہیں۔ اب ہماری توجہ ان قصبوں کی طرف ہے۔

اس کے بعد پرویز صاحب اپنی مستقبل کی منصوبہ بندی کا ذکر کرتے ہیں اور القاعدہ کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہیں۔

القاعدہ مالی طور پر مضبوط ہے۔ اس نے پاکستانی ہمدردوں اور معتقدین کو مزہبی نظریاتی جوش اور مالی فوائد کے لالچ، مع مقامی احاطوں کو بہت زیادہ کرایوں پر حاصل کرکے اپنی طرف مائل کیا ہے۔ وقتاً فوقتاً وہ لوگوں کو ان سے تعاون کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ القاعدہ کے بارے میں اطلاعات جمع کرنا، اس کیخلاف کاروائیاں کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ تمام انسدادِ دہشتگردی کی کاروائیوں اور ان کی کامیابی کا دارومدار سراغرسانی پر ہے لیکن

اس مقصد کے لئے شب ؤروز تیزی سے حرکت میں آجانا اؤر موثر اسلحے کا ہونا ضرؤری ہے۔ بد قسمتی سے ہماری تمام تر کوششوں کے باؤجود ہمیں سراغرسانی کے لئے جدید آلات ؤقت پر فراہم نہیں کئے گئے اؤر ہماری فوجی مہمات، امریکی ذرائع سے فراہم کی گئی تکنیکی اطلاعات کی محتاج ہیں۔ القاعدہ کا اپنی تشہیر کرنے کا ایک انتہائی کامیاب آلہ یہ پرؤپیگنڈا رہا ہے کہ اس کے اراکین، اسلام کے سچے پیرؤکار ہیں اؤر پاکستان آرمی، امریکہ اؤر مغرب کے زیر اثر کافرؤں کی طرح کارؤائیاں کر رہی ہے۔ اس خطرناک اؤر زہریلے پرؤپیگنڈے کا جواب دینا انتہائی اہم تھا، کیونکہ القاعدہ کا پیغام غیر تعلیم یافتہ اؤر بھولے بھالے لوگوں کے لئے بہت قابلِ یقین تھا۔ ہمارے فوجی کمانڈرؤں کو خود اپنے ماتحتوں پر ایسے پرؤپیگنڈے کا اثر زائل کرنے کی نازک ذمہ داری اٹھانی پڑی۔ مجھے فخر ہے کہ ہمارے فوجی افسران نے اپنے سپاہیوں کو ان کے اپنے مقصد سے نہیں ہٹنے دیا اؤر انہیں یہ سچ بار بار بتایا کہ ؤہ پاکستان دشمن عناصر سے برسرِپیکار ہیں اؤر اس معرکے کا مزہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

[سننے م ي‌ں تو ي‌ہ ي‌ آتا رہا ہے کہ امري‌کہ نے پاکستان کو دہشتگردي ختم کرنے ک ي‌ لئے کروڑوں ڈالر ک ي‌ امداد دي ہے اؤر اس کے باؤجود ي‌ہ رؤنا دھونا کہ ہم ي‌ں جدي‌د آلات نہ ي‌ں ملے غلاط لگتا ہے۔ اگر ؤہ رقم جدي‌د آلات خري‌دنے ک ي‌ لئے استعمال نہ ي‌ں ک ي‌ گئی تو پھر کہاں گئے]۔

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ پاکستان دہشتگردی کے خلاف جنگ میں مطلوبہ سعی نہیں کر رہا۔ لیکن یہ کہنے ؤالے زمینی حقائق سے ناؤاقف ہیں۔ پاکستان نے سب سے زیادہ آرمی دہشتگردی کے خلاف استعمال کرتے ہوئے سب سے زیادہ دہشتگرد پکڑے اؤر مالی اؤر جانی نقصان اٹھایا۔

پاکستان کیخلاف ایک اؤر الزام یہ ہے کہ دہشتگردی پاکستان کے علاقوں سے ہوتی ہے۔ یہ ایک منفی سوچ ہے کہ پاکستان دہشتگردؤں کو پناہ فراہم کرتا ہے۔ یہ سوچ افغانستان کے اندر پیدا کی گئی ہے۔ اس زہریلے اؤر منفی پرؤپیگنڈے کی حقیقت پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ پاکستان کا اپنا استحکام افغانستان کے امن سے ؤابستہ ہے۔ بچہ جائے دؤسرؤں کو الزام دینے کے، افغان حکومت کو خود اپنے ملک کے اندر حفاظتی انتظامات بہتر بنانے پر توجہ دینی چاہیئے۔

[اگر ي‌ہ ي‌ صلہ دہشتگردي ک ي‌ خلاف اپنا جان ي‌ اؤر مال ي‌ نقصان کر کے ملنا تھا تو پھر اي‌ س ي‌ افغان حکومت ک ي‌ حماي‌ت ک ي‌ ک ي‌ا ضرؤرت ہے۔ ہم نے اپنے دؤستوں ک ي‌ حکومت ختم کرؤا کے اپنے دشمن شمال ي‌ اتحاد کو حکومت دلواء ي‌ مگر ابھ ي‌ تک ؤہ اپن ي‌ سابقہ دشمن ي‌ بھولنے کو ت ي‌ار نہ ي‌ں]۔

طالبان کا گڑھ جنوب مشرقی افغانستان میں قندھار ہے۔ اتحادی فوجوں کیخلاف دہشتگردی کی اکثر کارؤائیاں، اندرؤنِ افغانستان میں ایسے مقامات سے کی جاتی ہیں، جو پاکستان کی طرف سے ناقابلِ عبور ہیں۔ سرحد کے اتنے زیادہ طویل، سنگلاخ علاقوں کے باعث اس چیز کو نہیں رؤکا جاسکتا کہ القاعدہ اؤر طالبان کے دہشتگرد، پاکستان کی طرف سے افغانستان میں چھپ چھپا کر داخل ہوجاتے ہیں لیکن اس کا تمام تر الزام پاکستان پر رکھنا، درؤغ گوئی اؤر گمراہ کن کوششوں پر مبنی ہے۔ علاؤہ ازیں، القاعدہ کے کارکن غیر ملکی ہونے کی ؤجہ سے پہچانے جاسکتے ہیں، لیکن طالبان افغان ہیں اؤر اسی نسل سے ہیں، جس سے پاکستانی پٹھان ہیں۔ جب تک کہ کوئی دشمنی ظاہر نہ کرے، دؤست اؤر دشمن میں فرق کرنا اکثر ناممکن ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے

کہ افغانستان میں دہشگردی کی اکثر کارؤائیاں مقامی ہیں، جبکہ کچھ لوگ چپکے سے سرحد بھی پار کرلیتے ہیں، ہمیں ضرؤرت اس بات کی ہے کہ اس عفریت سے لڑنے کے لئے، بجائے الزام تراشی کرنے کے اؤر اپنے مقاد کو کمزؤر کرنے کے،ایک دؤسرے کے ساتھ ملکر کام کریں۔

[ایک چیزکی سمجھ اب تک نہیں آئی کہ اتحادی جنھوں نے افغان حکومت کو قائم رکھا ہوا ہے کیوں اس پر دباؤ نہیں ڈالتے کہ ؤہ پاکستان پر الزام تراشیوں کا سلسلہ بند کردیں۔ کیا یہ جان بوجھ کر خلیج ڈالی گئی ہے تاکہ پاکستان آرام اؤر سکون میں نہ رہ سکے۔ کبھی کبھی یہ معمے اپنے دماغ میں نہیں آتے مثلاً افغانی یا عراقی حکومت قائم کرنا اؤر پھر بعد میں کہنا کہ ؤہ خود مختار ہیں جو چاہیں کریں۔ عام سی بات ہے کہ اگرآپ ڈکٹیٹر یہ کہے کہ ؤہ بے بس ہے تو پھر ؤہ جھوٹا ہے یاآپ کو دغا دے رہا ہے]۔

ایک اؤر غلط فہمی، جس کا پاکستان کو سامنا کرنا پڑتا ہے، ؤہ یہ ہے کہ القاعدہ اؤر طالبان کے قائدین، پاکستان سے کارؤائیاں کررہے ہیں۔ یہ ایک اختراع کے علاؤہ اؤر کچھ نہیں، جس کی نہ کوئی اصلیت ہے اؤر نہ ثبوت۔ سرحد پر پہاڑی علاقے میں چھپنے کے مواقع ضرؤر ہیں، لیکن یہی صورتِ حال سرحد پار افغانستان کی طرف بھی ہے کیونکہ دؤنوں طرف زمینی علاقہ ایک جیسا ہے۔ ہماری سرحد کی طرف ایک انتہائی مؤثر حفاظتی نظام موجود ہے، جبکہ افغانستان کی طرف ایسا کوئی نظام نہیں ہے۔ افغانستان میں بڑے بڑے علاقوں میں کوئی فوجی کارؤائیاں نہیں ہورہیں۔ اس ؤجہ سے کسی کے لئے بھی پاکستانی علاقے کی بجائے افغان علاقے میں چھپنا زیادہ آسان ہے۔ ان سب الزامات، غلط بیانیوں اؤر اختلافات کے باؤجود ہم دہشتگردی کے خلاف مشترکہ جنگ میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ پاکستان نے افغانستان میں اپنے اتحادی شرکاء اؤر خصوصاً امریکیوں کے ساتھ کام کرنے کے لئے اچھے تعلقات پیدا کر رکھے ہیں۔ مؤثر مواصلاتی نظام اؤر رابطہ افسرؤں کی مناسب موجودگی کی ؤجہ سے اب ہماری کارؤائیوں کی حکمتِ عملی اؤر منصوبہ بندی میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

ایک اہم سوال، جس کا جواب اب تک نہیں ملا، ؤہ ہے ایمن الزؤاہری اؤر اسامہ بن لادن کا اتا پتا۔ ؤہ کسی قبائلی ایجنسی میں مقامی ہمدردؤں کی مدد سے چھپے ہوئے ہوسکتے ہیں۔ لیکن اتنا ہی ؤہ افغانستان میں ملا عمر کے مہمان بھی ہوسکتے ہیں یا ؤہ چالاکی سے سرحد کے قریب اپنے ڈھونڈنے ؤالوں کو الجھن میں ڈالنے کیلئے پاکستان اؤر افغانستان آتے جاتے رہتے ہیں۔

[اسامہ کے دیؤمالائی کردار کو زندہ رکھنا اتحادیؤں کے فائدے میں ہے اسی لئے لاکھوں کو مارنے، شہرؤں کے شہر تباہ کرنے کے باؤجود ایک آدمی نہ پکڑا جائے سمجھ سے بالا تر ہے]۔

پاکستان نے اس علاقے میں القاعدہ کی تنظیم منتشر کردی ہے اؤر اس کی مختلف کڑیوں کا ایک دؤسرے سے رابطہ ختم کردیا ہے۔ ؤہ اب مفرؤر ہے اؤر آپس میں ہم آہنگی کے ساتھ کارؤائیاں کرنے ؤالی قوت کے طور پر ختم ہوچکی ہے۔ اب ہمیں اسے یکجا ہونے کا موقع دیئے بغیر اس پر دباؤ برقرار رکھنا ہے۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ کہ سکتا ہوں کہ پاکستان میں ہم دہشتگردی کے خلاف جنگ جیت رہے ہیں۔ مجھے اپنی فوج پر فخر ہے، جس کے افسرؤں اؤر جوانوں نے ملک کے دفاع کے لئے ان گنت قربانیاں دی ہیں۔ یہ جنگ جیتی جاسکتی ہے اؤر جیتی جائے گی۔

مزہب اؤر دہشت گردی - ایک تجزیہ

ایک مرتبہ رات کی خاموشی میں، اپنے گھر کی لائبریری میں بیٹھا، میں ان خیالات میں گم ہوجاتا ہوں کہ پاکستان کو کیا ہوگیا ہے؟ ہماری قومی اقدار میں خرابیوں کی کیا ؤجوہات ہیں؟ ایک ؤقت تھا کہ کبھی کبھار ہونے ؤالے شیعہ، سنی اختلافات کے علاؤہ ہم مکمل طور پر ایک رؤایتی اؤر متوازن معاشرہ تھے۔ ہمارے اندر موجودہ دہشت گردی اؤر انتہاپسندی کی ؤبا کیسے پھیل گئی؟

ہماری پریشانیوں کا دؤر 1979 میں سوئیت یونین کے افغانستان پر حملے کے ساتھ شرؤع ہوا۔ رؤسیوں کی، پاکستان کے ساحلوں پر بحرِہند اؤر بحیرہ عرب کے گرم پانیوں تک پہنچنے کی ہمیشہ سے خواہش رہی تھی۔ ہمیں اچانک یہ احساس ہوا تھا کہ ہمیں دؤطرف سے خطرہ ہے۔ مشرق سے بھارت اؤر مغرب سے سوئیت یونین اؤر اس کی کٹھ پتلی افغان حکومت۔ پاکستان بری طرح خطرات سے گھرا ہوا تھا۔ قوم اؤر اس کی فوج ایک مخمصے میں گرفتار تھی۔ ان خطرؤں کی ؤجہ سے، ایک طرح سے یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ مغرب نے، جس کی قیادت رؤنلڈ ریگن کے انتخاب کے بعد امریکہ کر رہا تھا، سوئیت امنگوں کو رؤکنے کے لئے افغانستان کا انتخاب کیا۔ افغانستان میں جہاد کا آغاز کیا گیا اؤر پاکستان، افغانستان کا ہمسایہ ہونے کی ؤجہ سے اس جہاد کی امداد اؤر راستہ فراہم کرنے میں ناگزیر اتحادی ملک کا درجہ حاصل کرگیا۔ افغان جنگجو سرداڑوں اؤر ان کے اسلح بردار ساتھیوں کو سوئیت یونین سے لڑنے کے لئے مسلح کیا گیا اؤر مالی امداد دی گئی۔ تمام اسلامی دنیا سے آئے ہوئے 20 سے 30 ہزار مجاہدین کے ساتھ ساتھ پاکستان میں کچھ مدرسوں کے طلبا کو تربیت اؤر مالی امداد دے گئی، انہیں مسلح کیا گیا اؤر سوئیت فوجوں کا مقابلہ اؤر افغانوں کی کمک کے لئے جانے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ 1979 سے پہلے ہمارے مدرسے تعداد میں کم اؤر ان کی مصرؤفیات بہت سادہ تھیں۔ افغان جنگ کے دؤران، ضیاالحق کی حوصلہ افزائی کی ؤجہ سے، جو افغانستان پر سوئیت قبضے کے خلاف جہاد کے بڑے حامی تھے، یہ مدرسے اہمیت حاصل کرگئے۔

[مدرسوں کا ؤاؤیلا مچانے کی اس ؤقت ضرؤرت نہیں تھی۔ ہمارے موجودہ مدرسے صرف اؤر صرف دین کی تعلیم کیلئے مختص ہیں اؤر ان کے بارے میں یہ سوچنا کہ ؤہ دہشت گرد پیدا کر رہے ہیں سراسر زیادتی ہے۔ ہاں ان طلبا کو سب سے پہلے حکومت نے استعمال کیا۔ اب جبکہ افغان جنگ ختم ہوچکی ہے اؤر حکومت کو بھی طلبا کی ضرؤرت نہیں رہی، مدرسے جنگ کو بھول کر طلبا کی تعلیم ؤتربیت میں دؤبارہ مصرؤف ہوچکے ہیں۔ لیکن یورپ کو اب ان مدرسوں سے یہ ڈر نہیں کہ یہاں سے جنگجو پیدا ہوں گے بلکہ یہ ڈر ہے کہ یہاں سے ؤہ کھیپ تیار ہوکر نکلے گی جو اپنے مزہب کی خاطر جان دینے سے بھی گریز نہیں کرے گی]۔

19:0 کی دہائی میں مزہبی انتہاپسندی، صدر ضیاالحق کی حوصلہ افزائی کی ؤجہ سے زؤر پکڑتی گئی۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس جہاد میں صوبہ سرحد کے کٹر ملا شریک تھے، کیونکہ افغان پختون اسلام کی بنیادی اؤر خالص تشریح پر یقین رکھتے ہیں۔ دراصل ضیاء نے اپنے ذاتی اؤر سیاسی مقاصد کی ؤجہ سے پورے پاکستان میں اؤر اس کے باہر بھی بے لچک مزہبی جماعتوں کا حلقہ بنا لیا، جس سے پاکستان کی بہت بڑی اکثریت کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ کافر سوئیت فوج سے لڑنا جہادیوں کے لئے ایک مقدس فریضہ بن گیا اؤر بے شمار پاکستانیوں نے اس میں شمولیت اختیار کرلی۔

[لگتا ہے پرؤيز صاحب انجانے میں یہ جملہ ''کیونکہ افغان پختون اسلام کی بنیادی اور خالص تشریح پر یقین رکھتے ہیں'' لکھ گئے ہیں۔ اس جملے سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ افغانوں کے علاؤہ باقی سارے مسلمان پرؤیز صاحب اور ان کی حکومت سمیت اسلام کی بنیادی اور خالص تشریح پر یقین نہیں رکھتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ افغانوں کے علاؤہ دؤسرؤں کا اسلام بنیادی اور خالص نہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر کتاب میں کعبے کی سیرکی تصویرکیا صرف دکھاؤا تھی]۔

[جنرل ضیا نے خود سے خود سے مزہبی جماعتوں کے ساتھ تعلق بڑھا کر ان کو جہاد پر نہیں بھیجا بلکہ انہیں اس بات پر اکسایا گیا تاکہ اتحادیوں کو زمین پر لڑنے ؤالے سپاہی مل سکیں]۔

یہ جہاد 10 سال تک 9 :19 میں سوئیت فوجوں کی شکست تک چلتا رہا، جن کی ؤاپسی بہت عجلت میں ہوئی اور ؤہ بھاری اسلحے کی ایک بہت بڑی تعداد جس میں ٹینک، توپیں اور ہوائی جہاز تک شامل تھے، مع بڑی مقدار میں گولہ بارؤد کے ذخیرے اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ دیوارِ برلن کے گرنے اور سوئیت خطرے کے کم ہونے کے ساتھ ساتھ امریکہ اؤر یورپ بھی اس علاقے کو اپنے حال پر چھوڑ کر چلے گئے۔ افغانستان میں اچانک پیدا ہونے ؤالے خلا میں پہلے سوئیت یونین کی قائم کی گئی کٹھ پتلی حکومت ختم ہوئی اؤر اس کے بعد اقتدار کے لئے جنگجو سرداروں کی کشمکش میں خون خرابہ شرؤع ہوگیا۔ افغانستان میں 9 :19 سے 2001 تک بارہ سالہ طویل داخلی جھگڑؤں کے سبب بے انتہا تباہی پھیلی۔

[افغانوں کو اسلئے تنہا چھوڑ دیا گیا تاکہ ؤہ آپس میں لڑ لڑ کر ختم ہوجائیں۔ لیکن کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ قوم سخت جان ہے اؤر اسطرح آسانی سے ختم ہونے ؤالی نہیں]۔

سوئیت یونین کے افغانستان پر قبضے سے لے کر داخلی تشدد کے نتیجے میں پیدا ہونے ؤالے انتشار کے سہ چند اثرات مرتب ہوئے۔

اؤل، اس کی ؤجہ سے پاکستان میں 40 لاکھ افغان پناہ گزین آئے۔

دؤم، 1995 میں اس کی بدؤلت طالبان ؤجود میں آئے۔

سوم، اس ؤجہ سے بین الاقوامی مجاہدین، القاعدہ میں ضم ہوگئے اؤر ان کے علاؤہ نئی آزاد شدہ ؤسط ایشیائی جمہوریتوں، کشمکش کا شکار چیچن اور متعدد عرب ملکوں کے لوگ بھی اس میں شامل ہوگئے۔

[یہ سب مسلمانوں کی آزادی کی تحریکیں تھیں جن کو برداشت نہیں کیا گیا اؤر انہیں کچلنے کیلیئے ہر طرح کے جتن کئے گئے]۔

پھر نائن الیون رؤنما ہوا، جس کی تباہی نے دنیا بدل دی۔ کولن پاؤل کے فون اؤر صدر بش کی تقریر، جس میں انہوں نے کہا کہ خواہ دؤسری اقوام ہمارے ساتھ ہوں یا ہمارے خلاف، سے پہلے ہی میں اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ پاکستان ایک دؤراہے پر کھڑا ہے۔ اس ؤقت بغیر متزلزل ہوئے، ہمارے لئے موقع تھا کہ اپنے درمیان سے، اؤر اپنے قومی مفاد کی خاطر دہشت گردی سے نجات پالیں۔ یہ کام خاموشی سے نہیں ہوسکتا تھا، کیونکہ

انتہاپسند پوری طرح مسلح اور کثیر تعداد میں تھے، لیکن امریکیوں کے افغانستان پر غضب ناک حملے کے بعد اور وہاں چھاپہ مار جنگ، اور ختم نہ ہونے والے انتشار کے باعث، القاعدہ کے بہت سے کارکن پاکستان کے مغرب میں واقع پہاڑوں اور شہروں میں منتقل ہوگئے۔ مجھ پر قاتلانہ حملوں سے پہلے ہمارے حالات مزید خراب ہوگئے۔

[911 الیون نے جہاں دنیا بدل دی وہاں پرویز صاحب کی قسمت بھی بدل دی لیکن اس کا ذکر پرویز صاحب نے کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ 911 سے پہلے جو پرویز صاحب کو وردی میں ملنا نہیں چاہتے تھے ان کو اپنے گھر بلانے لگے]۔

گویا یہی کافی نہیں تھا کہ 9 :19 سے مقبوضہ کشمیر میں چلتی ہوئی جدوجہدِ آزادی بھی پاکستانی معاشرے پر گہرے اور وسیع پیمانے پر اثر انداز ہوئی۔ یہ جدوجہد مقامی انتفادہ سے شروع ہوئی تھی۔ جس میں عوام سری نگر کی سڑکوں پر مظاہرے کرتے تھے۔ قانون نافذکرنے والے بھارتی ادارے، آزادی کی اس تحریک کو کچلنے کیلئے انتہائی بے رحمی سے کام لیتے تھے۔ سری نگر کی وادی میں بہت بڑی تعداد میں اضافی فوجیں لائی گئیں تاکہ اس سیاسی تحریک کو ابتدا ہی میں کچل دیا جائے۔ اس کے ردِ عمل میں، تحریک اپنے بچاؤ کے لئے زیر زمین چلی گئی اور اپنے آپ کو مسلح کرلیا۔ اس کے بعد وہ شدت پسند ہوگئے اور بھارت کی فوجوں کے خلاف چھاپہ مار جنگ شروع کردی۔ پاکستانی عوام کا اپنے کشمیری بھائیوں کے ساتھ جزباتی اور روحانی رشتہ ہے۔ پورے ملک میں ان کی مدد کے لئے درجنوں تنظیمیں بن گئیں، جو ہندوستانی فوج کے خلاف جہاد میں شرکت کے لئے تیار تھیں۔

[911 الیون کے بعد بھارت کی قسمت بھی جاگ اٹھی اور پرویز صاحب کو مجبوراً تمام آزادی کی تحریکوں کی حمایت واپس لینی پڑی جس طرح انہوں نے طالبان کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ وہی کشمیر کی تحریک جس کی وجہ سے ہم اتراتے اب پاکستان کے اندر دہشت گردی کی ایک وجہ قرار پائی]۔

ہماری مغربی سرحدوں پر 26 سال اور مشرق کی طرف کشمیر میں 16 سال سے ہم ہیجان اور کشمکش میں مبتلا ہیں، تشدد، ہتھیاروں اور منشیات کی ثقافت، پاکستان میں پھل پھول رہی ہے۔ القاعدہ کے دہشت گردوں کا انتہائی خطرناک جال ہمارے بڑے شہروں میں اور مغربی افغانستان کے ساتھ ہماری سرحد پر قبائلی ایجنسیوں میں پھیل گیا۔ ٹارگٹ کلنگ، دھماکے کرنا، کاربموں اور خودکش حملوں کے رواج نے جڑ پکڑلی۔ میری اور وزیر اعظم شوکت عزیز کی زندگیوں پر حملے اسی داستان کا ایک حصہ ہیں۔۔ یہ وہ حقائق ہیں، جو پاکستان پر گزشتہ 26 برسوں میں گزرے ہیں۔ گو دہشت گردوں کے خلاف ہماری بہت سی کامیابیوں کے بعد اب ان کی شدت میں کمی ہوچکی ہے، لیکن ہم اب بھی ان پریشانیوں سے گزر رہے ہیں، مجھے یہ سوچ کر جھرجھری آجاتی ہے کہ اگر ہم یہ فیصلہ نہ کرتے، جو ہم نے کیا تو کیا ہورہا ہوتا۔ علاوہ ازیں، یہ سوچ کر اور بھی دکھ ہوتا ہے کہ مغرب کے چند لوگ ہماری پریشانیاں اور تکالیف سمجھنے اور دہشت گردی کے خلاف عمل میں پاکستان کی معاونت کو اچھی طرح سمجھنے سے قاصر ہیں، اگر ہم سوویت یونین کے خلاف جہاد میں شریک نہ ہوتے اور اگر وہ افغانستان سے واپس نہ جاتے، تو کیا سرد جنگ ابھی تک ختم ہوچکی ہوتی؟ ہم نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے، جو نہ نپولین اور نہ ہٹلر انجام دے سکا۔ ہم نے جہاد میں شریک اپنے دوستوں کی مدد سے روس کو شکست دی۔ اگر آپ پاکستان کو اس تصویر سے نکال دیں تو جہاد ہرگز بھی جیتا نہیں جاسکتا تھا۔ دوسری طرف اگر آپ امریکہ کو نکال لیں تو کوئی نہیں جانتا کہ کیا ہوتا۔ میں یہ اس وجہ سے کہہ رہا ہوں تاکہ آپ کو اندازہ ہو کہ افغان جہاد میں ہمارا کتنا اہم اور مرکزی کردار رہا ہے۔ مجھے کچھ تسلی اس وقت ہوئی، جب میں نے

ایک تختی پر، جس پر دیوار برلن کا ایک ٹکڑا لگا ہوا تھا اور جسے جرمن خفیہ ادارے کے سربراہ نے پاکستان کے خفیہ ادارے کے سربراہ کو تحفتاً پیش کی تھی، یہ کتبہ پڑھا۔ "اس کے نام، جس نے پہلا وار کیا۔"

[یہ کتبے تبھی تک دیواروں پر لٹکے رہیں گے جب تک اتحادیوں کو ہماری ضرورت ہے۔ اس کے بعد ہم اسی طرح ڈمپ کردیئے جائیں گے جس طرح افغانوں کو روس کی شکست کے بعد تنہا چھوڑ دیا گیا۔ ادھر ایک ہم ہیں کہ ہمیں اس دن کی پرواہ ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس دن کی تیاری کر رہے ہیں]۔

اقاعدہ کے پاکستان میں پھیلے ہوئے جال کو تباہ کرنے میں ہماری بڑی کامیابیاں پاکستانی معاشرے کو پہلے جیسا بنانے کی طرف ایک قدم ہے، لیکن دہشت گردوں کو ابھی مکمل شکست نہیں ہوئی۔ ہمیں اس کا مقابلہ کرتے رہنا چاہئے اور پاکستان اور اس کے زخم خوردہ معاشرے میں دوبارہ توازن لانا چاہئے۔

حقیقتاً ہم پاکستانی مذہبی اور معتدل مزاج لوگ ہیں۔ پاکستن ایک اسلامی مملکت ہے، جو برصغیر کے مسلمانوں کے لئے وجود میں آئی۔ اس کی آبادی کا ایک بہت چھوٹا حصہ انتہا پسند ہے۔ یہ انتہا پسند، مذہب کے بارے میں سخت بنیادی اور بے لچک، بلکہ جاہلانہ اور متعصب خیالات رکھتے ہیں۔ مشکل اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب وہ اپنے غیر لچک دار قدیمی خیالات دوسروں پر تھوپنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف تشدد پسند اور جارحانہ انداز رکھتے ہیں، بلکہ دہشت گردی کے لئے بھی آمادہ کئے جاسکتے ہیں۔

[ایک مکمل مسلمان جو اسلام پر سختی اور کسی لچک کے بغیر عمل کرتا ہے کو جاہل اور انتہاپسند کہنا زیادتی ہے۔ یہی مسلمان کرپٹ معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کی اہلیت رکھتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اگر اس پر اعتماد کیا جائے]۔

اس قلیل انتہا پسند عنصر کے علاوہ معتدل اکثریت تین حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔ ایک طرف نیم ملا ہیں، جو اسلام کو قدامت پسندانہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ دوسری طرف تعلیم یافتہ اور روشن خیال لوگ ہیں، جو مذہب کے اصل معنی اور معاشرے میں اس کی اقدار اور ذمہ داریوں کی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان، تین شہری اور دیہی علاقوں میں رہنے والوں کی وہ اکثریت ہے، جو کم تعلیم یافتہ ہے، وہ بھی معتدل مزاج ہیں اور جیو اور جینے دو کے فلسفے پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ شوق سے صوفی بزرگوں کے مزاروں پر جاتے اور بے خود کردینے والا عارفانہ کلام سنتے ہیںلیکن جہالت، غربت اور مایوسی کی وجہ سے انتہا پسند انہیں گھیر لیتے ہیں اور اکثر کامیاب ہوجاتے ہیں، خصوصاً جب نیم ملا بھی انہیں گمراہ کرنے میں کردار ادا کر رہے ہوں۔

علاوہ ازیں، ہمارے درمیان ایسے انتہاپسند بھی ہیں جو نہ تو غریب ہیں اور نہ غیر تعلیم یافتہ۔ وہ کیوں اس طرف مائل ہوتے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ ان کا مسلمانوں کی حالتِ زار پر شدید ردِ عمل یعنی سیاسی ناانصافیاں، معاشرتی محرومیاں اور دوسرے معاشروں سے کمتری کا احساس، اس راستے پر ڈال دیتا ہے۔ یہ وجوہات ایسے لوگوں کے لئے بھی ہوسکتی ہیں، جیسے اسامہ بن لادن، ڈاکٹر ایمن الزواہری، خالد شیخ محمد اور عمر سعید شیخ۔ یہ سب

کے سب مالدار اوٗر تعلیم یافتہ ہیں جن میں سے دوٗ نے برطانیہ اوٗر امریکہ کے سکول اوٗر کالجوں میں تعلیم حاصل کی اوٗر ایک کی پیدائش برطانیہ میں ہوئی۔ حال ہی میں ہم نے دیکھاکہ لندن کی 7/7 کی بمباری میں ملوث دہشت گرد اسی طبقے سے تھے۔ افسوس کا مقام ہے کہ روٗشن خیال طبقے نے عوام کی اکثریت کو سچا اسلام سکھانے کی ذمہ داری چھوڑ دی ہے اوٗر انہیں نیم ملاؤں کے سپرد کردیا ہے۔ اس روٗشن خیال طبقے کے لوگ اپنی اوٗلاد کو دنیا کا ہر مضمون پڑھاتے یا پڑھواتے ہیں، لیکن جب مزہب کی باری آتی ہے تو یہ اہم ذمہ داری اپنے پڑوٗس میں وٗاقع مسجد کے ملا کو سونپ دیتے ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقے نے مزہبی بحثوں میں شمولیت کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ انہوں نے نہ تو911 کی اوٗر، نہ ہی مسلم دنیا پر اس کے اثرات کی کوئی پیشگوئی کی۔ اب انہیں ایک بڑی تباہی کا سامنا ہے۔

[پروٗیز صاحب نے بھی اپنی اوٗلاد کو یورپین تعلیم دلوائی اوٗر انہیں اسلام کی تعلیم سے دوٗر رکھا۔ وٗہ یہ تو کہتے ہیں کہ روٗشن خیالوں نے اسلام کی بہتری کیلیئے کوئی اقدامات نہیں کئے اوٗر اپنی اوٗلاؤں کو دین کی تعلیم کیلیئے مسجد کے مولویوں کے حوالے کردیا۔ لیکن پروٗیز صاحب نے خود بھی یہی کچھ کیا]۔

آج درمیانی طبقہ، جن کی بہت بڑی اکثریت ہے، اس الجھن میں ہےں کہ عمومی طور پر دنیا کے سامنے اوٗر خصوصاً مسلم دنیا کے سامنے، جو اہم معاملات درپیش ہیں، ان پر اسلام کے کیا خیالات ہیں۔ ضروٗرت اس بات کی ہے کہ انہیں ملاؤں کے جاہلانہ خیالات سے دوٗر رکھا جائے اوٗر اسلام کے روٗشن، ترقی پسند اوٗر متوازن پیغام کی طرف لایا جائے۔ بلاشبہ یہ ایک سخت امتحان ہے، لیکن اس میں کامیابی یقینی بنائی جا سکتی ہے۔

[یہی پروٗیز صاحب کی حکومت کا ٹارگٹ ہے کہ پاکستان کی ترکی کی طرح سیکولر بنادیا جائے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جب تک پاکستان ترکی نہیں بن جاتا پروٗیز صاحب کی نوکری پکی ہے]۔

جیساکہ میں پہلے کہ چکا ہوں، ہمارے تجربے نے بتایا ہے کہ پاکستان میںدہشت گردی کے وٗاقعات کی تخلیق اوٗر ہدایت کاری ہمیشہ القاعدہ کے غیر ملکی اراکین نے کی ہے۔ یہ ہدایت کار، مقامی منصوبہ ساز ڈھونڈ لیتے ہیں۔ یہ منصوبہ سازیا انتہا پسند مزہبی تنظیموں میں گھس جاتے ہینیا کسی بھی دہشت گردی کی کاروٗائی کے لئے چھانٹے ہوئے افراد کی آمیزش کرکے انہیں ذہنی طور پر دشت گردی کی وٗارداتوں کے لئے تیار کرتے ہیں۔ یہ حملہ آوٗر اس کھیل میں صرف پیادے ہوتے ہیں، نہ ہی ان کے پیشِ نظر ہمیشہ مزہبی مقاصد ہوتے ہیں، لیکن پاکستان میں اس طرح دہشت گردی کی آمیزش مزہب کے ساتھ ہوگئی ہے۔

اگر میں دہشت گردوٗں کے درجات کا ایک درخت کے ساتھ موازنہ کروٗں تو میں حملہ آوٗروٗں کو صرف اس درخت کی پتیاں کہوں گا۔ جب تک درخت ہرا بھرا ہے، پتیوں کی تعداد زیادہ ہوتی رہے گی۔ پوری القاعدہ کی تنظیم کو مع ہدایت کاروٗں اوٗر منصوبہ سازوٗں کے، میں درخت کی ایک شاخ سے تشبیہ دوٗں گا۔ القاعدہ کو ختم کرکے ہم پیڑ کی صرف ایک شاخ کاٹیں گے، اگرچہ یہ ایک بڑی شاخ ہے۔ جب تک اس کی جڑیں سالم رہیں گی، دہشت گردی کا درخت پھلتا پھولتا رہے گا۔ ایک انسان دوٗسرے معصوم انسانوں کی جان کیوں لیتا ہے؟ ایسی کیا چیز ہے، جو ایک انسان کو مجبور کرتی ہے کہ اپنی جان دے کر دوٗسروٗں کی جان لے؟ یقیناً یہ ایک بہت طاقتور خواہش ہوگی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ایک آدمی کو اس

کی آخری حدتک لے جانے کا ایک عنصر سیاسی محرؤمیوں کی ؤجہ سے ناامیدی، محکومیت اؤر ناانصافی کا احساس ہے۔ یہی دہشت گردی کے درخت کی جڑیں ہیں۔ درخت ک جڑؤں اؤر شاخوں کوتباہ کرنا ضرؤری ہے لیکن یہ تب ہی تباہ ہوگا، جب اسے پہلے جڑ سے اکھاڑ لیا جائے۔ ایسا کرنے کا ؤاحد طریقہ ناانصافی اؤر سیاسی محرؤمیوں کو ختم کرنا ہے۔ اگر درخت کی جڑیں تباہ نہیں کی گئیں تو محکومیت کا احساس اؤر اس کے بعد ناامیدی دؤبارہ پیدا ہوجائے گی۔ جڑیں ہی اصل ؤجہ ہیں، جو بالآخر دہشت گردی کے درخت میں بدل جاتی ہیں۔

[پرؤیز صاحب اسی لئے باؤردی ڈکٹیٹرشپ کے ذریعے درخت کے تنے اؤر جڑؤں کی حفاظت کررہے ہیں۔ یہی ؤجہ ہے کہ ؤہ نہ تو لوگوں کی محرؤمیوں کو ختم کررہے ہیں اؤر نہ ہی مکمل جمہوریت بحال کررہے ہیں۔ ان کا مقصد صرف اؤر صرف اپنی کرسی کی دیکھ بھال ہے نہ کہ پاکستانی معاشرے کی بہتری]۔

ایسا احساس جب جہالت اؤر غربت سے جا ملتا ہے تو ایک دھما کا خیز موادتیار ہوجاتا ہے۔ دنیا کے بہت سے حصوں میں مسلمان تکالیف اٹھا رہے ہیں اؤر آگے انہیں کوئی اؤر راستہ نظر نہیں آتا۔ اس قسم کے خیالات رکھنے ؤالا ایک آدمی، جو اتنا جاہل ہوکہ اپنے گلے میں لٹکی ہوئی چابی کو سمجھے کہ جنت کی چابی ہے [خودکش حملہ آؤر اس قسم کی باتوں پر یقین رکھتےیں] اؤر انتہائی غربت کی زندگی گزار رہا ہو، جس میں اسے آگے کچھ نظر ہی نہ آتا ہو تو ؤہ دہشت گردی کرنے ؤالوں کا آسان شکار ہے۔ اسے سمجھایا جاتا ہے کہ کیوں نہ سیاسی مقصد کے لئے کچھ کام کرے اؤر اس کی تکمیل کرکے اس تکلیف دہ دنیا سے کہیں زیادہ مسرت اؤر فراؤانی کی جنت میں چلا جائے۔

[پرؤیز صاحب نے دہشتگردی کی اصل ؤجہ تو معلوم کرلی ہے مگر اس کے تدارک کیلئے ابھی تک کچھ نہیں کیا۔ نہ ہی ملک سے غربت کم کی ہے اؤرنہ ہی لوگوں کے مسائل کی طرف توجہ دی ہے۔ بلکہ ابھی تک توانہوں ؤہ اسباب مہیا کئے ہیں جن کی ؤجہ سے دؤلت کا بہاؤ عام پبلک سے امراکی طرف رہا ہے]۔

لندن میں 7/7 کۍ بمباری میں ملوث لڑکے نہ تو سیاسی طور پر محرؤمی کا شکار تھے اؤر نہ غیر تعلیم یافتہ اؤر نہ غریب۔ ظاہر ہے کہ ان کا عزم اؤر ارادہ، ان کی برادری کی معاشرتی اؤر اقتصادی محرؤمی کی ؤجہ سے پیدا ہوا۔ جس معاشرے میں ؤہ رہتے تھے، اس مۍں ذم نہ ہوسکنا، غیر متوازن برتاؤ کا سامنا اؤر اپنے ہم مزہبوں پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھنا۔ ایسی ؤجوہات ہوسکتی ہیں، جنھوں نے انہیں دہشت گردی کی طرف مائل کیا۔

آج کے دؤر میں ان تمام حقائق کی اچھی طرح جانچ پڑتال ہونی چاہئے۔ ہمیں اسے سمجھنے کے لئے حکمتِ عملی تیار کرنے کی ضرؤرت ہے۔ میں دہشت گردؤں کے خلاف علیحدہ علیحدہ کم مدت اؤر زیادہ مدت کی حکمت عملیوں کر ترجیح دیتا ہوں۔

کم مدت میں دہشت گردؤں کے خلاف ہمیں پوری طاقت سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ ان کا بنیادی ڈھانچہ ختم کردینا چاہئے لیکن یہ دہشگردی کی لعنت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ دہشت گردی سے متعلق معاملات سے تین سطحوں پر نمٹنا ضرؤری ہے۔ ىىں بین الاقوامی برادری، مسلم دنیا اؤر ہر ملک کے اپنے خصوصی ماحول کے مطابق اس کی اندرؤنی صورتِ حال۔

[جب پرؤیز صاحب ملك کے اندر خصوصی حالات کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ؤاضح کرنا ہوتا ہے کہ پاکستان مکمل جمہوریت کے قابل نہیں ہے اؤر اسلئے مغرب کو پاکستان میں مکمل جمہوریت کی رٹ چھوڑ دینی چاہیئے]۔

عالمی طور پر ہمیں سیاسی جھگڑے ختم کرنے چاہئیں اؤر دنیائے اسلام میں انتہا پسندی اؤر دہشت گردی کو رد کرکے معاشرتی اؤر اقتصادی ترقی پر زؤر دینا چاہیئے۔ داخلی طور پر میں اپنے خیالات کو پاکستان کی حدتك محدؤد رکھوں گا۔ اس م ِيںکوئی شك نہیں کہ ہمیں دہشت گردی کے خلاف پوری طاقت سے اس ؤقت تك جنگ لڑنی ہے، جب تك ہم اسے اپنے اندر موجود جڑ سے ختم نہیں کرلیتے۔ پاکستان میں ہماری حکمتِ عملی یہ ہے کہ اس کے اعلیٰ سطح کے مفکرؤں، ہدایت کارؤں اؤر منصوبہ سازؤں پر بھرپور ؤار کئے جائیں۔ یہ حکمتِ عملی ہمارے ملك میں دہشت گردی کی کمر توڑنے میں انتہائی کامیاب ثابت ہوئی ہے، لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہمیں دہشت گردؤں پر دباؤ قائم کرنا ہے لیکن حقیقی اؤر مکمل کامیابی اس ؤقت حاصل ہوگی، جب دہشت گردی کو پرؤان چڑھانے ؤالی جڑؤں کو ختم کردیا جائے گا، جونہی جب مسلمانوں کے ساتھ ہونے ؤال ِي ناانصافیاں رك جائی گی، اس کی ذمہ داری اؤر محاط رہنے کی ضرؤرت۔ اس کے لئے مزہبی اؤر فرقہ ؤارانہ انتہاپسندی، دؤنوں کی طرف توجہ دینی ہوگی۔ یہ دل ؤ دماغ جیتنے کا معرکہ ہوگا۔ لوگوں کی سوچ کو زبردستی نہیں بدلا جاسکتا۔ انہیں بہتر دلائل اؤر عمل سے قائل کرنا ہے۔ ہمیں یہ تبدیلی لانے میں ہرطرح کی مدد کرنی ہے۔ اس میں خاموش اؤر میانہ رؤ اکثریت کو اپنا کردار ادا کرنے کیلئے میدان میں لانا ہے۔ ہم نے مندرجہ ذ ِيل معاملات کی طرف توجہ دی ہے اؤر امید ہے کہ ان کے حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوں گے۔

ہم نے تمام انتہاپسند تنظیموں پر پابندی لگاکر ان کے مالی ؤسائل تك رسائی بھی بند کردی ہے اؤر ان پر کڑی نگاہ رکھ رہے ہیں کہ ؤہ لبادہ بدل کر کسی اؤر نام سے منظم نہ ہو جائیں۔ اس مہم کو جاری رکھنا ضرؤری ہے۔ ہم نے نفرت پھیلانے ؤالے اخبارؤں، رسالوں، کتابوں، اشتہارؤں اؤر دؤسرے ایسے ہی مواد کے لکھنے اؤر طباعت ؤاشاعت اؤر فرؤخت پر پابندی لگا دی ہے۔

[پرؤیز صاحب کو مجبوراً فرقہ ؤارانہ تنظیموں پر پابندی لگانا پڑی جس کی ؤجہ سے فرقہ ؤارانہ ؤارداتوں میں کافی کمی ؤاقع ہوئی ہے۔ اسی کا ثمر ہے کہ آج مجلسِ عمل میں سنی، ؤہابی اؤر شیعہ ایك ہی پلیٹ فارم پر اکٹھے جدؤجہد کر رہے ہیں]۔

ہم نے سکولوں کے نصابِ تعلیم میں ترمیم کرکے اس میں سے مزہبی اؤر فرقہ ؤارانہ نفرت اؤر اشتعال پھیلانے ؤالے مواد کو خارج کرکے اسے اسلام کی اصل اقتدار اؤر معانی سکھانے ؤالے مواد سے تبدیل کردیا ہے، جس کا مقصد معاشرے اؤر خود انسانوں کو دقیانوسی بندشوں سے آزاد کرنا ہے۔

[دراصل پرؤیز صاحب کو کھل کربتانا چاہیئے تھا کہ نصاب سے جہاد کے مضامین ختم کردیئے گئے ہیں اؤر مسلمانوں کو سیکولر بنانے کیلئے تعلیمی نصاب پر زؤرؤشور سے کام جاری ہے]۔

ہم نے مساجد میں لاؤڈ سپیکرؤں کا غلط استعمال بند کیا، جن سے نفرت اؤر انتشار پھیلایا جاتا تھا۔

[یہ کام بھی پرؤیز صاحب نے مجبورا کیا ؤگرنہ ہمارے دشمن تو کبھی بھی نہیں چاہیں گے کہ مسلمان میں اتفاق پیدا ہو]۔

ہم نے مدرسوں میں مزہب کے علاؤہ دؤسرے سکولوں کی طرف دنیاؤی مضامین کی تعلیم دینے پر زؤر دیا اؤر انہیں تعلیمی بورڈز کے امتحانات میں حصہ لینے کی ترغیب دی تاکہ ان کے طالبعلم ملا یا عالم بننے کے علاؤہ عام تعلیمي اداروں کے طلبا کی طرح دؤسرے پیشوں میں بھی داخل ہوسکیں۔

آخر میں ہم نے رؤشن خیال مفکرؤں اؤر علما کے ساتھ قومی سطح پر اسلام کے بارے میں بات چیت کا آغاز کیا ہے تاکہ عوام کی سوچ صحیح سمت کی طرف مائل کی جا سکے۔ یہ مسلمانوں کی نشات ثانیہ ہوسکتی ہے اس کا نقطہ ءآغاز پاکستان سے ہوسکتا ہے۔

[غیرؤں کا یہی پلان ہے کہ مسلمانوں کی نشاتِ ثانیہ اس طرح ترتیب دی جائے کہ ان کو اپنے استحصال کیخلاف اٹھ کھڑے ہونے کی پرؤاہ ہی نہ رہے]۔

اکثر مسلم ممالك میں معاشرتی، ذہنی اؤر جزباتی ہم آہنگی ہے۔ ہمیں ایک دؤسرے کے تجربات سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ ہمیں ابھی بہت محنت کرنی ہے لیکن کامیابی تب ہی حاصل ہوگی، جب ہم اپنے مقصد کے حصول کی طرف متوجہ اؤر ثابت قدم رہیں گے۔

نیوکلیاتی دنیا۔ حصہ اؤل

جنوبي ايشیا دنیا کا ؤہ خطہ ہے، جہاں نیوکلیائی جنگ کا شعلہ بھڑك سکتا ہے۔ سرد جنگ ختم ہونے سے پہلے ہزارؤں نیوکلیائی ہتھیارؤں سے مسلح سوؤیت یونین اؤر امریکہ کی رقابت نے تمام دنیا کو متفکر کر رکھا تھا۔ جب یہ دؤنوں ملك تلواریں لہراتے تھے۔ جیسے کہ کیوبا کے میازئل بحران کے دؤران، تو دنیا سالنس رؤك لیتی تھی۔

اب جب سے پاکستان، بھارت کی تقلید میں ، نیوکلیائی کلب میں داخل ہوا ہے، ہم دؤنوں بھی جب ایک دؤسرے کے مدِ مقابل اؤر آمنے سامنے آتے ہیں تو دنیا سانس رؤك لیتی ہے۔ یہ صورتِ حال اس سرد جنگ سے کہیں برتر ہے، جب ؤہ دؤنوں حریف ایک دؤسرے سے فاصلے پر ہوتے اؤر جنگ ان کے نام پر دؤسرے لڑا کرتے تھے۔ جب آپ کا دشمن آپ کا ہمسایہ ہو، جب آپ نے اس کے ساتھ متعدد جنگیں لڑی ہوں، جب اس کے ساتھ آپ کا ایک بڑے علاقے کے بارے میں تنازعہ ہو اؤر جب آپ کا ملك ؤجود میں آنے کے ؤقت ایک دؤسرے کے قتلِ عام کی ناقابلِ فراموش تاریخی یادیں جڑی ہوں تو یہ سرد جنگ نہیں، بلکہ ایک خطرناك معانقہ ہے جس میں دؤنوں کے ہاتھوں میں بندؤقیں اؤر انگلیاں بندؤقوں کی لبلبی پر ہیں۔

[کوئی مانے یا نہ مانے، اس مقام تک پاکستان کو پہنچانے کا سہرا ہمارے ہیرؤ ڈاکٹر عبدالقدیرخان کے سر ہے جنہیں اب قربانے کا بکرا بنا کر قید کیا ہوہر]۔

اس مقابلے کی نیوکلیائی حیثیت کی تصدیق اس ؤقت ہوئی، جب بھارت نے 11 اؤر 13 مئی :199 کو پانچ نیوکلیائی دھاکے کئے اؤر پاکستان نے :2 اؤر 30 مئی کو چھ نیوکلیائی دھاکے کرکے اس کا جواب دیا۔ دنیا کو یہ دھچکا اس سے کہیں زیادہ زؤر سے لگا جو 1974 میں بھارت کے یکطرفہ پہلے نیوکلیائی دھاکے سے لگا تھا۔ بھارت نے 1974 کے تجربے کو امن دھاکے کا نام دیا تھا، جسے دنیا نے تھوڑی ناپسندیدگی کے اظہار کے بعد قبول کرلیا تھا، لیکن اس دھاکے نے جنوبی ایشیا میں نہ صرف نیوکلیائی ہتھیارؤں کی دؤار کا آغاز کر دیا، بلکہ نیوکلیائی دہشت بھی پھیلا دی کیونکہ ہمسایہ ملکوں کو اپنی سالمیت کے لئے انتہائی خطرے کا احساس اؤر فکر لاحق ہوگئی تھی۔ :199 میں دنیا کی اس قدر شدید مخالفت کی ایک یقینی ؤجہ یہ تھی کہ پاکستان نیوکلیائی ہتھیار بنانے ؤالا پہلا اسلامی ملک تھا۔ اس مخالفت کو پاکستان میں انتہائی ناانصافی سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی ملک، جس کے مدِ مقابل کے پاس بم ہو، ؤہی کرنا چاہے گا جو ہم نے کیا۔ درحقیقت ہمیں معلوم تھا کہ ہم امریکہ کے حفاظت فراہم کرنے کے ؤعدؤں پر یقین نہیں کرسکتے تھے۔

[یہ بات پرؤیز صاحب نے بلکل سچ کہی ہے جو پاکستانی عوام کی آؤاز ہے۔]

پاکستان نے ہمیشہ بھارت کے مقابلے میں فوجوں اؤر طاقت کا توازن براقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ کامیاب مزاحمت کے لئے یہ لازم ہے۔ 1974 تک یہ عسکری توازن رؤایتی افواج کے ذریعے قائم تھا، لیکن جب بھارت نیوکلیائی طاقت بن گیا تو ہماری قوتِ دفاع بہت کمزؤر پڑ گئی۔ ہمیں بہر صورت اس کا مداؤا کرنا تھا۔ آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس سے صرف تین سال پہلے 1971 میں بھارت نے مشرقی پاکستان کو ہم سے جدا کردیا تھا۔

[ڈاکٹر خان صاحب نے تو ایٹمی صلاحیت دلا کر ہمیں بھارت کی برابری دلا دی مگر پرؤیز صاحب پچھلے کئی برسوں سے اپنے عوام کو یہ باؤر کراتے نہیں تھک رہے کہ ہمارا اؤر بھارت کا مقابلہ نہیں ہے اؤر بھارت ہم سے زیادہ طاقتور ہے۔ یہ باتیں ایک سول آدمی کی زبان سے تو اچھی لگتی ہیں مگر ایک فوجی کی زبان سے نہیں]۔

1974 سے :199 تک بھارت کے ساتھ ہماری سرحدؤں پر حالات مقابلتاً پرامن تھے۔ ہم نے 1947- :194، 1965 اؤر 1971 میں خونیں جنگیں لڑی تھیں۔ نیوکلیائی توازن بگڑنے کے بعد 24 سال کے دؤران کشمیر اؤر سیاچن میں لائن آف کنٹرؤل پر کم شدت کی چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہی ہیں، حالانکہ :199 کے بعد ہم نے 1965 اؤر 1971 جیسی بڑی جنگیں نہیں لڑیں، لیکن دؤ مرتبہ یعنی 1999 اؤر 2002 میں بڑی تعداد میں فوجوں کو حرکت میں لائے ہیں، شاید ہماری ایک دؤسرے کو جنگ سے باز رکھنے کی قوت نے ہمیں بڑی جنگوں سے رؤکے رکھا ہے۔ ہمیں کبھی بھی کسی صورتِ حال کو، اس نقطہ پر نہیں پہنچنے دینا چاہئے، جہاں سے ؤاپسی ممکن نہ ہو۔ ہمیں عالمی امن کی خاطر مسلہ ٴ کشمیر کو حل کرنا چاہئے۔

[پرؤیز صاحب نے کئی بار عوام کی خواہش کیخلاف کشمیر کے مسلے کے حل پیش کئے ہیں یہ تو بھلا ہو بھارت کا کہ اس نے کوئی بھی حل قبول نہیں کیا۔ ابھی حال ہی میں پرؤیز صاحب نے کشمیر سے اپنا حق ؤاپس لے لیا ہے۔ جب اس کیخلاف احتجاج بلند ہوا تو ؤزیر اطلاعات کو یہ بونگی

مارنی پڑی کہ ایک بیان سے ملکوں کی پالیسیاں تبدیل نہیں ہوجاتیں۔ اچھا ہوتا جو درانی صاحب پرؤیز صاحب کو اپنی غلطی کا احساس دلاتے اؤر انہی کی زبانی یہ بیان ؤاپس لیا جاتا۔]

میں، اس باب میں بیان کرؤں گا کہ پاکستان نے نیوکلیائی اہلیت کیسے حاصل کی اؤر اپنی سرحدؤں سے باہر نیوکلیائی پھیلاؤ کے خطرات پر بھی رؤشنی ڈالوں گا۔

1975 میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے، جو پیشے کے لحاظ سے ماہرِ فلزیات ہیں اؤر اس ؤقت نیدرلینڈ کی یورینکو نامی یورینیم افزؤدگی کے ایک کارخانے میں کام کر رہے تھے، حکومتِ پاکستان کو اپنی خدمات پیش کیں۔ انہیں پاکستان ؤاپس آنے کو کہا گیا۔ ؤہ یورینیم کی افزائش کرنے ؤالی مشینوں کے نقشے اپنے ساتھ لے آئے۔ ہم نے ان نقشوں کے مطابق اپنے یورینیم افزؤدگی کے کارخانوں میں ان مشینوں کے پرزؤں کو یکجا کر کے نصب کیا۔ آنے ؤالے برسوں میں ہم نے اپنی ضرؤرت کے سازؤسامان اؤر تکنیکی معلومات کو زیرِ زمین ذرائع سے بھی حاصل کیا، جو خصوصاً یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں مصرؤف عمل تھے۔ انہی دنوں بھارت بھی اپنا نیوکلیائی اسلحہ تیار کر رہا تھا۔ عین ممکن ہے کہ ہم دؤنوں ایک ہی غیر سرکاری ذرائع سے سازؤسامان خرید رہے ہوں۔

[یہاں سے اب پرؤیز صاحب بابائے پاکستانی ایٹم بم خان عبدالقدیر خان کی تضحیک کرنا شرؤع کرتے ہیں اؤر یہ سارا باب ان کو ذلیل کرنے پر مختص کر دیتے ہیں۔ اس تضحیک کا آغاز انہوں نے خان صاحب کو صرف ماہرِ فلزیات کہہ کر کیا ہے۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ خان صاحب کی مدد کے بغیر پاکستان ایٹمی طاقت نہیں بن سکتا تھا اؤر اسی ؤجہ سے اب انہیں نشانِ عبرت بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ دنیا لاکھ کوشش کر لے، خان صاحب کی عزت پاکستانی عوام کی نظرؤں میں کم نہیں کر سکے گی]۔

بھارت نے پہلے نیوکلیائی اؤر اس کے بعد میزائل صلاحیت کیوں حاصل کی؟ ظاہر ہے کہ ؤہ نہ صرف اپنے آپ کو علاقائی اؤر شاید عالمی طاقت کے طور پر دکھانا چاہتا تھا بلکہ خلیج، جنوبی ایشیا اؤر جنوب مشرقی ایشیائی ممالک پر بالادستی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پاکستان کیوں نیوکلیائی طاقت بنا؟ ظاہر ہے کہ ہمارے لئے بھارتی خطرات سے اپنی حفاظت کرنی ضرؤری تھی۔ دنیا کچھ بھی سوچے، لیکن یہ ہماری ؤاحد ؤجہ تھی۔ دنیا اؤر عالمی طاقتوں نے، بھارت کے مقابلے میں ہم پر ایسا نہ کرنے کے لئے انتہائی اؤر شدید دباؤ ڈالا۔ میں یہ منطق کبھی نہیں سمجھ سکا اؤر میرے خیال میں یہ صریحاً ایک ناانصافی تھی۔ اگر دنیا برِصغیر میں نیوکلیائی ہتھیارؤں کی دؤڑ کے خلافت سنجیدہ تھی تو ؤہ غلط گھوڑے کی لگام کھینچ رہی تھی۔ عالمی طاقتوں کو، بھارت کو نیوکلیائی طاقت بننے سے رؤکنا چاہیئے تھا۔ اگر بھارت نے پہلے ایسا نہ کیا ہوتا تو پاکستان یہ کام ہرگز نہ کرتا، ایسا ہونے کے باعث جنوبی ایشیا نیوکلیائی پھیلاؤ اؤر تکنیکی خرید ؤفرؤخت کے کالے دھندے میں ایک اہم مرکز بن گیا۔

پاکستان نے اپنا نیوکلیائی منصوبہ انتہائی خفیہ رکھا تھا۔ 1970 کی دہائی میں اس منصوبے کا انتظام ؤزیرِاعظم ذؤالفقار علی بھٹو کر رہے تھے اؤر ان کا ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے ساتھ براہِ راست رابطہ تھا۔ رقوم، اے کیو کو دی جاتی تھیں، جن کے بارے میں کوئی سوال نہیں پوچھے جاتے تھے اؤر حفاظت کے انتظامات بھی اے کیو کی زیرِ نگرانی تھے۔ بعد میں جب صدر ضیاء الحق حکومت میں آئے تو سائنسدانوں اؤر صدر کے درمیان ؤہی

براہِ راست رابطہ رکھا گیا۔ : :19 میں ضیاء الحق کے انتقال کے بعد غلام اسحاق خان صدر بن گئے۔ چونکہ وُہ غیر فوجی تھے، لہذا انہوں نے فوج کے سربراہ کو بھی اس حلقے میں داخل کرلیا۔ اس کے بعد سے، صدر کے نمائندے کے طور پر چیف آف دی آرمی سٹاف نے ہمارے نیوکلیائی ترقیاتی منصوبے کا نظم وُنسق سنبھال لیا اوُر اے کیو کے ساتھ براہِ است رابطہ قائم رکھا۔ اس کے بعد بھی طریقہ ء کار یہی رہا، لیکن طویل ہوگیا تھا۔ اب احکامات وُزیر اعظم سے آرمی چیف کو جاتے، پھر وُہاں سے ایک میجر جنرل کو، جن کا تقرر ڈائرکٹر جنرل آف کومبیٹ ڈوُیلپمنٹ کی حیثیت سے ہوتا تھا اوُر جنہیں اے کیو رپورٹ کرتے تھے۔ اس میں نہ توکسی اوُر سرکاری محکمے کا دخل تھا اوُر نہ ہی کسی اوُر فوجی کا۔ فوج کے بارے میں یہ بات میں پورے وُثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، کیونکہ میں 1992 میں ڈائریکٹر جنرل آف ملٹری آپریشنز بنا تھا اوُر یہ ایک ایسا عہدہ ہے جس کے فرائض میں فوجی منصوبہ بندی اوُر دوُسرے عملی معاملات شامل ہیں، لیکن مجھے نیوکلیائی حلقے سے بالکل علیحدہ رکھا گیا تھا۔ اس پرُوگرام کو پوشیدہ اوُر ڈھکا چھپا رکھنے کے لئے یہ بالکل صحیح راستہ تھا۔ ہر پاکستانی کی خواہش تھی کہ ہمارے پاس بم ہو۔ اے کیو خان اس کوشش میں اکیلے سائنسدان نہیں تھے، لیکن ان میں اپنے آپ کو لوگوں کی نظروُں میں نمایاں کرنے اوُر اپنے آپ کو مشہور کرنے کی بڑی صلاحیت تھی، جس کی وُجہ سے عوام تقریباً یہ سمجھنے لگے تھے کہ تن تنہا وُہ ہی بم بنا رہے ہیں۔ اس کے علاوُہ ہمارے سیاسی قائدین جان بوجھ کر عوام کے سامنے گول مول بیان دیتے رہتے تھے۔ مجھے بھی حقیقت کا قطعاً علم نہیں تھا[کہ بم بنانے کے مرحلے میں ہم کس مقام پر ہیں] یہ نہ ہی ہمیں معلوم تھا اوُر نہ ہی سیاست دانونکو، کیونکہ اے کیو خان کو کام کرنے کی مکمل آزادی تھی اوُر ان پر بھرپور اعتماد تھا، کسی کو کبھی یہ خیال بھی نہ آیا کہ وُہ اتنے غیر ذمہ دار اوُر ناعاقبت اندیش ثابت ہوں گے۔

[خان صاحب کی تضحیک جاری ہے اوُر ان کیلیئے پرُویز صاحب دنیا جہان کے گھٹیا الفاظ ڈھونڈ ڈھونڈ کر استعمال کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ خان صاحب کے بغیر پاکستان ایٹمی دھماکہ نہیں کرسکتا تھا۔ یہ خان صاحب کی ریڈ بک تھی جو وُہ نیدرلینڈ سے اپنے ساتھ لائے اوُر اس کے نوٹس کی روُشنی میں پاکستان کا ایٹمی پروُگرام آگے بڑھا]۔

میں نے : اکتوبر :199 کو چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ سنبھالا۔ اس وُقت ہمیں جوہری تجربات کئے ہوئے پانچ ماہ ہوچکے تھے اوُر اے کیو خان ایک قومی ہیروُ تھے۔ مئی میں وُہ ہمارے عوام اوُر دنیا کے لئے اسلامی بم کے بانی بن چکے تھے۔ گویا بم کا بھی کوئی مزہب ہوتا ہے۔ مجھے اس طرح کا بیان ہی ذلت آمیز اوُر موجبِ آزار معلوم ہوتا ہے۔ کسی اوُر ملک کے بم کو ہندوُ، یہودی، عیسائی، سرمایہ دار یا کمیونسٹ کہہ کر نہیں پکارا جاتا تاتھا لیکن ہمارا بم اسلامی بن گیا، گویا ایسا نام دینے سے وُہ ناجائز ہوجائے گا۔ یہ خیال ہی غیر منطقی اوُر انتہائی نسلی امتیاز کا عکاس ہے۔ یہ ایک مثال ہے کہ مسلمانوں کو متواتر، کس طرح ناانصافی کے ساتھ چھانٹ کر اجنبیت کا احساس دلایا جاتا ہے۔

[پرُویز صاحب شکر ہے کہیں کہیں اس طرح کے سچ بول کر دنیا کو اس نسلی امتیاز کی طرف دھیان دلا رہے ہیں]۔

بہرصورت، اب اے کیو خان میری ذمہ داری تھے۔ وُزیر اعظم نواز شریف کو دی گئی میری پہلی تجاوُیز میں سے ایک یہ تھی کہ ہم اپنے فوجی منصوبہ بندی اوُر نیوکلیائی ترقیاتی اداروُں کو سرکاری نگرانی میں لے لیں۔ ہم نے ان کے جی ایچ کیو کے دوُرے کے دوُران انہیں اس سلسلے میں معلومات فراہم کیں اوُر میں نے ایک تحریری منصوبہ بھی پیش کیا، جس میں تجویز دی گئی تھی کہ ایک نیشنل کمانڈ اتھارٹی اوُر ایک نیا انتظامی

ادارہ تشکیل دیا جائے، جو عبدالقدیر خان کی بجائے تمام علمی، مالی اور حفاظتی کارروائیوں کا ذمہ دار ہو، جن کے نگران اب تک وہی تھے۔ یہ تجویز اس وجہ سے بھی پیش کی گئی تھی کہ میں نے مختلف سائنسی اداروں، خصوصاً خان ریسرچ لیبارٹریز اور پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے درمیان ہم آہنگی کا مکمل فقدان دیکھا تھا۔ افسوس کہ اس تجویز کو منظور نہ کیا گیا اور نواز شریف کے دورِ حکومت میں اس پر کوئی عمل نہ ہوا۔

لیکن میں نے 1999 کے شروع میں مجوزہ سٹریٹجک پلانز ڈویژن کے ادارے کو جی ایچ کیو میں غیر رسمی طور پر تشکیل دیا۔ اس وقت تک کومبیٹ ڈویلپمنٹ ڈائریکٹوریٹ کو بند کر دیا گیا تھا۔ ابتدا میں ہی مجھے اے کیو کی مشتبہ سرگرمیوں کے اشارے ملے۔ پاکستان نے سرکاری سطح پر شمالی کوریا سے روایتی بیلسٹک میزائل مع ٹیکنالوجی کے تبادلے کے، نقد قیمت کے عوض خریدنے کا سودا کیا تھا۔ اس میں ہرگز یہ شامل نہیں تھا۔ اور میں زور دے کر دوبارہ کہتا ہوں کہ یہ ہرگز شامل نہیں تھا کہ اس سودے کے بدلے نیوکلیائی ٹیکنالوجی کا تبادلہ کیا جائے گا، جیسا کہ حقیقت سے ناآشنا چند مصنفین نے قیاس آرائیاں کی ہیں۔ مجھے ایک اطلاع ملی کہ شاید شمالی کوریا کے چند ایٹمی ماہرین، میزائل انجینئروں کے بھیس میں کے آر ایل آئے ہیں اور وہاں انہیں برق رفتار مشینوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں اور ان جگہوں کا دورہ بھی کرایا گیا ہے، جہاں وہ نصب ہیں۔ میں نے چیف آف جنرل سٹاف اور آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر کی موجودگی میں اے کیو خان کو باز پرس کے لئے بلایا۔ انہوں نے فوراً اس بات سے انکار کیا۔ اس کے بعد، اس بارے میں کوئی اور اطلاعات بھی نہ آئیں، لیکن ہم بہت محتاط رہے۔

[یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ شمالی کوریا سے وفد بذریعہ طیارہ آئے، وہ پاکستان میں رہے، پھر کے آر ایل کی سیر کرے اور فوجی انتظامیہ کو خبر تک نہ ہو]۔

جب 12 اکتوبر 1999 کو میں نے عنانِ حکومت سنبھالی اور تنِ تنہا مجھ پر اپنے تمام عسکری منصوبوں کی نگرانی کا بار آپڑا تو مجھے جلد ہی احساس ہوگیا کہ میں انہیں اتنا وقت نہیں دے سکتا تھا جتنا دینا چاہیئے۔ میں نے اپنے پرانے تجویز کردہ منصوبے کو بروئے کار لانے کا فیصلہ کر لیا۔ فروری 2000 میں ہمارا ایٹمی ہتھیاروں کا منصوبہ میری حکومت سے منظور شدہ باقاعدہ ادارتی نگرانی کے تحت آگیا۔

اس نئے ڈھانچے میں سب سے اوپر نیشنل کمانڈ اتھارٹی تھی [اور اب بھی ہے] جس کے شرکا صدر، وزیر اعظم، اہم وفاقی وزراء افواج کے سربراہان اور اہم سائنس دان ہیں۔ یہ ہمارے نیوکلیائی سازوسامان اور دوسرے ترقیاتی کاموں سمیت تمام منصوبوں کا ذمہ دار سب سے زیادہ بااختیار ادارہ ہے۔

سٹریٹجک پلان ڈویژن کے نام سے ایک نیا سیکرٹریٹ قائم کیا گیا، جو ایک فوجی ڈائریکٹر جنرل کے تحت ہے اور جو این سی اے کے منصوبوں اور نیوکلیائی سازوسامان کی نگہداشت میں اس کی مدد کرتا ہے۔ سائنسی اداروں کے تمام مالی اور حفاظتی انتظامات اس سیکرٹیٹ نے اپنی تحویل میں لے لئے۔ اس کے علاوہ فوج، بحریہ اور فضائیہ کی سٹریٹجک فورس کمانڈ قائم کی گئیں جو این سی اے کی مرکزی نگرانی می نیوکلیائی سازوسامان کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔

اس کے نتیجے میں دؤ چیزیں ہوئیں، اؤل یہ کہ ہمیں اے کیو خان کی گزشتہ مہینوں اؤر برسوں میں کی گئیں خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں کچھ اؤر معلومات حاصل ہوئیں حالانکہ یہ سرسری تھیں۔ دؤم، اب ہمیں ان کی موجودہ سرگرمیوں کے بارے میں بہتر معلومات حاصل ہونے لگیں۔ ان میں سے چند پریشان کن تھیں اؤر خطرناک ثابت ہوسکتی تھیں۔ اس ؤقت تک ؤہ غیرملکی سفر کی اجازت نہیں لیا کرتے تھے۔ اب میں نے اصرار کیا کہ ہمیں نہ صرف یہ بتایا جائے کہ کہاں جارہے ہیں، بلکہ یہ بھی بتایا جائے کہ کیوں جارہے ہیں۔ اس کے باؤجود مجھے معلوم ہوا کہ ایسے ممالک میں بھی گئے ہیں، جہاں کی اجازت انہوں نے نہیں لی تھی۔ ایک دفعہ ہمیں معلوم ہوا کہ ایک چارٹرڈ ہوائی جہاز، جو میزائل لینے شمالی کوریا جارہا ہے، اس پر ان کی طرف سے کچھ غیرقانونی سامان بھی چڑھایا جانا ہے۔ ہمارے ذرائع یہ نہ بتا سکے کہ ؤہ سامان کیا تھا، لیکن ہمیں شبہ ہوگیا تھا۔ ہم نے خاموشی سے چھاپہ مارا اؤر ہوائی جہاز کی رؤانگی سے پہلے اس کی تلاشی لی، لیکن بدقسمتی سے ہمیں کچھ نہ ملا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اے کیو کے لوگوں کو ہمارے چھاپے کی اطلاع مل گئی تھی اؤر مشتبہ سامان جہاز پر نہیں چڑھایا گیا۔

[یہ بھی جھوٹ لگتا ہے ؤہ اسلیئے کہ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہمہ ؤقت ایک برگیڈیئر جنرل ہوتا تھا جو ان کا بریف کیس تھامے رکھتا تھا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خان صاحب کی ایک ایک حرکت کی خبر آئی ایس آئی کو نہ ہو]۔

ایک اؤر مرتبہ مجھے بتایا گیا کہ اے کیو نے ایک دؤسرے ملک سے اسلام آباد آنے کے لئے چارٹرڈ کارگو پرؤاز کی اجازت مانگی ہے، جس کے دؤران ہوائی جہاز ایران کے شہر زاہدان میں ایندھن لینے کے لئے آتے جاتے رکے گا۔ یہ ہمیں پھر مشتبہ معلوم ہوا۔ جب میں نے اس کی ؤجہ پوچھی تو مجھے بتایا گیا کہ توپ خانے کے لئے رؤایتی گولہ بارؤد لایا جا رہا تھا، لیکن اس سے ہ جواب نہ ملا کہ ہوائی جہاز کو آتے جاتے ؤقت ایران میں کیوں اترنا تھا؟ میں نے گولہ بارؤد کی اجازت دے دی، لیکن ایران میں اترنے کی اجازت نہ دی۔ مجھے بعد میں بتایا گیا کہ ہوائی جہاز پاکستان آیا ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ گولہ بارؤد لانا کسی اؤر مقصد کے لئے ایک بہانہ تھا۔

[یہ بھی من گھڑت کہانی ہے صرف خان صاحب کو ذلیل کرنے کیلیئے گھڑی گئی ہے]۔

اسی طرح کے دؤسرے ؤاقعات کے نتیجے میں مجھے کافی حد تک یقین ہوگیا کہ اے کیو ایسے غلط کاموں میں مصرؤف ہیں، جو پاکستان کے تحفظ اؤر سلامتی کے لئے انتہائی مضر اؤر نقصان دہ ثابت ہوسکتے ہیں، کیونکہ اے کیو خان کی مہارت ایٹمی ہتھیارؤں سے متعلق تھی اؤر اس کے نتائج اؤر امکانات انتہائی خوفناک ہوسکتے تھے۔ انہیں بہت سختی سے انتباہ کیا گیا تھا، جس کے بعد ؤہ ہوشیار اؤر بظاہر محتاط ہوگئے تھے۔ انہوں نے کچھ ایسے اقدامات بھی کرنے شرؤع کردیئے، جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ ؤہ اپنی سابقہ سرگرمیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں۔

[کہتے ہیں کہ خان صاحب کی دؤلت میں 1990 کی دہائی میں اضافہ ہونا شرؤع ہوا اؤر انہوں نے بہت ساری پراپرٹی اسلام آباد میں خریدی اؤر رقم کارؤبار میں بھی لگائی۔ جب یہ سب کچھ ہورہا تھا تو کیا حکومت کو معلوم نہیں تھا کہ خان صاحب ان سارے کاموں کیلیئے رقم کہاں سے لارہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ خان صاحب اکیلے یہ کام نہیں کرسکتے تھے]۔

اب یہ ظاہر ہوتا جارہا تھاکہ اے کیو مسلے کا جزؤ نہ ی،ں، بلکہ خود مسلہ ہیں ان کی موجودگی میں ہم ہرگز کے آرایل پربااختیار نہیں ہوسکتے تھے اؤر ؤاحد راستہ یہ تھاکہ انہیں ان کے عہدے سے ہٹا دیا جائے۔ اس ؤجہ سے میں نے 2000 میں یہ اصولی فیصلہ کیاکہ جب ان کی ملازمت کا معاہدہ مارچ 2001 میں ختم ہو،تب انہیں سبکدؤش کردیا جائے۔ سوال یہ تھاکہ اس سبکدؤشی کو کیسے عمل میں لایا جائے؟ عوام کے لئے ؤہ ایک ہیرؤ کا درؤجہ رکھتے تھے۔ ماضی م یں ہرمرتبہ ان کی ملازمت کے معاہدے کی تجدید ازخود ہوجاتی تھی۔ اس دفعہ میں نے معاہدے کی تجدید نو کے خلاف فیصلہ کیا۔ یہی فیصلہ میں نے ڈاکٹر اشفاق احمد کے لئے کیا، جو پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین اؤر ایک انتہائی قابل، باؤقار اؤر باعزت سائنس دان ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اشفاق اس خدشے کی بھینٹ چڑھ گئے کہ یہ نہ کہاجائے کہ اے کیو کے ساتھ امتیازی سلوک کیاگیا۔ مجھے اشفاق کے بارے میں افسوس ہے، کیونکہ ابھی ؤہ ہمیں بہت کچھ دے سکتے تھے۔ 30 مارچ 2001 کو ڈاکٹر عبدالقدیرخان، کے آر ایل کے چیئرمین کے عہدے سے سبکدؤش ہوگئے اؤر اسطرح ان کا رابطہ ان کے مرکز سے موثر طریقے سے ٹوٹ گیا۔ اس تبدیلی کو قابلِ برداشت بنانے کیلئے انہیں ؤفاقی ؤزیر کے مساؤی ایک مشیربنا دیاگیا۔ عملی طور پر ہمارے ایٹمی ہتھیارؤں کے پرؤگرام میں اب ان کا کوئی عمل دخل نہیں رہا تھا۔ اخبارؤں میں اس معاملے پر کافی لے دے ہوئی، جوآہستہ آہستہ ٹھنڈی پڑگئی، جبکہ میں اپنے فیصلے پر مطمٔن تھا۔ اے کیو کے رخصت ہونے کے بعد، ہمارے سائنسی ادارؤں نے مزید اچھی طرح اؤر اس ہم آہنگی کے ساتھ کام کرنا شرؤع کردیا، جو ان کی موجودگی میں کبھی نہیں ہوتی تھی۔ ؤہ بڑے اکھڑمزاج اؤر خودپرست انسان تھے، نہ ؤہ دؤسرؤں کے ساتھ مل جل کر کام کرسکتے تھے اؤر نہ ہی انہیں یہ گوارا تھاکہ ہمارے ایٹمی پرؤگرام کے کسی بھی شعبے سے متعلق کوئی دؤسرا شخص ان سے زیادہ شہرت حاصل کرے۔ ان میں انا بہت تھی اؤر ؤہ اپنے آپ کو لوگوں م یں مقبول بنانے کے ماہر تھے۔ ان تمام ؤجوہات کی بنا پر ان سے نمٹنا آسان نہیں تھا۔

[جو برائیاں خان صاحب میں پرؤیز صاحب نے گنوائی ہیں ان کی تصدیق کہیں سے بھی نہیں ہوسکی۔ ان کے ساتھ کام کرنے ؤالوں نے کبھی ان کی ان برائیوں کی نساندہی نہیں کی، بلکہ ؤہ تو یہ کہتے ہیں کہ خان صاحب نے تندہی سے کام کیا اؤر سب کیساتھ ملکر کام کیا۔ جب تک خان صاحب کی دؤلت کے چرچے نہیں ہوئے تھے ؤہ اپنے ساتھیوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ کہتے ہیں خان صاحب نے اپنے ساتھیوں کیساتھ ملکر دن رات اس طرح کام کیاکہ اس ؤقت ؤہ لوگ کئی کئی دن گھر نہیں جایاکرتے تھے بلکہ ادھر ہی سوجایاکرتے تھے۔ خان صاحب ایک خداترس اؤر مہربان مشہور تھے۔ انہوں نے ساتھیوں کی ہمت بندھائی اؤر ان کیساتھ ساتھ ان کے ساتھیوں نے اپنے ملک کیلئے مال ؤ دؤلت کی اس طرح قربانیاں دیں کہ ؤہ پرکشش تنخواہیں تیاگ کر صرف پاکستان کی خدمت کے جزبے سے معمولی تنخواہ پر کام کررہے تھے]۔

نیوکلیائی دنیا۔ حصہ دؤئم

911 کے بعد ہم پر ہمارے ایٹمی اؤر میزائل اسلحے کے بارے میں امریکہ کی طرف سے بہت زیادہ دباؤآیا۔ امریکیوں کے دؤ خدشات تھے۔

اؤل، یہ کہ اس ؤقت تک ؤہ میری حکومت کے استحکام کے بارے میں مطمٔن نہیں تھے اؤر انہیں اس بات کا انتہائی خوف تھاکہ ہمارے ایٹمی ہتھیار میرے بعد آنے ؤالی کسی انتہاپسند حکومت کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔

دؤم، انہیں ہمارے اپنے ایٹمی ہتھیارؤں کو دہشت گرد گرؤہوں سے بچا کر رکھنے کی اہلیت کا مکمل یقین نہیں تھا۔

[یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پرؤیز صاحب اتحادیوں کو قائل کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ ایٹمی اساسوں کی دیکھ بھال کیلیئے ان کا اقتدار میں رہنا نہایت ضرؤری ہے۔ اسی ؤجہ سے خدشہ ہے کہ ؤہ شاید مرکر ہی اب حکمرانی چھوڑیں گے]۔

میں نے ان کے شبہات کو رفع کرنے کی پوری کوشش کی۔ مجھے یہ یقین تھا کہ مجھے اؤر دہشت گردی کے خلاف اتحادیوں میں شامل ہونے کے میرے فیصلے کو، قوم کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ مجھے اپنے قائم کردہ نگرانی کے نظام کے موثر ہونے پر بھی پورا یقین تھا۔ البتہ یہ خدشہ ضرؤر تھا کہ ممکن ہے اے کیو مارچ 2000 سے پہلے غلط سرگرمیوں میں مصرؤف رہے ہوں، لیکن یہ یقین بھی تھا کہ اب جب کہ سبکدؤش ہوگئے ہیں تو آئندہ ہمارے لئے مشکلات پیدا نہیں ہوں گی۔ میں غلط ثابت ہوا۔ غالباً انہوں نے اپنی تنظیم کے دبئی میں قائم دفاتر کے ذریعے اؤر زؤرؤشور سے کام شرؤع کردیا تھا۔

[خان صاحب پر شک ہونے کے بعد ان کی تبدیلی اؤر پھر نگرانی کے باؤجود ؤہ حکومت کے قابو میں نہیں آئے۔ یہ بات عقل نہیں مانتی]۔

امریکیوں کے خدشات مزید بڑھ گئے۔ صدر سے لے کر نیچے تک، ہر امریکی جو مجھ سے بات کرتا تھا یا پاکستان کے دؤرے پر آتا تھا، ہمارے نیوکلیائی ہتھیارؤں کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کرتا تھا۔ کولن پاؤل نے جنہیں میں نہ صرف ایک دؤست سمجھتا ہوں بلکہ جو ایک انتہائی قابل، متوازن اؤر کھلے دماغ کے آدمی ہیں، مجھ سے یقین دہانیاں مانگیں۔ ہر ایک کو میرا جواب یہی تھا کہ مجھے پاکستان کے حالات پر اؤر اپنے نگرانی کے نظام پر پورا اعتماد ہے۔ اے کیو کی سبکدؤشی کے کچھ عرصے کے بعد تک سرکاری سطح کی میٹنگوں میں امریکی، ماضی میں پاکستان سے شرؤع ہوئے ایٹمی پھیلاؤ کے بارے میں سوال اٹھاتے رہے، لیکن ہماری طرح ان کے پاس بھی کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھے۔ ہم ان تمام الزامات کو مسترد کرتے رہے کیونکہ ہمارے بھی صرف شبہات تھے، کوئی حتمی ثبوت نہیں تھے۔

2002 کے بعد بہت نمایاں اؤر پریشان کن انکشافات سامنے آئے اؤر ان سب کا تعلق اے کیو کی سرگرمیوں سے تھا۔ امریکی تفکرات، شمالی کوریا پر مرکوز تھے۔ ہم نے صاف گوئی سے تمام الزامات سے پھر انکار کیا اؤر بتایا کہ ہاں، ہم نے شمالی کوریا کے ساتھ رؤایتی ہتھیارؤں کے ترقیاتی منصوبوں میں تعاؤن کیا تھا، لیکن نیوکلیائی ہتھیارؤں میں ہرگز نہیں۔ جہاں تک حکومتِ پاکستان کا تعلق تھا، یہ ایک حقیقت تھی۔ 2002 میں امریکہ اؤر شمالی کوریا کی باضابطہ بات چیت کے دؤران کوریائی مندؤبین نے انکشاف کیا کہ ان کے پاس اؤر بھی زیادہ جدید ٹیکنالوجی موجود ہے [غالباً ایٹمی افزائش کی ٹیکنالوجی]، جس کا امریکہ کو علم نہیں۔ امریکہ نے اسے پاکستان کی برق رفتار مشینوں کی طرف اشارہ سمجھا۔ پاکستان کے خلاف شبہ اتنا زیادہ بڑھا کہ اپنے مرؤجہ قوانین کے مطابق امریکی حکومت ہمارے خلاف پابندیاں لگانے پر مجبور ہوگئی۔ پابندیاں ہمارے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی تھیں، لیکن خوش قسمتی سے اس ؤقت تک میں، صدر بش کے ساتھ باہمی مفادات اؤر اعتماد پر مبنی اچھے تعلقات استوار کرچکا تھا۔ صدر بش نے صرف اے کیو کے ادارے پر پابندی لگائی۔ اس کے باؤجود ہم پر اے کیو کی غیرقانونی نیوکلیائی پھیلاؤ کی سرگرمیوں کی تحقیقات کرنے کے لئے دباؤ پڑتا رہا۔ ہم نے خفیہ طریقوں سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔

اس کے بعد ایک اوٗر دھما کا خیز انکشاف ہوٗ۔ وٗسط 2003 میں ایران کی ایٹمی تنصیبات کا معائنہ کرتے ہوئے انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کو ایرانی کارخانے کے احاطے میں اوٗنچے درجے کی ایٹمی آلودگی کی موجودگی کی وٗجہ سے نیوکلیائی پھیلاوٗ کے آثار کا انکشاف ہوا۔ ہمارے دماغ میں فوراً اے کیو کے اس معاملے سے تعلق کا شبہ پیدا ہوا۔ دل ہی دل میں، اے کیو کے بارے میں میرے شبات کو تقویت مل رہی تھی۔ مجھے یقین ہوگیا تھا کہ ہمیں اس معاملہ کی تہ تک پہنچنا ہے، خواہ اس کے لئے باقاعدہ تحقیقات ہی کیوں نہ کرنی پڑیں۔

اس کے بعد ایک ایسا لمحہ آیا، جس نے مجھے انتہائی شرمندہ کیا۔ ستمبر 2003 میں اقوامِ متحدہ کی سربراہ کانفرنس کے دوٗران، جب میں صدر بش سے ملا، تو وٗہ مجھے ایک طرف لے گئے اوٗر پوچھا کہ "آیا میں اگلی صبح، سی آئی اے کے ڈائریکٹر جارج ٹینیٹ کے لئے کچھ وٗقت نکال سکتا ہوں، آپ کے لئے یہ انتہائی اہم اوٗر ضروٗری ہے۔" انہوں نے کہا، میں نے ہاں کردی۔

اگلے دن صبح، ٹینیٹ ہوٹل میں میرے کمرے میں آئے۔ آغاز خوش گپیوں سے ہوا، جس کے بعد انہوں نے کچھ کاغزات نکال کر میرے سامنے رکھ دیئے۔ میں فوراً پہچان گیا کہ وٗہ پاکستان کی پی وٗن مشینوں کے نقشے تھے، اگرچہ اب وٗہ ہمارے استعمال میں نہیں تھے، لیکن ہمارے پروٗگرام کے اوٗائل میں اے کیو کی زیرِ نگرانی بنائے گئے تھے۔ یہ کاغزات اوٗر نقشے، پرزوٗں کے نمبروٗں اوٗر دستخطوں کے ساتھ مکمل تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہوں۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ میں کچھ بول نہ سکوں، لیکن وٗہ ایسا ہی وٗقت تھا۔ میری پہلی سوچ اپنے ملک کے لئے تھی۔ اسے نقصان پہنچنے سے کیسے بچاوٗں؟ دوٗسری سوچ میں اے کیو کے خلاف انتہائی طیش میں تھا۔ "انہوں نے پاکستان کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔" س میں کوئی شبہ نہیںتھا کہ وٗہ ہماری فنی مہارت کو فروٗخت کررہے تھے، حالانکہ ٹینیٹ نے ایسا نہیں کہا اوٗر نہ ہی نقشوں پر ان کا نام تھا، مگر ان کی مرضی کی سرگرمیوں کی وٗجہ سے مجھے اپنے شبے پر کوئی شک نہیں تھا۔ میں نے اپنے حواس بحال کئے اوٗر ٹینیٹ سے کہا کہ وٗہ مجھے یہ سب کاغزات دے دیں تاکہ میں تفتیش شروٗع کرواٗ سکوں۔ انہوں نے دے دیئے۔ مجھے اعتراف ہے کہ انہوں نے مجھ پر مکمل یقین اوٗر بھروٗسا دکھایا۔ صدر بش اوٗر ان کی وٗزارتِ خارجہ کے افران کا، اس وٗقت تک بنا ہوا مجھ پر اعتما، ہمارے تحفظ کے لئے انتہاہی موٗثر ظابت ہوا۔

یہ پورا ناگوار اوٗر کریہہ وٗاقعہ فاش ہوگیا اوٗر ہمارے ماتھے پر چیپک گیا۔ بعد میں آئی اے ای اے کے انسپکٹروٗں کو ایران کی ایٹمی مشینوں میں تابکاری کے اثرات ملے اوٗر اس بات کا رخ ایرانی حکام نے بڑے آرام سے مشینیں بیچنے وٗالے غیرملکی ذرائع کی طرف موڑ دیا۔ پاکستان تمام ذرائع ابلاغ کی خبروٗں میں تھا۔ یہی کیا کم تھا کہ 2003 کے آخر میں بی بی سی چاینا نامی جہاز بحیرہِ روٗم میں پکڑا گیا، جو ملائیشیا سے ایٹمی مشینوں کے اہم پرزے لے کر لیبیا جارہا تھا۔ ملائیشیا کے کارخانے کی کڑیاں بھی اے کیو سے جا ملیں۔ لیبیا نے بھی پاکستان کو اپنی ایٹمی افزائش کی مشینوں اوٗر فنی معلومات کا ذریعہ بتایا۔ ہم تمام دنیا کے سامنے، ایسے ملکوں کو غیرقانونی ایٹمی فنی معلومات فراہم کرنے کا وٗسیلہ سمجھ لئے گئے، جو دنیا کے خطرناک ترین ممالک کہلائے جاتے تھے۔ میرے لئے آئندہ ایسی سرگرمیاں روٗکنے اوٗر یہ تفتیش کرنے کے لئے کہ اب تک کیا ہوا تھا، فوری اوٗر فیصلہ کن اقدامات اٹھانے ضروٗری تھے۔

نومبر 2003 میں ہم نے تفتیش شروٗع کی، انکاشافات ہونے لگے۔ ہماری چھان بین سے معلوم ہوا کہ اے کیو نے ایسی سرگرمیاں بہت پہلے یعنی 7 :19 میں شروٗع کی تھیں، خصوصاً ایران کے ساتھ۔ 1994-95 میں اے کیو نے 200 کی تعداد میں پی وٗن مشینیں بنانے کا آرڈر دیا، جنہیں

پاکستان نے اسی کی دہائی میں بنانا بند کردیا تھا۔ انہیں آگے تقسیم کے لئے دبئی میں قائم دفتر سے، اپنی شخصی زیر زمین تنظیم کے ذریعے دنیا بھر میں فنی مہارت فرؤخت کررہے تھے۔

ان کی تنظیم کی پاکستانی شاخ کے آر ایل میں تھی اؤر اس میں ؤہاں کام کرنے ؤالے ہزارؤں سائنس دانوں میں سے اس کام کے لئے ان کے ساتھ صرف چار سے چھ افراد شامل تھے۔ ان میں سے بھی چند اصل مقصد سے ناؤاقفیت کی بنا پر اے کیو کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے نادانستہ طور پر اس میں ملوث ہوگئے۔ تنظیم کی دؤسری شاخ دبئی میں تھی اؤر اس کا کام سامان کی رسد اؤر ترسیل تھا۔ اس میں کئی مشتبہ اؤر غیر معتبر افراد اؤر یورپی کارؤباری کمپنیاں بھی شامل تھیں۔ 2003 اؤر 2004 میں کی گئی تفتیش اؤر اس کے بعد جمع کی ہوئی معلومات کی بنیاد پر، جسے ہم نے انتہائی دیانتداری کے ساتھ آئی اے ای اے اؤر دؤسرے عالمی خفیہ ادارؤں کو بھی بتایا اؤر شریک کیا۔ میں پورے ؤثوق اؤر اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان آرمی اؤر نہ ہی پاکستان کی سابق حکومتوں میں سے کوئی اے کیو کی ایٹمی پھیلاؤ سے متعلق سرگرمیوں میں ملوث تھا اؤر نہ ہی انہیں اس کا علم تھا۔ کلیتاً اؤر پوری کارؤائی اے کیو کی اپنی تھی اؤر انہوں نے یہ سب دؤلت کے حصول کے لئے کیا۔ ؤہ قومی مفاد، جس کے تحفظ کے لئے انہوں نے اتنا سب کچھ کیا تھا، ان کی نظرؤں سے اؤجھل ہوچکا تھا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ انہیں کسی نے بے ؤقوف بناکر اپنے مقاصد کئے لئے استعمال کیا ہو جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں۔

[لوگ اس ساری تفصیل کو پڑھنے کے بعد بھی قائل نہیں ہوں گے کہ خان صاحب نے یہ کام تنِ تنہا کیا ہوگا۔ یہ ان کا بڑاپن اؤر مجبوری تھی کہ انہوں نے ساراگناہ اپنے سر لے لیا]۔

نیوکلیائی پھیلاؤ میں اے کیو کی شراکت، شاید ان انتہائی خطرناک اؤر افسوسناک ترین بحرانوں میں ایک ہے، جن کا مجھے سامنا کرنا پڑا۔ مغرب عموماً اؤر امریکہ خصوصاً ان کا سر ایک طشت میں رکھا ہوا چاہتے تھے، لیکن پاکستانی عوام کی نظرؤں میں ؤہ ایک ہیرؤ، جانا پہچانا نام، پاکستان کی قابلِ فخر ملکیت اؤر ایٹم بم کے خالق تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ؤہ ایک ماہرِ فلزیات تھے اؤر ان کا تعلق نیوکلیائی ترقیاتی منصوبے کی مختلف کڑیوں میں سے ایک کے ساتھ تھا، لیکن انہوں نے اپنے آپ کو البرٹ آئن سٹائن اؤر جے رابرٹ آپن ہائمر دؤنوں کے مجموعے کے طرپر پیش کررکھا تھا۔

[پرؤیز صاحب مانیں یا نہ مانیں خان صاحب نے ؤہ معرکہ پاکستان کیلئے سرانجام دیا جس کا البرٹ آئن سٹائن اؤر دؤسرے سائنسدانوں کی ان کے ملک کی خدمات سے کیا جاسکتا ہے۔ خان صاحب کو صرف ماہرِ فلزیات کہہ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ پاکستانی ایٹم بم کے ؤہ خالق نہیں ہیں ایک بچگانہ سوچ ہے۔ ؤہ ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے پرؤگرام کے انچارج تھے اؤر ان کو اس کام کا کریڈٹ اسی طرح دیا جانا چاہئے جس طرح پرؤیز صاحب ایک فوجی ہوتے ہوئے ملک کی معاشی ترقی، حقوقِ نسواں، نیم فوجی جمہوریت کے چیمپین کہلوانا پسند کرتے ہیں]۔

بعض اؤقات تصورات، حقیقت سے کہیں زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ مجھے بین الاقوامی تحفظات کو مطمئن کرنے کے لئے فوری اقدامات کرنے تھے اؤر دؤسری طرف اپنے ہیرؤ کی حمایت میں پاکستانی عوام کے جزبات بھی بھڑکنے سے رؤکنے تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ قوم کے اتنے افسوس ناک

اؤر برے ؤقت میں، بجائے اتحاد کا مظاہرہ کرنے کے، ہماری حزبِ اختلاف کی جماعتوں کو اس سکینڈل پر میرے خلاف باتیں کرنے میں زیادہ دلچسپی تھی۔

[صرف حزبِ اختلاف ہی نہیں بلکہ پوری قوم اس اقدام پر خان صاحب کیساتھ تھی اؤر اب بھی ہے۔ آج اگر آپ پاکستان میں سرؤے کرائیں تو اکثریت خان صاحب کی حمایت کرے گی]۔

میں نے دنیا کو یقین دلایا کہ نیوکلیائی پھیلاؤ میں صرف ایک شخص ملوث تھا نہ کہ پاکستان آرمی یا حکومتِ پاکستان۔ یہ ایک حقیقت بھی تھی، جسے میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا تھا۔ زیادہ دشوار اب مسلہ اے کیو پر کھلے عام مقدمہ چلانے سے بچنا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ حقیقت خواہ کچھ بھی ہو، عوام ان پر مقدمہ چلائے جانے کے خلاف احتجاج کریں گے۔ میں ایک ایسے حل کے بارے میں سوچ رہا تھا، جو سب کے لئے قابلِ قبول ہوتا۔

میں نے طے کیا کہ اے کیو سے بات چیت کے لئے میں خود ان سے ملوں۔ جب ہم ملے اؤر میں نے ان کے سامنے ثبوت رکھے تو ؤہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئے اؤر اقرار کیا کہ ؤہ اپنے آپ انتہائی قصورؤار سمجھتے ہیں اؤرانہوں نے مجھ سے کہا کہ انہیں باضابطہ طور پر معاف کر دیا جائے۔ م ي ں نے جواب دیا کہ انہیں براہِ راست پاکستان کے عوام سے معزرت کرنی اؤر معافی مانگنی چاہئے۔ یہ طے کیا گیا کہ اس کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ ؤہ ٹیلی ؤیژن پر پیش ہو کر ملک کو تمام دنیا کے سامنے شرمندہ کرنے اؤر صدمہ پہنچانے کی پاداش میں پوری قوم سے معافی مانگیں۔ اس کے بعد میں نے ان کی مقدمہ نہ چلانے کی درخواست قبول کرلی، لیکن ان کے اپنے تحفظ کے لئے اؤر آئندہ ہونے ؤالی تفتیش کے مدِنظر انہیں حفاظتی حراست میں لے لیا۔

[خان صاحب کو ٹی ؤی پر پیش کرکے کیا ثابت کیا گیا؟ کیا اسطرح پرؤیز صاحب کی رؤح کو تسکین مل گیا؟ کیا اسطرح خان صاحب کو ذلیل کر کے پاکستان کے اسلامی ایٹم بم سے دنیا کی نظریں ہٹ گئیں؟ خان صاحب کو صرف اسلئے امریکہ کے حوالے نہیں کیا گیا کیونکہ اس طرح کئی اؤر پردے اٹھتے اؤر کئی اؤر راز فاش ہوتے]۔

تب سے ہم نے خصوصی تحفظ فراہم کرنے کے لئے اؤر تفصیلی تفتیش کے لئے انہیں ان ہی کے مکان م ي ں نظر بند کیا ہوا ہے۔ ہمیں ان کی سرگرمیوں کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوئی ہیں، جو ہم نے پوری دیانتداری کے ساتھ بین الاقوامی خفیہ اداروں اؤر آئی اے ای اے کو بتائی ہیں۔ یہ معلومات اس تنظیم کو ختم کرنے میں، خصوصاً پاکستان میں، انتہائی کارآمد ثابت ہوئیں۔

اس میں کوء شک نہیں ہے کہ ایٹمی پھیلاؤ کی تنظیم میں اے کیو کا کردار مرکزی تھا، لیکن دؤسرے ملکوں، خصوصاً یورپ میں دؤلت کے لالچی بہت سے افراد اس کام میں ان کی مدد کر رہے تھے، اؤر جو ایران اؤر لیبیا جیسے ملکوں کو ایٹمی مشینوں سے متعلق سازؤسامان اؤر پرزؤں کو بنوا کر یا بنا کر ترسیل کیا کرتے تھے۔ اے کیو کے مطابق ان افراد میں سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، برطانیہ اؤر سری لنکا کے باشندے شامل تھے۔ ان میں سے چند افراد،

جو یورپ اور دبئی میں مقیم تھے، ساتھ ہی ساتھ اپنے کاروباری منصوبوں پر بھی عمل کرتے تھے۔ یہ بھی مضحکہ خیز ہی ہے کہ دبئی میں اس تنظیم کی ایک شاخ میں چند بھارتی بھی کام کر رہے تھے، جو تب غائب ہو چکے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ بھارتی یورینیم کی افزائش کے پروگرام کی جڑیں بھی دبئی کی اس تنظیم میں ہوں اور ان کی ایٹمی مشینیں پاکستان کی مشینوں کی نقل ہوں۔ حال ہی میں نیوکلیائی پھیلاؤ کے ماہر اور ممتاز امریکی مبصر نے اس امکان پر روشنی ڈالی ہے۔

[یہ ایک مضحکہ خیز قیاس ہے کہ انڈیا نے ہماری مشینوں کی نقل کی کیونکہ انڈیا تو اس سے تیس سال پہلے ایٹمی دھماکہ کر چکا تھا۔ دوسرے اس جرم کے باوجود دنیا نے بھارت کی خبر نہیں لی اور بھارت نے اپنے بابائے ایٹم بم کو صدر بنا کر اس کا احسان چکانے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ ہم نے خان صاحب کی تیس سالہ محنت پر پانی پھیر دیا اور انہیں قربانی کا بکرا بنا کر باقی سائنسدانوں کیلئے نشانِ عبرت بنا دیا]۔

لیبیا کو اے کیو نے تجویز دی تھی کہ وہ اپنی ایٹمی تنصیبات کو بھیڑوں یا اونٹوں کے رکھنے کی جگہوں کی طرز پر تعمیر کریں۔ انہوں نے یہ بھی یقین دلایا کہ ''چھپانے کا اس قسم کا عمل'' کافی آسان تھا۔ یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ اے کیو کو اگرچہ اچھی طرح معلوم تھا کہ لیبیا فنی لحاظ سے بہت کمزور ہے اور یہ کہ مشینوں کے پرزے مختلف ذرائع سے مہیا کئے جا رہے ہیں، لیکن انہوں نے لیبیا سے مشین کی چرخی ساخت کرنے کے لئے کہا۔ اگرچہ لیبیا نے بہت سے پرزے خریدے اور تنظیم میں شامل سب افراد نے مالی فائدے اٹھائے، لیلکن وہ مشینوں کو چلا نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ خود اور مقامی طور پر چرخی بنا ہی نہیں سکتے تھے۔ لیبیا کے ساتھ یہ سودا تقریباً 100 ملین ڈالر مالیت کا تھا۔ اے کیو کی لاپرواہی کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ لیبیا میں ایک نیوکلیائی ہتھیار کا نقشہ پکڑا گیا تھا، جسے انہوں نے اسلام آباد کے ایک درزی کے شاپنگ بیگ میں رکھ کر مہیا کیا تھا۔

[جتنی مرضی من گھڑت کہانیاں بیان کریں لوگ خان صاحب کو ایک ذہین اور قابل شخص مانتے تھے اور مانتے ہیں]۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے شمالی کوریا کو تقریباً دو درجن پی ون اور پی ٹو مشینیں مہیا کیں۔ انہوں نے شمالی کوریا کو ایک پیمائشی آلہ اور کچھ خصوصی مشینی تیل بھی مہیا کئے، مشینوں کے بارے میں تربیت دی اور ایٹمی مشینوں کے خفیہ کارخانوں کے دورے کئے۔ انہوں نے ایران اور لیبیا کو دبئی کے ذریعے تقریباً 1 ٹن وزن کا ساز و سامان مع ایٹمی مشیوں، پرزوں اور نقشوں کی شکل میں مہیا کیا۔

جب نومبر 2003 میں ہم نے اے کیو کی ایٹمی پھیلاؤ کی سرگرمیوں کی تفتیش شروع کی تو ہمارے خفیہ اداروں نے، ان کے تحریر کردہ دو خط پکڑے۔ پہلے خط کا پیغام رساں ان کا ایک کاروباری شریک تھا۔ اس خط میں انہوں نے ایران میں اپنے چند دوستوں کو ہدایت کی تھی کہ کسی بھی صورت میں وہ ان کا نام آئی اے ای اے کو ہرگز نہ بتائیں اور یہ بھی کہا کہ وہ تفتیش کے دوران مردہ لوگوں کے نام لیں، جیسے وہ خود پاکستان میں مردوں کے نام لے رہے تھے۔ انہوں نے ایک معصومانہ تجویز یہ بھی دی کہ ایرانی ایٹمی آلودگی کا الزام آئی اے ای اے کے انسپکٹروں پر ڈال دیں ''جو اسے چپکے سے پھیلا سکتے تھے۔'' انہوں نے ایرانیوں کو یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ این پی ٹی سے دستبردار ہو جائیں اور خط کے آخر میں ایران کو اس واقعہ کے ٹھنڈا پڑنے کے بعد مزید امداد کی پیشکش کی۔

[یہ بات بھی جھوٹ لگتی ہے کہ ایک ذہین آدمی اس طرح کی باتیں کرے۔ یہ ضرؤر کسی جاہل اؤر گنوار آدمی کا خط لگتا ہے جسے نیوکلیر ٹیکنالوجی کی اے بی سی بھی نہیں آتی ہوگی]۔

دؤسرا خط انھوں نے اپنی بیٹی کے نام لکھا تھا، جو لندن میں رہتی ہیں۔ اس خط میں انھوں نے اس تفتیش کے بارے میں حکومت پر نکتہ چینی کے علاؤہ تفصیلی ہدایات دی تھیں کہ ؤہ چند برطانوی اخبار نویسوں کے ذریعے پاکستان کے نیوکلیائی راز افشا کر دیں۔

[یہ بات تو کوئی بھی نہیں مانے گا اؤر اس بات کی تردید کتاب کے چھپنے کے فوراً بعد خان صاحب کی بیٹی نے کر دی ہے]۔

برسوں سے اسلام آباد کے سوشل اؤر سرکاری حلقوں میں اے کیو کے بے دریغ اخراجات، انکی دؤلت، جائیدادؤں اؤر بدعنوانیوں کی کہانیاں اؤر حکومت کے پیسوں پر فیاضی کے چرچے عام تھے، لیکن اس زمانے میں، ؤہ جس قسم کے اہم اؤر نازک معاملات میں مصرؤف عمل تھے، ان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، اس ؤقت کی حکومتوں نے ان چیزؤں سے چشم پوشی اختیار کی۔ اگر ماضی پر نظر ڈالیں تو یہ غفلت غالباً ایک سنگین غلطی تھی۔

[حقیقت یہ ہے کہ خان صاحب نے اپنی جوانی پاکستان کے نام کر دی اؤر سچی لگن اؤر دن رات کی کوششوں سے پاکستان کو ایٹمی صلاحیت دلائی جس کی بنا پر آج ہم بھارت سے محفوظ ہیں۔ چلیں مان لیا کہ خان صاحب نے بہت دؤلت بنائی اؤر کرپشن کی۔ پھر بھی جو کچھ انھوں نے پاکستان کو دیا، یہ دؤلت اؤر کرپشن کوئی معنے نہیں رکھتی۔ دؤسرے پرؤیز صاحب کی حکومت میں ابھی تک کرپٹ لوگ شامل ہیں اؤر ان کی حکومت نے اب تک ریکارڈ قرضے معاف کئے ہیں۔ پرؤیز صاحب کی اپنی کریڈیبلٹی داؤ پر ہے اؤر اسی لئے ان کی باتوں پر یقین کرنے کیلئے بہت بڑے جگر کی ضرؤرت ہے]۔

بین الاقوامی تعلقات - حصہ اؤل

911 سے قبل میری توجہ داخلی استحکام اؤر معاشی ؤ سماجی ترقی پر مرکوز تھی، لیکن 911 نے دنیا ہی بدل دی۔ اب یہ انتہائی پر تشدد ہوگئی ہے، خود کش حملے معمول بن گئے ہیں۔ میں کبھی بھی عراق پر حملے کا حامی نہیں تھا، کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ اس سے انتہاپسندی کو فرؤغ ملے گا اؤر ایسا ہی ہوا۔ عراق جنگ کی ؤجہ سے دنیا محفوظ ہونے کی بجائے پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک ہوگئی ہے۔ جب مسلمان، مغرب ؤالوں سے تہذیبوں کے ٹکراؤ کے امکان کی باتیں سنتے ہیں تو اس مےں کیا تعجب ہے، اگر ؤہ بے چینی سے یہ سوچیں کہ کہیں یہ صلیبی جنگوں کے ایک نئے دؤر کی ابتدا تو نہیں۔

پاکستان میں موجودہ تشدد کی فضا، ہمارے علاقے میں استحکام کا فقدان، تمام دنیا میں پھیلا ہوا تشدد، اسلامی ملکوں کی غیر مستحکم صورتِ حال، افسوس کہ تمام تشدد مسلمانوں پر ہی ہو رہا ہے۔ مےں نے اس پر کافی غور کیا ہے۔

[صرف غور ہی کےا ہے عملی طور پر کچھ نہےں کےا]۔

ایک رات، جب میں اپنے اسٹڈی رؤم میں بیٹھا انہی خیالات میں گم تھا کہ میرے ذہن میں اعتدال پسند رؤشن خیالی کا تصور ابھرا۔ تشدد رؤکنے کے لئے ہمیں ایک عالمی حل کی ضرؤرت ہے۔ اسلامی دنیامیں افراتفری کا ایک اہم سبب ؤہ پرانے سیاسی تنازعات ہیں، جو ابھی تک حل نہیں ہوئے اؤر جن کی ؤجہ سے ؤہاں کے عوام ناانصافی، اجنبیت، احساسِ محرؤمی، بے بسی اؤر مایوسی کا شکار ہیں۔ اس صورتِ حال کو اس حقیقت سے مزید تقویت ملتی ہے کہ ہر سطح پر اسلامی ملکوں میں سماجی ماحول سب سے ابتر ہے۔ غربت اؤر جہالت کی موجودگی میں، سیاسی احساسِ محرؤمی نے انتہاپسندی اؤر دہشت گردی کا ایک دھما کا خیز مرکب تیار کردیا ہے۔ اگر مسلم معاشرے ان حالات سے چھٹکارا اؤر نجات پانا چاہتے ہیں تو ان کے لئے انتہاپسندی اؤر دہشت گردی سے کنارا کش ہونا ضرؤری ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کے سیاسی تنازعات کے منصفانہ حل بھی ضرؤری ہیں۔

[پرؤیز صاحب کو اعتدال پسند رؤشن خیالی کا خیال اپنے ڈرائنگ رؤم میں بیٹھے بیٹھے آیا۔ اچھا ہوتا اگر پرؤیز صاحب اس سے قبل کچھ تحقیق کر لیتے اؤر دنیا میں مسلمانوں کی حالتِ زار پر غور کے بعد کوئی پلان بناتے۔ بھلا اس طرح کے خیالوں سے کبھی کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں جو پرؤیز صاحب کی سوچ ہے اس کا حل صرف اعتدال پسند رؤشن خیالی ہی نہیں بلکہ اؤر بہت کچھ ہے۔ پرؤیز صاحب نے جہاں بھی مسلمانوں کا رؤنا رؤیا ہے صرف لفظوں کی حد اؤر کوئی ایسا عملی قدم نہیں اٹھایا جس سے دنیا کے مسلمانوں کا نہ سہی پاکستان کے مسلمانوں میں بھی کوئی انقلاب آیا ہو۔ جس طرح جنرل ضیا کا سارا دؤرِ حکومت افغان جنگ کی نظر ہوگیا اسی طرح لگتا ہے پرؤیز صاحب کا دؤرِ حکومت دہشت گردی اؤر انہتاپسندی ختم کرنے کی نظر ہوجائے گا]۔

اعتدال پسند رؤشن خیالی ایک دؤ شاخۂ حکمتِ عملی ہے اؤر مجھے یقین ہے کہ اس میں سب کے لئے جیت ہی جیت ہے۔ اس کی ایک شاخ مسلم دنیا کی ذمہ داری ہے۔ جو دہشت گردی اؤر انتہاپسندی کو رد کرکے داخلی، سماجی اؤر معاشی ترقی پر مبنی ہے۔ دؤسری شاخ، جس میں مغرب کی عموماً اؤر امریکہ کی ذمہ داری خصوصاً ہے کہ ان تمام سیاسی تنازعات کا منصفانہ حل تلاش کرنا ہے، جن کا شکار مسلم معاشرے ہیں۔ تمام دنیا میں مسلمانوں سے انصاف نہ صرف کیا جانا چاہئے بلکہ ؤہ انصاف ہوتے ہوئے نظر بھی آنا چاہئے۔ بین الاقوامی ہیجانی صورتِ حال کی جڑ ''مسلہء فلسطین'' ہے۔ اسی طرح ایٹمی جنگ کے خطرات سے بھرپور ''مسلہء کشمیر'' ہے، جس کے فوری حل کی ضرؤرت ہے تاکہ جنوبی ایشیا میں مستقل امن قائم ہو۔

میں نے تمام دنیا میں اعتدال پسند رؤشن خیالی کو پھیلانے کے لئے اپنی سی ان تھک کوششیں کی ہیں۔ اگرچہ اس سلسلے میں بہت سے لوگوں کا ردِ عمل مثبت ہے، لیکن حقیقی ترقی کی رفتار سست ہے۔ میری سفارتی کوششیں دؤ محاذؤں پر جاری ہیں۔ اؤل، تو میں عالمی قوتوں سے کہہ رہا ہوں کہ ؤہ مسلہء فلسطین اؤر مسلہء کشمیر کو حل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ کوششیں کریں۔ میرے خیال میں اب حالات اس نہج پر ہیں کہ یہ دؤنوں مسائل حل کئے جاسکتے ہیں۔ دؤسری طرف میں کوشش کررہا ہوں کہ اسلامی ممالک اپنی شاخ کے تحت قائم ہونے ؤالی ذمہ داریوں پر، جہاں تک ممکن ہو عمل درآمد کریں اؤر اگر ممکن ہو تو امریکہ اؤر مغرب کی ذمہ داریوں کے نتائج برآمد ہونے سے پہلے ہی۔ اگر مسلم اؤر مغربی ممالک متفق ہوں تو

بجائے دوٴ شاخہ حکمتِ عملی کے، جس میں ہر شاخ اپنی اپنی ذمہ داری اپنی اپنی رفتار سے پوری کرنے یا نہ کرنے میں آزاد ہو، یہ حکمتِ عملی ایک ہم آہنگ عمل میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

مجھے خوشی ہے اوٴر فخر بھی کہ اعتدال پسند روٴشن خیالی پر میری تجاوٴیز 2004 میں ملائیشیا میں منعقد اسلامی رہنماؤں کی کانفرنس میں قبول کرلی گئیں۔ اس کانفرنس میں انتہاپسنی اوٴر دہشتگردی کو بھی رد کیا گیا۔ میری اوٴآئی سی کو ازسرِنو منظم کرکے اسے طاقتور اوٴر متحرک بنانے کی تجویز، تاکہ وٴہ ہماری معاشی اوٴر سماجی مشکلات کو کم کر سکے، بھی قبول کرلی گئی۔ اس تجویز کے مطابق، رکن ممالک کی طرف سے نامزد کئے گئے معزز اراکین کا ایک گروٴپ اوٴآئی سی کی تنظیمِ نو پر کام کرنے کے لئے تشکیل دیا گیا۔ بعد ازاں دسمبر 2005 میں خصوصی کعبہ سمٹ مکہ میں منعقد ہوئی۔ خصوصی کعبہ سمٹ میں اسی گروٴپ کو اوٴآئی سی کے دستورالعمل پر نظرثانی کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔ اس طرح مسلم ممالک سے متعلق میری مجوزہ پہلی شاخ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے۔ مجھے مغربی ممالک سے متعلق دوٴسری شاخ کے کام کی رفتار پر فکر ہے کیونکہ تنازعات کو حل کرنے کا لمحہ آ پہنچا ہے۔ اگر تمام متعلقہ افراد اس لمحے کا فوری فائدہ نہیں اٹھاتے تو یہ گزر جائے گا اوٴر دنیا میں امن وٴسکون لانے کا ایک نادر موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ یہ ایک ایسا نقصان ہوگا، جس کے لئے نہ تو خدا، اوٴر نہ تاریخ ہمیں معاف کرے گی۔

[اوٴآئی سی کانفرنس لگتا ہے صرف اتحادیوں کے ایجینڈے کو فروٴغ دینے کیلیئے منعقد ہوئی اوٴر اس میں دہشت گردی اوٴر انتہاپسندی کو ہی موضوع بنایا گیا۔ اسے ایجینڈے کی تکمیل کیلیئے اوٴآئی سی کی تشکیلِ نو شروٴع ہوئی اوٴر اسی لئے یہ میٹنگ بند کمرے میں ہوئی]۔

کچھ نکتہ چین، اعتدال پسند روٴشن خیالی کے اصل معانی ہی غلط سمجھتے ہیں اوٴر غلط بیان کرتے ہیں۔ ان کا اعتراض ہے کہ روٴایتی اسلامی نظریے کی ہی ایک بگڑی ہوئی تشریح ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میں کوئی مزہبی عالم نہیں ہوں، لیکن ایک مسلمان کی حیثیت سے میں اسلام کی روٴح اوٴر پیغام کو خوب سمجھتا ہوں، اگرچہ میں علمی طور پر اس کی باریکیوں سے پوری طرح شناسا نہیں ہوں۔ بہر طور اعتدال پسند روٴشن خیالی کا اسلام اوٴر اس کی تعلیمات سے کوء تعلق نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق مسلمانوں اوٴر ان کی نشاطِ ثانیہ سے ہے۔

[عجیب منطق ہے کہ اعتدال پسند روٴشن خیالی کا اسلام سے تعلق نہیں ہے بلکہ مسلمانوں سے ہے۔ کیا اسلام اوٴر مسلمان دوٴ الگ الگ چیزیں ہیں؟ اگر اس کا تعلق اسلام سے نہ ىں ہے تو پھر ىہ كىا چىز ہے؟ اعتدال پسند روٴشن خىالى كا تعلق اگر پروٴىز صاحب اسلام سے جوڑ دىتے تو كونسى قىامت آجاتى]۔

دنیا میں، خصوصاً اسلامی دنیا مىں امن قائم کرنے کے لئے جنوبی ایشیا میں امن قائم ہونا ضروٴری ہے۔ میں نے بھارت کے ساتھ صلح صفائی کے لئے آگے بڑھ کر اقدامات کئے ہیں۔ پاک بھارت تنازعہ، جنوبی ایشیا میں معاشی اوٴر سماجی ہم آہنگی اوٴر ترقی کے راستے میں ایک رکاوٹ ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ جب دوٴ ہاتھیوں کی لڑائی ہوتی ہے تو گھاس روٴندی جاتی ہے۔ میں نے پچھلی نصف صدی میں ہمارے آپس کے غیر دوٴستانہ تعلقات کے علاوٴہ ہماری ایک دوٴسرے سے جنگیں، سیاچن، کارگل اوٴر مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی جدوٴجہد کے بارے میں بہت گہرائی سے سوچا ہے۔ ان تمام عسکری معرکوں کا مجموعی نتیجہ یہی نکلا ہے کہ ہر بار دوٴنوں حریف بات چیت کی میز پر وٴاپس آجاتے ہیں۔ لیکن اب فوجی

کارؤائی کا کوئی فائدہ نہ یں ہے۔ ہمارے آپس کے تنازعے کا کوئی فوجی حل نہیں ہے۔ اب مصلحت سے ہی آگے بڑھنا ہے۔ میرا خیال ہے کہ بھارت کو بھی یہ احساس ہوگیا ہے کہ پاکستان کے خلاف اب ؤہ فوجی دباؤ کا حربہ استعمال نہیں کر سکتا۔ 2001 میں ہی میرا یہ خیال تھا کہ اب دنیا پلٹنے کا ؤقت آگیا ہے۔

[ہندؤستان کے ساتھ اختلافات ختم کرنے کا خیال صرف پرؤیز صاحب کا یکطرفہ خ یال ہے۔ ابھی تک ؤہ کشمیر کے حل کیلئے کئی تجاؤیز دے چکے ہیں مگر بھارت کی طرف سے مکمل خاموشی طاری ہے۔ یہی ؤجہ ہے کہ اکثر کالم نگار پرؤیز صاحب کو اب مشورہ دینے لگے ہیں کہ اتنا بھی نہ گرؤ کہ پھر اٹھا ہی نہ جا سکے۔ ابھی 11 دسمبر کو دفترِ خارجہ نے کشمیر کو پاکستان کا حصہ ماننے سے ہی انکار کر دیا ہے اؤر کہا ہے کہ "کشمیر بنے گا پاکستان" کا نعرہ پاکستان کا نہیں بلکہ کشمیریوں کا تھا۔ اس اعلان کے باؤجود بھارت ایک قدم بھی آگے بڑھنے کو تیار نہیں ہے بلکہ اس نے پھر دھرایا ہے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے]۔

میں نے 2001 کے اؤائل میں، بھارت میں آنے ؤالے شدید زلزلے کے بعد آپس کے تعلقات میں بہتری لانے کا پہلا موقع دیکھا، میں نے ؤزیرِ اعظم ؤاجپائی کو ٹ یلی فون کرکے زلزلے پر اظہارِ افسوس کیا اؤر پاکستان نے امدادی اشیا مع ادؤیات بھیجیں۔ س سے تعلقات میں گرم جوشی آئی اؤر مجھے بھارت کا دؤرہ کرنے کی دعوت دی گئی۔ میں 14 جولائی 2001 کو دہلی پہنچا۔

عمومی سطح پر، مجھے بھارتیوں کا رؤیہ پرامید نظر آی ا۔ صہبا اؤر میں جہاں بھی جاتے تھے، ؤہاں گرم جوشی اؤر خیر سگالی کا مظاہرہ ہوتا تھا، خواہ اس ہوٹل کے ملازمین ہوں جہاں ہم ٹھہرتے تھے یا سرکاری افسران، جن سے ہم ملے ہوں یا عام بھارتی ہوں یا ؤہ چند خاندان جو اب ہمارے آبائی گھر نہرؤالی حویلی میں سکونت پزیر ہیں۔ امید کی ایک فضا تھی۔ ہم نے بھی اسی گرم جوشی کا اظہار کیا۔ میں کھلے دماغ، امید اؤر سمجھوتے کے جزبے کے ساتھ بھارت گیا تھا۔

15 جولائی 2001 کو دہلی میں ہماری آمد اؤر سفارتی رسومات اؤر خوش گپیوں کے بعد اگلے رؤز ؤزیرِ اعظم ؤاجپائی سے آگرہ جیسے تاریخی شہر م یں ہماری ملاقات ہوئی۔ تاج محل جو کہ آگرہ میں، محبت کی ایک ایسی یادگار ہے جو اپنی مثالی تعمیر اؤر ابدی حسن کی ؤجہ سے دنیا کے عجائب میں سے ایک ہے۔ ہم نے باضابطہ بات چیت 16 جولائی 2001 کی صبح کو شرؤع کی۔ اس کی ابتدا حوصلہ افزا تھی، لیکن انتہا مایوس کن۔ ظہرانے سے پہلے اؤر اس کے بعد، شرؤع میں، تنہائی میں اؤر اس کے بعد ہمارے اپنے اپنے ؤزرائے خارجہ کے ہمراہ دؤ طویل ملاقاتوں میں ہم نے ایک مشترکہ اعلامیے کا مسودہ تیار کیا۔ اس علامیے میں دہشت گردی کی مزمت اؤر باہمی تعلقات میں بہتری لانے کیلئے تنازعہ ء کشمیر کو حل کرنے کی ضرؤرت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ میرے خیال میں یہ مسودہ انتہائی مناسب الفاظ میں لکھا گیا، متوازن اؤر ہم دؤنوں کیلئے قابلِ قبول تھا۔ دستخط کرنے کی تقریب ہوٹل جی پی پیلس میں، جہاں ؤزیرِ اعظم ؤاجپائی ٹھہرے ہوئے تھے اؤر جہاں ہم نے بات چیت کی تھی، اسی سہ پہر کو ہونی قرار پائی تھی۔ ہوٹل میں تیاریاں مکمل تھیں، یہاں تک کہ ایک میز اؤر دؤ کرسیاں جن پر بیٹھ کر ہمیں دستخط کرنے تھے، لگادی گئی تھیں۔ ہوٹل کا عملہ اؤر آئے ہوئے مہمان انتہائی شاداں ؤ فرحاں نظر آرہے تھے۔

میں وُزیر اعظم سے رخصت ہو کر ہوٹل امرؤلاز جہاں ہم ٹھرے ہوئے تھے، اپنا قوی لباس شلوار قمیض تبدیل کرنے آیا۔ دستخطوں کی تقریب کے بعد میرا ارادہ اجمیر شریف جا کر خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کا تھا۔ میں نے دیکھا کہ امرؤلاز کا عملہ بھی اتنا ہی خوش وُ خرم تھا۔ ہم اپنے دؤرے کے نقطہ ء عرؤج پر پہنچ رہے تھے، لیکن ایک گھنٹے کے بعد جب میرے وُزیر خارجہ اوُر سیکریٹری خارجہ نے مجھے مطلع کیا کہ بھارتی معاہدے سے پیچھے ہٹ گئے ہیں، تو مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے، آخر کیوں؟" م ىں نے پوچھا

" سر، کابینہ نے اسے نامنظور کردیا ہے۔" جواب آیا

"کون سی کابینہ؟" میں نے کہا۔ "آگرہ میں توکوئی کابینہ نہیں ہے۔"

[فوج ى ڈکٹ ى ٹر اگر "کون س ى کاب ى نہ" وُالا سوال کرے گا تو ٹھ ى ک کرے گا ک ى وُنکہ وُہ ک ى ا جانے کہ جمہور ى ت ک ى ا ہوت ى ہے اوُر جمہور ى ت م ى ں ف ى صلے ک ى سے کئے جاتے ہ ى ں۔ اسے تو ى ہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ملک م ى ں ا ى ک ہ ى شخص آخر ى ف ى صلہ کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ ى ہ ى غلط فہم ى تھ ى جس ک ى بنا پر صدر صاحب نے کہا کہ "آگرہ م ى ں توکوء ى کاب ى نہ نہ ى ں ہے"]۔

مجھے بیحد غصہ آیا اوُر میری پہلی سوچ یہ تھی کہ فوراً اسلام آباد کے لئے رؤانہ ہو جاؤں۔ دؤنوں سفارت کاروُں نے مجھے ٹھنڈا کیا اوُر کہا کہ "مسودہ دؤبارہ لکھنے کے لئے کچھ وُقت دیا جائے۔" اوُر میں نے بادلِ نخواستہ اجمیر شریف کی زیارت منسوخ کردی۔

[اجم ى ر شر ى ف کا دؤرہ پروُ ى ز صاحب اسلئے نہ ى ں کرنا چاہتے تھے کہ وُہ پ ى ر پرست تھے بلکہ ى ہ خالصتاً ا ى ک س ى اس ى سٹنٹ تھا جس طرح ہمارے س ى کولر ى ا دہر ى ئے حکمران جاہل عوام کے دکھاوُے ک ى لئے عمرہ کرنے جاتے ہ ى ں اوُر کعبہ ک ى س ى ڑک ى تصاوُ ى ر اخباروُں م ى ں چھپواتے ہ ى ں]۔

جملوں اوُر الفاظ کے مناسب استعمال کے بارے میں بحث وُ مباحثے کے بعد مسودہ دؤبارہ لکھنے میں دؤتین گھنٹے مزید لگے، لیکن میرے رفقا وُاپس آئے اوُر انہوں نے کامیابیَ کا اشارہ دیا۔ انہوں نے مجھے نیا مسودہ دکھایا، جسے میں نے منظور کرلیا۔ میرے خیال میں مسودہ اب بھی ہماری خواہشات سے مطابقت رکھتا تھا، سوائے اس کے کہ اب اس کی زبان مختلف تھی۔ وُہ دؤسرے ہوٹل وُاپس گئے تاکہ مسودے کی حتمی اوُر درست کاپیاں بنالیں۔ میں نے اپنی بیوی کو یقین دہانی کرائی کہ انشااللہ اگلے روُز آگرہ ڈکلیئریشن کی شہ سرخیاں اخباروُں میں ہوں گی۔ لیکن یہ نوشتہ ء تقدیر نہ تھا۔ جیسے ہی میں دستخطوں کی تقریب کے لئے رؤانہ ہونے لگا، مجھے ایک اوُرپیغام ملا کہ بھارتی دؤبارہ پیچھے ہٹ گئے ہیں، یہ ناقابلِ یقین تھا۔ میں نے فوراً رؤانہ ہونے کا فیصلہ کرلیا لیکن میرے وُزیر خارجہ نے مجھے چلنے سے پہلے وُزیر اعظم وُاجپائی کے پاس جانے کے لئے آمادہ کرلیا۔ میں اپنی خواہش کے برعکس، ان سفارتی آداب کو پورا کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ اسی وُقت میں نے ذرائع ابلاغ کو مطلع کرادیا کہ

میں ہوٹل میں ایک پریس کانفرنس منعقد کروں گا۔ مجھے بعد میں علم ہوا کہ اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ ذرائع ابلاغ کا کوئی نمائندہ نہ تو واجپائی کے ہوٹل میں اور نہ ہی میرے ہوٹل میں داخل ہونے دیا گیا۔ تو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت میں آزادیٔ اظہار کا یہ حال تھا۔

[بھلا ایک مہمان میزبان کی مرضی کے بغیر اس کے ملک میں کیسے پریس کانفرنس کر سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بھارت نے پرویز صاحب کو پریس کانفرنس سے بات نہیں کرنے دی]۔

میں اس رات تقریباً گیارہ بجے وزیر اعظم واجپائی سے انتہائی سنجیدہ ماحول میں ملا۔ میں انہیں صاف صاف بتایا کہ غالباً ہم دنوں سے بالا تر کوئی فرد ہے، جس کے پاس ہمارے فیصلوں کو رد کرنے کی طاقت ہے۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ آج ہم دونوں کی تحقیر ہوئی ہے۔ وہ خاموش بیٹھے رہے۔ میں اچانک اٹھا، جلدی سے ان کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے چل دیا۔

[کہتے ہیں کہ اس مسودے پر اختلاف صرف کشمیر کی تحریکِ آزادی کی تعریف پر تھا۔ بھارت چاہتا تھا کہ کشمیر کی آزادی کی تحریک کو دہشت گردی کہا جائے اور مجاہدوں کو دہشت گرد مگر جنرل صدر مشرف صاحب یہ بات ماننے کیلئے تیار نہیں تھے]۔

ہر انسان کی زندگی میں ایک لمحہ آتا ہے اور اگر وہ انسان اس لمحے کو پکڑ لے تو تاریخی واقعہ وجود میں آجاتا ہے۔ واجپائی اس لمحے کو پکڑنے میں ناکام رہے اور تاریخ میں اپنا مقام کھو دیا۔ جیسے ہی میں اور میری بیوی ہوٹل سے روانہ ہوئے، ہمیں ہوٹل کے عملے کے چہروں پر افسردگی اور ناامیدی صاف اور واضح نظر آرہی تھی۔ جب ہماری گاڑی ہوٹل سے نکل کر سڑک پر مڑی تو مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ذرائع ابلاغ کے سینکڑوں نمائندے سڑک کے دونوں اطراف میں جمع تھے، جنہیں لاٹھی بردار پولیس روکے ہوئے تھی۔ ہم اس مجمع کے درمیان تقریباً دو سو گز تک گئے اور اس دوران فوٹوگرافرز میرے چہرے کے تاثرات کیمروں میں محفوظ کرتے رہے۔ اس افسوس ناک اور بے کار واقعہ کے ساتھ ہی ہماری تعلقات معمول پر لانے کی کوشش کا پہلا باب ختم ہوا۔

[پتہ نہیں پرویز صاحب اس مسودے کو تاریخی کیوں کہ رہے ہیں۔ یہ مسودہ نہ تو کوئی باقاعدہ معاہدہ تھا، نہ کشمیر کے مسلے کا حل، بلکہ سیدھا سادھا ایک بیان تھا جو دورے کے بعد رسمی طور پر جاری کیا جاتا ہے]۔

2002 میں دونوں ملک ایک انتہائی تناؤ کے دور سے گزرے، جب بھارت نے جارحانہ انداز میں اپنی فوجیں سرحد پر جمع کردیں اور ہماری افواج ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کے سامنے ڈٹی رہیں۔ ہم اپنی تمام افواج اگلے مورچوں پر لے آئے۔ یہ آمنا سامنا 10 ماہ رہا، پھر بھارتیوں نے آنکھ جھپکی اور سرحدوں سے واپسی اختیار کی۔

[یہاں پر پرویز صاحب کو بابائے پاکستان ایٹم بم کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا جن کی بدولت بھارت حملہ کرنے سے باز رہا۔ اگر پاکستان کے پاس ایٹم بم کا رعب نہ ہوتا تو بھارت پاکستان کے مزید ٹکڑے کرنے کیلئے حملہ کردیتا]۔

میں نے جنوری 2002 میں سارک کانفرنس میں جو کھٹمنڈؤ، نیپال میں منعقد ہوئی تھی، ایک اؤر سفارتی کوشش کی۔ علاقے کے تمام سربراہان ایک لمبی میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اؤر اپنی اپنی باری پر تقریریں کر رہے تھے۔ میں اپنی تقریر کرنے کے بعد اچانک میز کی دؤسری طرف بیٹھے ہوئے ؤزیر اعظم ؤاجپائی کے سامنے پہنچ گیا اؤ اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔ ان کے پاس اٹھ کر کھڑے ہونے اؤر ہاتھ ملانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ افسر شاہی سے بھرے ہوئے ہال میں حیرت کا ایک مدھم سا شور [میرے خیال میں ستائش کا] اٹھا کہ میں دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے ؤزیر اعظم پر بازی لے گیا، لیکن میری نیت ان پر سبقت لے جانے کی ہرگز نہیں تھی، بلکہ میرا ارادہ آگرہ میں پیدا ہونے ؤالے تعطل کو ختم کرنا تھا۔ مجھے انتہائی مسرت ہوئی، جب اس مصافحے کا ہماری امید کے مطابق اثر ہوا۔ ؤزیر اعظم ؤاجپائی نے جنوری 2004 میں پاکستان میں منعقد ہونے ؤالی سارک سربراہ کانفرنس میں آنے کا فیصلہ کیا۔ ہمای خوشگوار ملاقات ہوئی اؤر اس مرتبہ ایک تحریری مشترکہ سمجھوتے پر اتفاق ہوگیا.جو اعلان اسلام آباد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ مخلوط بات چیت کے تحت امن کے عمل کو آگے بڑھایا جائے جس میں جموں کشمیر کا تنازعہ شامل ہو۔ ایک مرتبہ پھر مقدر میں نہیں تھا۔

[پرؤيز صاحب کا اپنی سيٹ سے اٹھ کر ؤاجپاءي کے پاس جانا ايک بزدلی سمجھا جائے گا۔ اس ميں کونسی سبقت لے جانے ؤالی بات تھي۔ ہر چھوٹا آدمي بڑے آدمي کے پاس جاتا ہے۔ دراصل پرؤيز صاحب دل سے بھارت کي سبقت کو قبول کر چکے ہيں اؤر ان کے اب تک کے اقدامات اسي کي طرف اشارہ کرتے ہيں]۔

اس سے قبل کہ مخلوط بات چیت زؤر پکڑتی، بھارت میں قبل از ؤقت انتخابات منعقد ہوئے اؤر ؤزیر اعظم ؤاجپائی کی جماعت بھارتیہ جنتا پارٹي ہار گئی۔ سونیا گاندھی کی کانگریس پارٹی نے دؤسری جماعتوں کی حمایت سے ایک نئی اتحادی حکومت بنائی، جس میں ؤہ خود نہیں بلکہ من موہن سنگھ ؤزیر اعظم بنے۔ اس سے امن کے عمل کا تمام منظر تبدیل ہوگیا۔ مجھے یہی خیال آیا کہ کاش ہم نے ایک سال پہلے آگرہ میں یہ موقع نہ کھویا ہوتا۔

میں نے سونیا گاندھی اؤر نئے ؤزیر اعظم کو مبارک باد کے ٹيلی فون کئے اؤر ساتھ ہی ساتھ سفارتی تعلقات کے بارے میں اندازے لگانے شرؤع کر دیئے۔ مجھے محسوس ہوا کہ ان کا ردِ عمل بہت مثبت تھا۔ میں نے یہ بھی مناسب سمجھا کہ ؤاجپائی کو ٹیلی فون کرؤں اؤر ان پر زؤر ڈالوں کہ ؤہ امن کے اس عمل کی، جسے ہم دؤنوں نے شرؤع کیا تھا، حزبِ اختلاف میں بیٹھ کر بھی تائید کرتے رہیں۔ انہوں نے ایسا کرنے کا ؤعدہ کیا۔

[پرؤيز صاحب نے اپنے بھارت کے دؤرے کے دؤران اؤر بھارت کي ساتھ تعلقات بڑھانے کي کوششوں کے دؤران يہ سوچنے کي کوشش ہي نہيں کي کہ يہ جمہوريت ہي ہے جس کي ؤجہ سے بھارت ہم سے آگے ہے۔ ؤہاں پر فيصلے فردِ ؤاحد نہيں کرتا بلکہ کابينہ کرتي ہے]۔

بین الاقوامی تعلقات - حصہ دؤئم

وزیر اعظم من موہن سنگھ سے میری پہلی ملاقات اقوامِ متحدہ کی نیویارک میں سربراہی کانفرنس کے دوران ہوئی، جب 24 ستمبر 2004 کو وہ میرے ہوٹل، مجھ سے ملاقات کرنے آئے۔ یہ انتہائی خوشگوار ملاقات تھی۔ میں نے وزیر اعظم کو انتہائی تعمیری اور حقیقی انسان پایا، جنہیں پاکستان کے ساتھ دیرینہ تنازعات نمٹانے اور اچھے تعلقات قائم کرنے کی خواہش تھی۔ ملاقات کے بعد مشترکہ بیان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ امن کا عمل آگے بڑھانے کی خواہش ہم دونوں کو ہے۔

من موہن سنگھ سے میری دوسری ملاقات ہوئی، جب پاکستان کی کرکٹ ٹیم بھارت کا دورہ کر رہی تھی اور انہوں نے مجھے ایک میچ دیکھنے کیلئے مدعو کیا۔ میں نے ان کی دعوت قبول کرلی اور 17 اپریل 2005 کو ایک روزہ میچ دیکھنے کیلئے دہلی گیا۔ میں اجمیر شریف سے ہو کر گیا۔ یہ وہ زیارت تھی، جو میں آگرہ سربراہی ملاقات کے موقع پر کرنا چاہتا تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ اک مبارک آغاز ہے۔

[بھارت نے کرکٹ میچ دیکھنے کی دعوت دی نہیں بلکہ پرویز صاحب نے خود مانگ کر لی۔ ایک نیوز کانفرنس میں اخبار نویسوں کے سوال کے جواب میں جب پرویز صاحب نے کہا کہ اگر بھارت نے میچ دیکھنے کی دعوت دی تو وہ ضرور جائیں گے۔ اس طرح من موہن سنگھ کو پریس کانفرنس میں ایک سوال کے جواب میں پرویز صاحب کو کرکٹ میچ دیکھنے کی دعوت دینا پڑی]۔

17 اپریل 2005 کے دن کا آغاز کرکٹ میچ سے ہوا۔ بدقسمتی سے میرے میزبانوں کیلئے یہ کھیل اچھا ثابت نہ ہوا، کیونکہ پاکستان کے اعلیٰ معیار کے بلے باز شاہد آفریدی نے بھارتیوں کی ہر گیند کو مارا، حتیٰ کہ اس کی بہت ساری گیندیں ہمارے سامنے آگریں۔ کرکٹ کے ایک عام شوقین کی طرح میں بھی اپنی نشست سے اٹھ کر نعرے لگانا اور تالیاں بجانا چاہتا تھا لیکن اپنے میزبانوں کے احترام میں، میں نے اپنے جوش و خروش پر قابو رکھا۔ میچ ختم ہونے سے پہلے ہم بات چیت کے لئے روانہ ہوگئے۔ یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ میں وہ دلچسپ میچ دیکھنے کیلئے واپس جانے کو بے تاب تھا اور ہماری آپس کی باضابطہ ملاقات کے دوران میں نے وزیر اعظم کو تجویز دی کہ ہم آخری گھنٹے میں میچ کا اختتام دیکھنے اور انعامات تقسیم کرنے کیلئے واپس جائیں۔ حفاظت کے بارے میں ان کے تفکرات کے باوجود میں نے انہیں آمادہ کرلیا۔ اگرچہ ہماری بات چیت جاری تھی، لیکن میرا سٹاف مجھے کاغذ کی پرچیوں پر کھیل کے بارے میں اور بھارت کی خراب کارکردگی کے بارے میں اطلاعات دیتا رہا۔ میچ کے مقررہ وقت سے کہیں پہلے بھارت کی پوری ٹیم آوٹ ہوگئی۔ اپنی مسرت کا اظہار کئے بغیر، میں نے من موہن سنگھ کو مطلع کیا کہ بھارتی ٹیم کے بلے باز آوٹ ہوگئے ہیں اور اب سٹیڈیم دوبارہ واپس جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ''لڑکے پھر لڑکے ہوتے ہیں''، کچھ لوگ کہیں گے، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا کہنے والے نہ تو کرکٹ جانتے ہیں اور نہ ہی بھارت اور پاکستان کے درمیان کرکٹ میچ کی اہمیت۔

[پرویز صاحب کی مندرجہ بالا تحریر سے قاری یہ اندازہ آسانی سے لگا سکتا ہے کہ بھارتیوں کو مذاکرات کی فکر تھی اور پرویز صاحب کو کرکٹ میچ کی۔ من موہن سنگھ بات چیت میں اپنے ملک کی فکر میں مگن ہوں گے اور پرویز صاحب کو ہر منٹ بعد میچ کے سکور کی فکر پڑی تھی۔ یہ ہوتا ہے فرق ایک عالمی لیول کے لیڈر اور عام قسم کے لیڈر میں۔ اس پیراگراف میں پرویز صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہم پاکستانی بھارت اور پاکستان کے درمیان کرکٹ میچ کو جنگ کی طرح

مانتے ہیں۔ یہ سوچ بھی ایک کمزور آدمی کی طرف اشارہ کرتی ہے جو میدانِ جنگ میں تو جیت نہ سکے اور کرکٹ جیسے میچ میں جیت کر اپنے دل کو تسلی دے لے]۔

اس کے باوجود ہماری باہمی بات چیت انتہائی تعمیری رہی۔ ہم نے کشمیر پر بھرپور تبادلہ ء خیال کیا۔ ہم دونوں نے اتفاق کیا کہ کشمیر کے مسئلے کا حل ضروری ہے اور اس کا حل ڈبے سے باہر یا روایتی طریقوں سے ہٹ کر ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔ وزیر اعظم نے یہ ضرور کہا کہ وہ سرحدوں کی تبدیلی قبول نہیں کرسکتے اور میں نے کہا کہ میں لائن آف کنٹرول کو مستقل حل کے طرپر قبول نہیں کرسکتا۔ ہمیں ایسا حل تلاش کرنا ہوگا، جو دونوں حریفوں اور خصوصاً کشمیر کے عوام کو قبول ہو۔ یہ ملاقات ایک انتہائی مثبت مشترکہ اعلان پر ختم ہوئی، جسے وزیر اعظم نے ذرائع ابلاغ کے سامنے پڑھا۔ ہم نے امن کے عمل کو پوری ایمان داری اور سنجیدگی سے آگے بڑھاتے رہنے کا فیصلہ کیا۔

14 ستمبر 2002 کو وزیر اعظم من موہن سنگھ نے مجھے نیویارک میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے دوران اپنے ہوٹل میں رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ یہ دعوت ایک ناسازگار ماحول میں شروع ہوئی کیونکہ بھارتی، جنرل اسمبلی میں میرے اندازِ خطاب پر خوش نہیں تھے۔ میرے خیال میں وہ غیر ضروری طور پر حساس ہورہے تھے۔ بات چیت میں کافی گرما گرمی ہوئی، غالباً میرے صاف ستھرے فوجی انداز کی وجہ سے۔ تقریباً تین گھنٹے کے تبادلہ ء خیال کے بعد کھانا لگایا گیا، لیکن ماحول کشیدہ تھا۔ کھانے کے بعد صورتحال میں بہتری پیدا ہوئی لیکن ہم نے ایک روکھا سوکھا سا اعلانیہ تیار کرلیا۔ ذرائع ابلاغ فوراً دونوں حریفوں کی اس کشیدہ کیفیت کو پہچان گئے اور انہوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ ملاقات تسلی بخش نہیں تھی۔ اس کے باوجود میں نے من موہن سنگھ کو پاکسان کے دورے کی دعوت دی، جسے انہوں نے فوراً قبول کرلیا۔ میں یہ صورتِ حال اس وقت جون 2006 میں لکھ رہا ہوں اور ہم اب بھی ان کی آمد کا انتظار کررہے ہیں۔ بھارتی کرکٹ ٹیم نے اوائل 2006 میں پاکستان کا دوراہ کیا۔ اس وقت بھارتی وزیر اوعظم کو ایک موقع ملا تھا لیکن انہوں نے غالباً اس وجہ سے اسے ضائع کردیا کہ ممکن ہے بھارتی نوکرشاہی نے سوچا ہو کہ ہماری بات چیت بہت اہم ہے اور اسے کرکٹ جیسے غیر سنجیدہ کھیل کے ساتھ نہیں ملانا چاہئے۔ حالانکہ ہوا یہ کہ بھارت پانچ میں سے چار بین الاقوامی ایک روزہ میچ جیتا۔ وزیر اعظم من موہن سنگھ ایک میچ دیکھ سکتے تھے، جس میں غالباً بھارت جیتتا اور ہماری بازی برابر ہوجاتی۔

[پرویز صاحب نے بھارت کی اس سوچ کو کہ "بات چیت بہت اہم ہے اور کرکٹ ایک غیرسنجیدہ کھیل" بیان کرکے اپنی ہی سبکی کی ہے۔ یہی ہمارا بھی نقطۂ نظر ہے کہ پرویز صاحب کی سوچ ایک عالمی لیڈر کے لیول کی نہیں بلکہ ایک عام سے لڑکے کی ہے جو کرکٹ کو ملک کے بارے میں بات چیت کے مقابلے میں اولیت دیتا ہے۔ من موہن سنگھ نے کرکٹ میچ دیکھنے کی پاکستان کی دعوت مسترد کرکے پرویز صاحب کو یہ باور کرایا کہ کرکٹ سے زیادہ اہم کام بھی ہیں اور وہ انہی کاموں کی مصروفیت کی وجہ سے کرکٹ میچ نہیں دیکھ سکتے۔ ایک پرویز صاحب ہیں جنہیں ملکی کاموں کی اہمیت کا احساس ہی نہیں اور وہ دکھاوے کے کاموں پر زیادہ وقت ضائع کررہے ہیں۔ اب ان باتوں نے دنیا کے لوگوں پر یہ اثر چھوڑا ہوگا کہ پرویز صاحب واقعی ایک ڈکٹیٹر ہیں اور وہ اپنے ملک کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہیں]۔

بھارت کے ساتھ اتنی پیچیدہ سفارت کاری کے مزید نتائج برآمد ہوئے۔ ہمارے دوطرفہ تعلقات پہلے کبھی اتنے اچھے نہیں تھے۔ میں نے بار بار کہا ہے کہ مسائل کو جوں کا توں رکھنے کے زمانے گزر چکے ہیں اور اب انہیں حل کرنے کا وقت ہے اور وقت ابھی اور فوری عمل کرنے کا ہے، کیونکہ ایسے لمحات بار بار نہیں آتے اور نہ زیادہ انتظار کرتے ہیں۔ ہم دو متوازی لکیروں پر چل رہے ہیں۔ ایک لکیر اعتماد پیدا کرنے والے اقدام ہیں اور دوسری مسلے حل کرنا ہے۔ میں نے ہمیشہ اس بات کو فوقیت دی ہے کہ دونوں پر ساتھ ساتھ چلا جائے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھارتی اعتماد پیدا کرنے والے اقدام پر تیز رفتاری سے بڑھنا چاہتے ہیں اور مسائل کے حل پر رینگنا۔

میں نے ابتدا میں وزیر اعظم من موہن سنگھ میں خلوص اور لچک کے جو آثار دیکھے تھے وہ اب ماند پڑتے نظر آرہے ہیں۔ میرے خیال میں بھارتی انتظامیہ، افسر شاہی، سفارت کار، خفیہ ادارے اور شاید فوج بھی ان پر حاوی ہوگئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایسا رہنما جو گھسے پٹے خیالات اور منجمد حالات سے نکلنا چاہتا ہو تو اس کے لئے بے باک ہونا لازم ہے اور اسے انتظامیہ سے سبق لینے کی بجائے ان پر مسلط ہوجانا چاہئے۔ میں اب بھی من موہن سنگھ کے ڈبے سے باہر کے حل کا انتظار کررہا ہوں۔ اس دوران میں نے کئی نئے خیالات کا اظہار کیا ہے۔، ہم مسلہ ء کشمیر کے حل کے لئے ان کے جواب یا جوابی تجاویز کے منتظر ہیں، کیونکہ مجھے پختہ یقین ہے کہ اس کے بغیر علاقے میں مستقل امن کا قیام ایک خواب ہی رہے گا۔

[ايک بار پھر پرويز صاحب اپني طرح سب کو ڈکٹيٹر ہي سمجھ رہے ہيں اور وہ يہ بھول رہے ہيں کہ بھارت ميں ايک جمہوري حکومت ہے اور من موہن سنگھ ڈکٹيٹر کي طرح سارے فيصلے خود کرنے کا اختيار نہيں رکھتے۔ انہيں اپني کابينہ اور پارٹي کو ساتھ لے کرچلنا ہے اور فيصلے ملکر کرنے ہيں تاکہ وہ عوام کے سامنے سرخرو ہوسکيں۔ ايک پرويز صاحب ہيں جو فيصلے خود کرتے ہيں مگر اپنے آقاؤں کے اشاروں پر اور بعد ميں کابينہ کو بتاتے ہيں کہ انہوں نے يہ فيصلہ کيا ہے۔ يہ فرق ہوتا ہے ايک ڈکٹيٹرشپ اور جمہوري نظام ميں]۔

میں نے خود ڈبے سے باہر کا حل سوچنے میں بہت سے دن گزارے ہیں۔ میری تجویز جو میرے خیال میں پاکستان، بھارت اور کشمیریوں کے لئے قابلِ قبول ہوسکتی ہے، یہ ہے کہ سب پارٹیاں چند قدم پیچھے چلی جائیں۔ اس تجویز کے چار عناصر ہیں جو مختصراً اس طرح ہیں:۔

1۔ کشمیر کے ان جغرافیائی علاقوں کا تعین، جو تصفیہ طلب ہیں۔ موجودہ پاکستانی علاقہ دو حصوں میں منقسم ہے، شمالی علاقہ جات اور کشمیر۔ ہندوستانی علاقہ تین حصوں میں ہے، جموں، سری نگر اور لداخ۔ آیا ان سب پر بات ہوگی یا نسلی، ثقافتی، سیاسی اور عسکری تحفظات کی وجہ سے ان میں کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر ردوبدل بھی موضوعِ گفتگو بنے گا۔

2۔ چنیدہ علاقہ یا علاقوں سے فوجیں ہٹا کر وہاں مسلح جدوجہدِ آزادی کو پابند کرکے دبایا جائے۔ اس سے کشمیریوں کو جو دونوں طرف کی قتل و غارت سے پریشان ہیں، سکون ملے گا۔

3۔ چنیدہ علاقہ یا علاقوں میں خودمختار حکومت کو متعارف کرایا جائے۔ کشمیریوں کو اپنے معاملات خود چلانے کی اجازت دی جائے، جس میں بین الاقوامی مداخلت نہ ہواور جو مکمل آزادی بھی نہ ہو۔

4۔ سب سے اہم یہ کہ پاکستانی، بھارتی اور کشمیری اراکین پر مشتمل ایک طریقۂ کار عمل میں لایا جائے، جو خود مختار حکومت کی نگرانی کرے اور ایسے تمام مسائل کو بھی حل کرے، جو چنیدہ علاقوں میں مشترک ہوں اور خود مختار حکومت کے دائرہ عمل سے باہر ہوں۔

یہ مکمل طور پر میرا ذاتی خیال ہے اور اس میں مزید اصلاح ہوسکتی ہے۔ عوام الناس میں اسے قبولیت حاصل کرنے کے لئے اس مسلے میں ملوث تمام جماعتوں اور حکومتوں کو کوشش کرنی ہوگی۔

اب میں ایک اور ہمسایہ ملک افغانستان کے بارے میں کچھ کہوں گا، جو نہ صرف اس علاقے بلکہ دنیا بھر میں کشیدگی کی ایک اور وجہ ہے۔ خشکی میں گھرے ہوئے افغانستان کا دنیاتک رسائی کیلئے پاکستان تک انحصار ہے۔ وسط ایشیائی جمہوریتیں بھی تجارتی سرگرمیوں کیلئے دنیا کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ اگر افغانستان مستحکم ہو جاتا ہے اور اس کے راستے آزادانہ تجارتی نقل و حرکت شروع ہوجاتی ہے تو تمام علاقے کو معاشی فوائد حاصل ہوں گے۔ پاکستان کو بھی اس سے بہت فائدہ ہوگا، کیونکہ افغانستان اور افغانستان کے راستے تمام برآمدی اور درآمدی تجارت کا انحصار پاکستان کی سڑکوں، ریلوں اور بندر گاہوں پر ہوگا۔

مجھے پورا یقین ہے کہ پرامن، آزاد اور مکمل افغانستان نہ صرف پاسکتان، بلکہ اس علاقے اور تمام دنیا کے مفاد میں ہے۔ اس وجہ سے ہم بون معاہدے کے صدقِ دل سے حامی ہیں اور افغانستان میں وسیع پیمانے پر تعمیرِ نو کی تائید کرتے ہیں۔ ہم صدر حامد کرزئی کی جنگ سے تباہ شدہ اپنے ملک میں امن قائم کرنے اور جمہوری اقدار رائج کرنے کی پالیسیوں کی حمایت کرتے ہیں، دہشت گردی اور انتہاپسندی کے خلاف ہماری مشترکہ جنگ پوری قوت، ہم آہنگی اور تعاون سے لڑی جانی ہے۔

تاریخی طور پر پاکستان نے ہمیشہ عرب اور فلسطینی اغراض و مقاصد کی بھرپور طرف داری کی ہے۔ اسرائیل کے خلاف ہمارا طرزِ عمل جارحانہ رہا ہے۔ یہودیوں اور یہودی ریاست کیساتھ ہر قسم کے رابطے ناپسندیدہ ار ممنوع رہے ہیں، فلسطین اور اسرائیل کے مسلے پر ہم شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار رہے ہیں، حالانکہ ہم عرب نہیں ہیں اور چند مسلمان ممالک نے مع عرب ملکوں کے اسرائیل کو کسی نہ کسی حدتک تسلیم کرلیا ہے۔

[یہاں پر پرویز صاحب نے فلسطین کی حمایت کو ایک مسلمان کی حیثیت سے نہیں بلکہ عرب کی حیثیت سے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح مسلم امت کو چھوڑ کر لسانی گروہ بندی کو ترجیح دی ہے جو ایک مسلمان ہونے کے ناطے درست نہیں ہے]۔

میں نے ہمیشہ یہ سوچا ہے کہ اسرائیل سے متعلق اس پالیسی سے ہمیں کیا فائدے ہوئے ہیں؟ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اسرائیل کو امریکہ کا قریب ترین اتحادی ہونے کے علاوہ انتہائی بااثر یہودیوں کا مکمل تعاون بھی حاصل ہے، جسے وہ پاکستان کے مفادات کیخلاف استعال کرسکتا

ہے۔ علاوہ ازیں اگر مقصد یہ ہے کہ فلسطینیوں کے حقوق کے حصول کی جدوجہد میں ان کی مدد کی جائے، تو میرے خیال میں الگ تھلگ رہنے کی بجائے ہم بات چیت میں حصہ لے کر زیادہ موثر ثابت ہوسکتے ہیں۔

سرد جنگ کے خاتمے اور 911 کے بعد دنیا اور مشرقِ وسطیٰ کے سیاسی حقائق میں تغیرات نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا کہ اسرائیل کے بارے ہمیں اپنی حکمتِ عملی پر نظرِثانی کرنی چاہیئے۔ مجھے قومی سطح پر اور عرب دنیا میں اس مسلے کی نزاکت کا بھرپور ادراک ہے اور یہ احساس بھی ہے کہ ہمیں انتہائی احتیاط سے چلنا ہوگا۔

پہلے میں نے داخلی فضا دیکھنے کے لئے ایک محتاط بیان دیا کہ اسرائیل اگر ایک ایسی قابلِ عمل فلسطینی ریاست کے قیام کی طرف پیش قدمی کرے جو فلسطینیوں کو قبول ہو تو پاکستان اسرائیل کے بارے میں اپنے سفارتی نقطۂ نظر پر نظرِثانی کرے گا۔ میری توقع کے مطابق، اخبارات اور دانشوروں کا ردِعمل انتہائی مثبت تھا، جبکہ عام آدمی کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس کے بعد مجھ سے امریکہ کے یہودی فرقے کے نمائندوں نے امریکن جیوئش کانگریس کے صدر جیک روزن کی سربراہی میں رابطہ کیا اور نیویارک کے یہودی فرقے سے خطاب کرنے کی دعوت دی، میں نے بغیر زیادہ تعطل کے اسے قبول کرلیا۔ ساتھ ہی ساتھ ہم نے اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون کے رویے میں مسلۂ فلسطین کے بارے میں نمایاں تبدیلیاں دیکھیں۔ انہوں نے غزہ سے یہودی آبادکاروں کا انخلا زبردستی شروع کردیا۔ جب میں نے ٹیلی وژن پر یہ دیکھا تو محسوس کیا کہ یہ ایک اچھا موقع ہے اور سوچا کہ پاکستان اور اسرائیل کے وزرائے خارجہ کو کھلے عام ملنا چاہیئے۔ ہمارے خیال میں اس ملاقات کے لئے ترکی سب سے زیادہ موزوں جگہ تھی اور ترکی کے وزیر اعظم سے اس ملاقات کا اہتمام کرنے کے لئے درخواست کی جاسکتی تھی۔ یہ پورا انتظام صرف ایک دن میں ہوگیا۔ اسرائیل کی بے تابی عیاں تھی۔ میزبان برادر ملک کے وزیر اعظم اور اپنے دوست کا میں انتہائی مشکور تھا۔

پاکستان اور اسرائیل کے وزرائے خارجہ کی یہ تاریخی اور افتتاحی ملاقات یکم ستمبر 2005 کو استنبول میں ہوئی۔ یہ مثبت رہی اور اس کے بعد میں نے 17 ستمبر 2005 کو نیویارک میں امریکن جیوئش کانگریس سے خطاب کیا۔ ماحول میں بڑا جوش وخروش تھا اور مجھے دیا ہوا استقبالیہ انتہائی پرتپاک اور خیرمقدمی تھا۔ امریکی یہودی فرقے کی تمام سربرآوردہ شخصیات وہاں پر موجود تھیں اور باقاعدہ تقریب سے پہلے میں ان سب سے ملا۔ یہ ایک بہت بڑی ابتدا تھی۔ امریکی یہودیوں کے ساتھ ایک پاکستانی رہنما کا کھلنا ملا اور اس کے بعد خطاب۔ تقریب کا افتتاح مل کر روٹی توڑنے کی رسم سے ہوا۔ جیک روزن نے اپنی افتتاحی تقریر میں میرے لئے تعریفی کلمات کہے۔ کانگریس مین ٹام لینٹوس نے امریکی دارالعوام کے ریکارڈ کا فریم کیا ہوا کتبہ جس کا عنوان پاکستان کے صدر پرویز مشرف کو خراجِ تحسین تھا پہلے پڑھا اور پھر مجھے پیش کیا۔ میری اپنی تقریر بھی جزباتی تھی اور میرے خیال میں سامعین پر اثر انداز ہوئی۔ یہ ایک نیا آغاز تھا۔ اندرونِ ملک ردِعمل مثبت تھا اور بین الاقوامی سطح پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا گیا۔

فلسطینی تنظیمِ آزادی کے منشور میں اسرائیل کے زندہ رہنے کا حق تسلیم ہوجانے کے بعد پاکستان اب اسرائیل کو ایک یہودی ملک اور ایک حقیقت مانتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک آزاد اور قابلِ عمل فلسطینی ملک کی حمایت کے وعدے کا بھی پابند ہے، جو فلسطینی عوام کے لئے قابلِ قبول ہو۔ میرے خیال میں اب ہم مسلۂ فلسطین کے حل اور برسوں سے تکلیف میں مبتلا فلسطینی عوام کے لئے ایک ملک کے قیام کی خاطر ایک زیادہ بامقصد کردار ادا کرسکتے ہیں گے۔

[اسراءيل كےساتھ تعلقات استوار کرنے كي سب سے بڑي وجہ اپني نوكري پكي کرنے کے سوا کچھ نہيں تھا۔ پرويز صاحب نے جيسا کہ خود اقرار كيا ہے کہ يہودي امريكہ ميں بہت مضبوط ہيں اور يہي وجہ ہے کہ ان کو يقين ہے کہ اگر ان کے تعلقات يہوديوں كےساتھ مضبوط ہوں گے تو امريكہ کو ان كي حكومت كي حمايت کرنا پڑے گي۔ پرويز صاحب نے جيو کانفرنس كي تقريب کا حال اس طرح بيان كيا ہے جيسے ايك ديہاتي پہلي دفعہ شہر كي سير کے بعد اپنے دوستوں کو اس کے قصے سناتا ہے۔ پرويز صاحب نے اپني کتاب ميں جن جن سربراہي ملاقاتوں کا اب تک ذکر كيا ہے ان كي روداد بيان كي ہے اور ان کا مطمع نظر بيان نہيں كيا اور نہ ہي تكنيكي پہلوؤں پر بات كي ہے۔ يہاں پر بھي مناسب ہوتا اگر پرويز صاحب اپني تقرير کے چند اہم نقاط کا ذکر کرديتے۔ اسراءيل کے ساتھ تعلقات بحال ہوئے ايك سال ہوچکا ہے اور اب تک پاکستان کا کردار فلسطين کے مسلے ميں صفر رہا ہے اور آئندہ بھي اميدکم ہي ہے کہ پرويز صاحب کوءي کوشش کريں گے۔ عام خيال تويہ ہے کہ پرويز صاحب كي فلسطين کے مسلے ميں کوءي اہميت ہي نہيں ہے اور انہيں آج تک کسي نے پوچھاتک نہيں]۔

میں نے دنیا، مسلم امہ اور ہمارے خطے میں امن لانے کی کوششوں میں سب کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کے اصول پر عمل کیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ ان ملکوں کے ساتھ، جن سے ہمارے مفادات وابستہ ہیں ہمارے باہمی تعلقات کے درمیان ان کے دوسرے ملکوں کے ساتھ تعلقات بنانے میں، پاکستان کی بھارت مرکوز حکمتِ عملی سے کنارہ كشي اختیار کی جائے۔ بھارت کے ساتھ بڑھتے ہوئے اقتصادی تعلقات کے باوجود، چین ہمارا دیرینہ، بروقت ساتھ دینے والا، پرخلوص اور سچا دوست ہے۔ ہم بیك وقت امریکہ کے ساتھ بھی طویل المیعاد اور اعلیٰ سطح پر تعلقات پیدا کررہے ہیں، جو امریکہ اور بھارت کے تعلقات میں پیدا ہونے والی گرم جوشي کے اثر سے آزاد ہیں۔

[چين کو اگر پرويز صاحب دوست مانتے ہيں تو بہتر ہوتا کہ چين کے دورے کا بھي ذکر کرديتے يا پھر چين نے اب تک جو پاکستان كي مدد كي ہے اس کا سرسري ساہي ذکر کرديتے۔ مگر وہ ايسا اسلئے نہيں کريں گے کہ اسطرح ان کے آقاؤں كي سبكي ہوگي]۔

خلیج میں سب ریاستوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہونے کے علاوہ، پاکستان کے سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کے ساتھ ہمیشہ بہت قریبی تعلقات رہے ہیں۔ یہ انتہائی خصوصی رشتہ قائم و دائم ہے۔ میں نے دونوں ممالك کے سربراہوں کے ساتھ مراسم استوار کرکے ان رشتوں کو مزید تقویت دی ہے۔

[سعودي عرب كےساتھ پاکستان کے سربراہوں کا تعلق صرف عمرے کرنے كي حد تک ہے۔ وہ جب بھي سعودي عرب جاتے ہيں دکھاوے کے عمرے کرتے ہيں، تصويريں بنواتے ہيں اور بس واپس آجاتے ہيں۔ نہ کبھي مشترکہ تجارت كي بات كي ہے اور نہ کبھي تيل کے لين دين پر سودے بازي ہوءي ہے]۔

ایران ہمارا اہم ہمسائیہ ہے۔ ہم نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ اس کے ساتھ قریبی اور دوستانہ تعلقات رہیں، لیکن اس میں نشیب و فراز بھی آتے رہے ہیں۔ امریکہ اور ایران کے درمیان نیوکلیائی آمنا سامنا، بھارت کے ساتھ ہمارے جداگانہ تعلقات اور افغانستان کے معاملے پر ہمارا موقف،

باہمی تعلقات میں پیچیدگیاں پیدا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک مضبوط اؤر دیرپا دؤستی قائم کرنے کے لئے جو ہمارے جغرافیے اؤر تاریخ کا تقاضا ہے، ہمارے لئے ایک دؤسرے کے احساسات کو سمجھنا ضرؤری ہے۔

[ای‌ران چونکہ اتحادیؤں کا سب سے بڑا دشمن ہے اسلئے پاکستان اس کے ساتھ دؤستانہ تعلقات فی‌الحال قائم نہ‌یں کرسکتا۔ عرصہ پہلے جو آر سی ڈی کا معاہدہ ای‌ران، پاکستان اؤر ترکی کے درمیان ہوا تھا اب اس کی کسی کو خبر تک نہ‌یں ہے]۔

اکیسیویں صدی میں عالمی سیاست اؤر عالمی حکمتِ عملی کے مقابلے میں عالمی معاشیات کی اہمیت زیادہ ہوگی۔ ملکوں کے درمیان تعلقات کا انحصار ان کے معاشی رشتوں پر ہو گا۔ آپس کی تجارت، باہم صنعتی منصوبے اؤر سرمایہ کاری۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے سفارت خانوں کو پاکستانی درآمدات اؤر پاکستان میں سرمایہ کاری کے فرؤغ کے لئے کاؤشیں کرنی چاہئیں۔ ماضی میں یہ دؤنوں میدان عدم توجہی کا شکار رہے ہیں۔

ہمارے سفارت کارؤں کے رؤیوں میں تبدیلی لانے کے لئے انہیں نئی رؤشوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ ہمارے سفی‌رؤں کو ان کی اپنی ؤزارتِ خارجہ کے علاؤہ تجارت، صنعت، سرمایہ کاری کی ؤزارتوں اؤر ادارہ فرؤغ درآمدات کے ساتھ مل کر کام کرنے کئے لئے کہا گیا ہے۔ سب کی مشترکہ کوششیں ہی نتیجہ خیز ثابت ہوں گی۔

ہم نے 2000 می‌ں اس کوشش کا جارحانہ طریقے سے آغاز کیا اؤر اپنے سفارتخانوں میں اہل کمرشل قونصلرؤں کا تقرر کیا۔ می‌ں نے سفیرؤں پر ؤاضح کیا کہ ان کی کارکردگی کا پیمانہ تجارتی سرگرمیاں بڑھانے میں کامیابی ہوگا۔ ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ ہماری تجارت کا رؤایتی ہدف امریکہ اؤر یورپ کی جگہ جنوبی امریکہ، افریقہ، مشرقی یورپ، جنوب مشرقی ایشیا، چین اؤر جنوبی ایشیا میں ہمارے ہمسائے ہونے چاہئیں۔ ہم نے امتیازی تجارتی معاہدے، حتیٰ کہ آزاد تجارتی معاہدے کرنے کے لئے تمام سفارتی ذرائع استعمال کئے۔ اپنے پرانے اؤر بہترین دؤست چین کے ساتھ ہم نے تجارت کو خصوصی فرؤغ دینے کے لئے ابتدائی زراعت نامی منصوبے پر دستخط کئے۔ تجارت میں اتنی تیزی آئی کہ 2006 میں ہماری درآمدات[کتاب می‌ں درآمدات لکھا ہوا ہے حالانکہ ای‌کسپورٹ کے معنی برآمدات ہونا چاہئی‌ں] :1 عرب ڈالر تک پہنچ گئیں یعنی پانچ سال میں 12.5 فیصد کا اضافہ۔

[سفی‌رؤں کی تعی‌نات‌ی می‌ں می‌رٹ کا لحاظ نہ‌یں رکھا گی‌ا اؤر زی‌ادہ تر ممالک می‌ں ی‌ا تو ری‌ٹائرڈ فوجی افسر سفی‌ر بنائے گئے ہ‌ی‌ں ی‌ا پھر سفارشی لوگ بھیجے گئے ہ‌ی‌ں۔ اب اگر سفی‌رؤں کی تقرری کے بن‌ی‌ادی طری‌قے کو ہی پس پشت ڈال دی‌ا جائے گا تو پھر نتی‌جہ خاک نکلے گا۔ پرؤی‌ز صاحب کے بقول سفی‌رؤں کی کارکردگی کا جائزہ ان کی آؤٹ پٹ سے لی‌ا جائے گا۔ مگر آج تک نہ کوئی جائزہ لی‌ا گی‌ا اؤر نہ ہی کسی سفی‌ر کی کارکردگی کی بنا پر تبدی‌لی ہوئی۔ پرؤی‌ز صاحب نے برآمدات کے بڑھنے کا ذکر تو جوش ؤ خرؤش سے کردی‌ا مگر ی‌ہ نہ‌یں بتای‌ا کہ برآمدات کے مقابلے می‌ں درآمدات بڑھ ہ‌ی‌ں اؤر ان کا بڑھنا ملک کی‌لئے نقصان دہ ہوتا ہے منافع بخش نہ‌یں اؤر آج کل ی‌ہی تجارتی خسارہ ملک کی اقتصادی‌ات کی‌لئے خطرناک بنتا جارہا ہے]۔

مجھے اپنے سفیرؤں سے توقع تھی ؤہ غیر ملکی سرمایہ کاری کئے لئے پاکستان کو ایک ترجیحی منزلِ مقصود کے طور پر پیش کریں گے۔ اب انہوں نے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی شرؤع کر دی ہیں۔ میں جہاں بھی جاتا ہوں، ؤہاں میرے ؤہ ہی کام ہوتے ہیں۔ سیاسی تعلقات میں بہتری لانا اؤر تجارتی حلقوں سے مل کر انہیں پاکستان میں سرمایہ کاری کے لئے مائل کرنا۔ بیرؤنی ممالک کے دؤرؤں پر ایک مضبوط تجارتی ؤفد ہمیشہ میرے ہمراہ جاتا ہے۔ ان اقدامات کے باعث غیر ملکی سرمایہ پاکستان مءیں آنا شرؤع ہوگیا ہے۔

[اس حکومت نے غءیرملکءی رءی کارڈ دؤرے کئے ہءیں ان پر بے تحاشہ قومءی دؤلٹ لٹاءی ہے مگر نتءیجہ کچھ بھءی نہءیں نکلا سوائے دہشت گردءی کے اقدامات کے معاہدے کرنے کے۔ ان دؤرؤں کے باؤجود ملک کا تجارتءی خسارہ پچھلے سال کءی نسبت دؤگنا ہوچکا ہے اؤر قءیاس ءیہءی ہے کہ اگر اس پر قابو نہ پاءیا گءیا تو ملک کءی اکانومءی چند دنوں کءی مہمان ثابت ہوگءی۔ سفءیرؤں کءی تعرءیف اسلئے نہءیں کءی جارہءی کہ ؤہ ملک کءی ترقءی کءیلئے کچھ کررہے ہءیں بلکہ اسلئے کءی جارہءی ہے کہ ؤہ پرؤءیز صاحب کے دؤرؤں کے انتظامات اچھے طرءیقے سے کررہے ہءیں]۔

سماجی حلقہ

1999 مءیں میں دؤپریشان کن معاملات میں گھرا ہوا تھا، جن میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ اؤر یہ فیصلہ ہماری مخدؤش اقتصادی صورتِ حال اؤر محدؤد مالی ؤسائل کی ؤجہ سے مشکل صورت اختیار کرچکا تھا۔ آیا ہماری حکمتِ عملی یہ ہو کہ صحت اؤر تعلیم کو زیادہ سے زیادہ ؤسائل فراہم کئے جائیں یا اقتصادی مقاصد کے لئے ترقیاتی منصوبوں کو۔ میں نے آخرالزکر کے حق میں فیصلہ کیا کیونکہ معیشت کو اس ؤجہ سے فرؤغ دینے کی ضرؤرت تھی تاکہ اس سے جو آمدنی حاصل ہو، ؤہ سماجی شعبے میں خرچ کی جاسکے۔ یہ حکمتِ عملی کامیاب رہی اؤر دؤتین سال میں ہی ہماری معیشت اتنی بہتر ہوگئی کہ ہم صحت اؤر تعلیم کے شعبے کے لئے زیادہ رقم مختص کر سکے، خصوصاً تعلیم کے شعبے میں۔

[پرؤیز صاحب اگر حقیقت بیانی سے کام لیتے تو کہہ سکتے تھے کہ غریب ملک جن پر ڈکٹیٹر مسلط کر دیئے جاتے ہیں کبھی بھی صحت اؤر تعلیم کو اؤلیت نہیں دیتے کیونکہ اگر ؤہ ان دؤ شعبوں پر توجہ دیں گے تو ترقی کرنا شرؤع کر دءیں گے جو قرض دینے ؤالے ترقی یافتہ ملکوں کو گوارہ نہیں ہوتا۔ پرؤیز صاحب کی معیشت کی مضبوطی کے دعوے کے بعد بھی حقائق یہی بتاتے ہیں کہ تعلیم اؤر صحت پر دفاع کے مقابلے میں بہت ہی کم توجہ دی گئی ہے]۔

ہم نے شعبۂ تعلیم کا جس کی حالت ناگفتہ بہ تھی ایک کلی جائزہ لیا اؤر فیصلہ کیا کہ اسے ہر سطح پر ٹھیک کیا جائے۔ تعلیمی سیڑھی میں سب سے نچلی سطح پر ہم نے تعلیم کی شرح بڑھانے کا فیصلہ کیا، جو اس ؤقت صرف :4 فیصد تھی اؤر طے کیا کہ تعلیم عام کی جائے، خصوصاً لڑکیوں کے لئے اؤر تعلیمِ بالغاں پر بھی زؤر دیا جائے۔

تعلیمی سیڑھی کا دؤسرا قدم پرائمری اؤر سیکنڈری سطح کا ہے۔ اس میں بہتری لانے کےئے لئے ہم نے نصابِ تعلیم کی اصلاح، امتحانوں کو بہتر طریقہ کار رائج کرنے اؤر اساتزہ کی تربیت پر زؤر دینے کا فیصلہ کیا۔ میں نے حکومتی اؤر عوامی شراکت داری سے ایک ادارہ تشکیل دیا، جس کا نام نیشنل کمیشن آف ہیومن ڈؤیلپمنٹ رکھا، جس کا کام صحت، تعلیم اؤر عوامی سطح پر بڑی تعداد میں لوگوں کو سماجی ذمہ داریوں کے لئے تیار کرنا تھا۔ یہ کمیشن جو دسمبر 2006 تک پاکستان کے 110 اضلاع میں کام شرؤع کردے گا، اپنے منشور پر عمل پیرا ہے۔ اس نے اس ؤقت تک 20،00 تعلیمِ بالغاں کے مراکز اؤر مقامی دیہاتیوں کی مدد سے تربیتی سکول کھولے ہیں، جن میں مقامی لڑکے اؤر لڑکیاں بطور استاد ملازمت کررہے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس کام کا سہرا ڈاکٹر نسیم اشرف کے سر ہے، جو ایک متحرک پاکستانی امریکن میڈیکل ڈاکٹر ہیں اؤر انہوں نے ہی مجھے اس منصوبے کی تجویز دی اؤر ؤہی اس کمیشن کے سربراہ ہیں۔

[نصابِ تعلیم کو جتنا بھی تبدیل یا بہتر کیا گیا ہے اس کے پیچھے ہمارے آقاؤں کا ہاتھ ہے جو چاہتے ہیں کہ ہماری اگلی نسل ایسی تعلیم حاصل کرے جس سے یہ نسل آقاؤں کے طابع رہے اؤر مستقبل میں خطرہ ثابت نہ ہو۔ یہی ؤجہ ہے کہ ہمارے آقاؤں نے تعلیمی شعبے کیلئے کافی امداد بھی فراہم کی ہے۔ ڈاکٹر نسیم اشرف جو پرؤیز صاحب کے دؤست ہیں اؤر امریکی پاکستانی ہیں اسی خاص مقصد کیلئے پاکستان امپورٹ کئے گئے۔ اب جب ان کا کام ختم ہوگیا ہے توانہیں نوازنے کیلئے ایک غیر متعلقہ کرکٹ بورڈ کا چیرمین بنا دیا گیا ہے]۔

ان کوششوں میں صوبائی حکومتیں بھرپور ساتھ دے رہی ہیں، مثلاً پنجاب میں تمام سرکاری سکول مفت کردیئے گئے ہیں اؤر درسی کتابوں کی بھی کوئی قیمت نہیں لی جاتی۔ کمپیوٹر کی مدد سے ہر سکول کی فہرست بنادی گئی ہے اؤر اس میں خامیوں کی بھی نشاندی کردی گئی ہے۔ جنوبی پنجاب کے 11 اضلاع میں جہاں جماعت پنجم اؤر ہشتم کے درمیان لڑکیوں کے سکول چھوڑنے کی شرح سب سے زیادہ ہے، ہر لڑکی کو جس کی کلاس میں حاضریوں کی شرح 0: فیصدیا اس سے زیادہ ہے، دؤسو رؤپے ماہانہ دیئے جاتے ہیں۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ سکول چھوڑنے کی شرح ڈرامائی انداز میں کم ہوگئی ہے۔

تعلیمی سیڑھی کا سب سے اؤنچا درجہ، جسے ہم نے باقی نظام سے جدا کردیا، ؤہ اعلیٰ تعلیم ہے۔ ہم نے تباہ حال یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کو توڑ کر اس کی جگہ ایک نیا ہائیر ایجوکیشن کمیشن بنایا، جس کی سربراہی انتہائی قابل اؤر فعال سائنس دان اؤر ماہرِ تعلیم ڈاکٹر عطاء ارحمن کررہے ہیں۔ ایک نیا یونیورسٹی آرڈیننس تیار کرنے کے علاؤہ ایچ ای سی نے یونیورسٹیوں میں انقلابی تبدیلایاں متعارف کرائیں اؤر ان کا معیار بلند کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مختص کی گئی دس ملین ڈالر کی حقیر رقم سے بڑھا کر 350 ملین ڈالر سالانہ کردی گئی یعنی تین ہزار پانچ سو فیصد کا بے مثال اضافہ۔ 2010 تک انجینئرنگ اؤر سائنس میں ہر سال ایک ہزار پانچ سو پی ایچ ڈی تیار کرنے کا ایک پرعزم منصوبے کا آغاز کردیا گیا ہے۔ ماضی میں صرف ایک درجن پی ایچ ڈی کامیاب ہوتے تھے۔ 200: میں چھ نئی بین الاقوامی معیار کی انجینئرنگ یونیورسٹیاں کھل جائیں گی۔ ایچ ای سی نے انٹرنیٹ کے ذریعے تعلیم کے حصول کا ایک منصوبہ بھی شرؤع کیا، جس سے پورے پاکستان میں 59 یونیورسٹیاں منسلک ہیں اؤر 16000 قیمتی سائنسی مجلوں تک پورے ملک کا طلبا رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔ ان اقدامات کا اعلیٰ تعلیم پر مثبت اثر ہورہا ہے۔

[یونیورسٹیوں کے قیام کی حکومتی کوششیں قابلِ ستائش ہیں مگر حکومت یونیورسٹیوں کی تعلیم کو مہنگا رکھ کر عام لوگوں کیلئے ناممکن بنارہی ہے۔ پاکستان میں پرویز صاحب کے ہی دور میں تعلیم مافیہ وجود میں آچکا ہے جو دونوں ہاتھوں سے لوگوں کو لوٹ رہا ہے اور اس پر حکومت کا کنٹرول نہ ہونے کے برابر ہے]۔

ماضی میں ہم نے فنی تعلیم کو بری طرح نظرانداز کیا ہے۔ اس وجہ سے چند شعبوں میں ٹیکنیشنز اور عام طور پر تجربہ کار افرادی قوت کی کمی ہے۔ ہم نے پورے ملک میں ٹیکنیکل سکول اور تربیتی مراکز کھولنے اور انہیں باقاعدہ ترقی دینے کے لئے ایک نیشنل ووکیشنل اینڈ ٹیکنیکل ایجوکیشن کمیشن تشکیل دیا ہے۔ اس طرح اب فنی تعلیم، وزارتِ تعلیم سے علیحدہ کردی گئی ہے، جہاں اسے زیادہ ترقی نہیں ہورہی تھی۔ اس کا اصل مقصد، ہماری یونیورسٹیوں میں، جہاں سے انجینئرنگ گریجویٹ نکلتے ہیں، ہمارے ٹیکنیکل سکولوں میں، جہاں تربیت یافتہ ٹیکنیشنز نکلتے ہیں اور ہماری موجودہ اور آئندہ صنعتی ضروریات کے آپس میں رابطے پیدا کرنا ہے۔ اس سے نہ صرف ہماری فنی مہارت بڑھے گی، بلکہ ملازمتیں بھی پیدا ہوں گی۔

[پتہ نہیں پرویز صاحب نے سارے پرانے تعلیمی محکمے توڑ کر نئے محکمے یعنی کمیشن بنانے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔ کیا وہ پرانے محکموں کی ہی کارکردگی کو بہتر نہیں بناسکتے تھے۔ اب لوٹ مار کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے اور کس کس نے اس گنگا میں ہاتھ رنگے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا]۔

آخری پیچیدہ مسلہ، جسے ہم حل کررہے ہیں، مدرسوں کی تعلیم ہے۔ پاکستان میں تقریباً 14000 مدرسے ہیں، جن میں دس لاکھ کے لگ بھگ غریب طلبا تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان مدرسوں میں سے ٥٠ فیصد پانچ مختلف وفاق المدارس [مدرسوں کے ٹرسٹ] کے تحت ہیں۔ مدرسوں میں مضبوط حیثیت کا راز یہ ہے کہ وہ عام طور پر اپنے طلبا کو مفت رہائش اور کھانا پینا دیتے ہیں۔ ایک طرح وہ سماجی فلاح وبہبود کے ذرائع مہیا کرتے ہیں۔ ان کی خامی اور کمزوری یہ ہے کہ یہ عموماً صرف دینی تعلیم دیتے ہیں اور ان کے طلبا میں چند انتہاپسندی اور دہشت گردی میں ملوث ہوجاتے ہیں۔ ان میں اکثر کی خصوصیت دوسرے فرقے کو برداشت نہ کرنا اور مزہبی معاملات پر عدم رواداری ہے۔ ہمیں وفاق المدارس سے گفتگو کرکے اس صورتِ حال میں تبدیلی لانی ہے۔ ہم مدارس کو اپنے عمومی تعلیمی نظام میں لانے کی کوشش کررہے ہیں۔

[یہ بات خوش آئند ہے کہ پرویز صاحب مزہبی فرقہ بندی کی کشیدگی کو کم کرنے کی کوشش کررہے ہیں]۔

اب یہ ضروری ہے کہ مدارس، حکومت کے ساتھ رجسٹرڈ ہوں اور بجائے صرف دینی نصابِ تعلیم کے، اپنے طلبا کو دوسرے مضامین کی تعلیم بھی دیں، جو تعلیمی بورڈ کے مطابق ہو اور متعلقہ امتحانات منعقد کرائیں۔ حکموت نے طے کیا ہے کہ صرف ان مدرسوں کو مالی امداد دی جائے گی، جو ان احکامات کی تعمیل کریں گے۔ بالعموم، پانچوں وفاق المدارس اسے تسلیم کرچکے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے یہ بات منظور کرلی ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے نصابِ تعلیم کے مطابق پڑھائیں گے، لیکن وہ ہمارے تعلیمی بورڈ کے نظام میں شامل ہونے کے مخالف ہیں۔ باہمی اعتماد کی کمی کے

باؤجود ہم ایک سمجھوتے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جلد ہی ہمارا معاہدہ ہوجائے گا اور مدرسوں کے ساتھ ہمارے تعلقات آنے والے وقتوں میں بالکل ٹھیک ہوجائیں گے۔

[دراصل مدرسوں کو یہ خدشات لاحق ہیں کہ حکومت ان پر کنٹرول حاصل کرلے گی جس سے وہ اپنی مرضی سے طالبعلموں کو دینی تعلیم دے گی اور اس تعلیم کی وجہ سے طالبعلم ان کے آقاؤں کیلیئے کوئی خطرہ ثابت نہیں ہوں گے]۔

باقی 20 فیصد مدرسے، جو وفاق المدارس سے مسلک نہیں ہیں، ان کی صرف ایک تھوڑی تعداد انتہا پسندوں کے ہاتھوں میں ہے، جو روز بروز کم ہورہی ہے۔ اس بات کو دوبارہ کہنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان کے 150 ملین مسلمانوں میں انتہا پسندوں کی تعداد بہت معمولی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ یہاں پر بھی دنیا میں دوسری جگہوں کی طرح، انتہا پسند اتنا زیادہ شور غل اور غیر معمولی حرکات کرتے ہیں کہ انہیں ان کے تناسب سے کہیں زیادہ شہرت ملتی ہے، جبکہ امن پسند اور معتدل اکثریت اتنی خاموش اور بے زبان ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اقلیت میں ہوں۔ پاکستانیوں کی بہت بڑی اکثریت اعتدال پسند اور روشن خیال ہے۔ یہ بھی دوبارہ کہنا ضروری ہے کہ ہندوستان میں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، بلکہ صوفیائے کرام نے پھیلایا۔ اسی وجہ سے پاکستانیوں کی اکثریت امن پسن اور دوسروں کو برداشت کرنے والی ہے۔ بالآخر ایک روز بورڈ کے امتحانوں اور معیاری نصابِ تعلیم کے نتیجے میں مدرسوں کے طلبا، کالج اور یونیورسٹیوں میں اپنی قابلیت کی بنا پر داخلوں کے لئے درخواست دے سکیں گے۔ دنیا میں بہت سے ملک ہیں، جہاں دینی اور دنیاوی سکول کامیابی سے ایک دوسرے کے برابر چلتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان میں بھی ایسا نہ ہوسکے۔

[پرویز صاحب نے دنیا کو یہ دکھانے اور مسلمانوں کو تلوار کے شوق سے دور کرنے کیلیئے صوفی کونسل بھی قائم کی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان صوفی ہوجائیں جن کا کام صرف اپنے آقاؤں کے زیر سایہ پرامن رہ کر روزی کمانا اور ان کے سامنے درویش بن کر زندگی گزارنا ہو]۔

بہبودِ خواتین

مختاراں مائی کا نام اندرونِ ملک گھر گھر اور بین الاقوامی سطح پر بھی خوب جانا پہچانا جاتا ہے۔ یہ بہت افسوسناک بات ہے کہ ایک انتہائی دہشت ناک حادثے، زنا بالجبر کی وجہ سے وہ مشہور ہوئیں۔ زنا بالجبر کے اس واقعہ کے بعد بہت کچھ سنا، کہا اور لکھا گیا ہے اور پاکستان میں خواتین کو جن امتحانات اور دشواریوں کا سامنا ہے، یہ اس کی ایک مثال ہے جسے بتانا میں ضروری سمجھتا ہوں۔

مختاراں مائی 1969 میں جنوبی پنجاب کے گاؤں میروالا میں گجر قبیلے میں پیدا ہوئیں۔ وہ طلاق یافتہ ہیں یا کم از کم اس واقعہ کے وقت تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے بھائی عبدالشکور نے مستوئی قبیلے کی ایک خاتون نسیم کے ساتھ تعلقات استوار کئے ہوئے تھے۔ مستوئی قبیلہ اپنا درجہ گجر قبیلے سے اونچا سمجھتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا تھا کہ نسیم کے دو بھائی اللہ دتہ اور عبدالخالق نے نسیم اور عبدالشکور کو ایک دوسرے کے ساتھ پکڑا تھا۔

عبدالشکور کو زبردستی پکڑ کر اس کے ساتھ بد فعلی کی گئی اؤر پولیس کے حوالے کردیا گیا۔ گاؤں ؤالوں نے اس جھگڑے کو نمٹانے کے لئے ایک پنچائیت بلائی ۔پنچائیت نے فیصلہ دیا کہ عبدالشکور کو نسیم سے شادی کرنی چاہئے اؤر مختاراں مائی کو نسیم کے کسی ایک بھائی سے ۔

نسیم کے بھائی عبدالخالق اؤر دؤسرے چند افراد نے اس فیصلے سے اتفاق نہ کیا۔ عبدالخالق، اس کا بھائی اللہ دتہ اؤر دؤ دؤسرے افراد مختاراں مائی کو گھسیٹ کر ایک کمرے میں لے گے ۔ شاہدؤں کے مطابق مختاراں مائی پریشان حال اؤر نیم برہنہ حالت میں کمرے سے باہر آئیں ۔ بلاشبہ نہ تو مختاراں مائی کا اس میں کوئی قصور تھا نہ انھیں اپنے بھائی کے نسیم کے ساتھ غیر محتاط رؤیے کی سزا ملنی چاہئے تھی۔

اسلام میں بدکاری اؤر کسی بے گناہ انسان کو کسی اؤر کے گناہ یا جرم کے بدلے سزا دینے کی سخت ممانعت ہے اؤر اسلام میں ایک خاندان کی لڑکی کی شادی بدلے کے طور پر دؤسرے یعنی شکایت کرنے ؤالے خاندان میں کرنے کے رؤاج کی بھی ممانعت ہے ۔ یہ رؤاج غیراسلامی، غیرقانونی، غیرانسانی اؤر غیرمہزب ہے لیکن ہمارے چند دیہی علاقوں میں رائج قابلِ مزمت قبیح رؤایتوں میں سے ایک ہے،،جو نہ صرف اسلامی بلکہ ملک کے دؤسرے قوانین پر بھی حاوی ہے ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حکومت اس قسم کے رؤاجوں کو دستیاب ؤسائل استعمال کر کے ختم نہ کرے، بلکہ یہ تو حکومت کا فرض ہے کہ کمزؤر، محرؤم اؤر معاشرے کے دؤسرے نچلی سطح کے افراد کی حفاظت کرے۔ یہی حکومت کا کام ہے ۔ لیکن 160 ملین آبادی پر مشتمل ملک،،جو کتنے سومربع میل رقبے پر پھیلا ہو اؤر جہاں تعلیم کی، خصوصاً دیہی علاقوں میں کمی ہو، ؤہاں قدیم رسموں رؤاجوں کو ختم کرنا اتنا آسان نہیں، جتنا کہنا، لیکن ہم کوشش کر رہے ہیں ۔

کمرے کا ؤاقعہ اؤر پنچائیت 22 جون 2000 کو ہوئے تھے ۔ 30 جون کو مقامی تھانے میں ان کے بارے میں ایک رپورٹ درج کرائی گئی ۔ اخبارات کی چیخ ؤ پکار نے میری توجہ اس طرف مبزؤل کرائی اؤر میں نے مختاراں مائی کے حق میں فوری انصاف کئے ۔ میں نے انھیں تقریباً چھ لاکھ رؤپے اؤر مکمل تعاؤن کا یقین دلایا۔ بڑی سے بڑی رقم بھی کسی عورت کے لئے زنا بالجبر جیسے دہشت ناک حادثے کا معاؤضہ نہیں ہو سکتی۔ یہ مقدمہ ڈیرہ غازی خان کی انسدادِ دہشت گردی کی ایک عدالت میں چلایا گیا اؤر 31 اگست 2002 کو نسیم کے دؤنوں بھائیوں اؤر ان کے چار ساتھیوں کو سزائے موت سنادی گئی ۔ سزا یافتہ لوگوں نے لاہور ہائی کورٹ میں اپیل کی اؤر ناکافی ثبوت کی بنا پر عبدالخالق، جس کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا، باقی سب لوگ بری ہوگئے ۔ یہ فیصلہ 3 مارچ 2005 کو سنایا گیا۔

[حقیقت یہ ہے کہ حکومت اس معاملے میں تبھی کودی جب میڈیا نے اس کا ناک میں دم کردیا اؤر حکومت کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ یہ حادثہ آگے چل کر عوامی تحریک میں نہ بدل جائے ۔ اسی ؤجہ سے حکومت نے یہ مقدمہ انسدادِ دہشت گردی کی عدالت میں چلایا حالانکہ اس کا دہشت گردی سے دؤر کا بھی تعلق نہیں تھا۔ ملزمان کو جلدی میں سزا دلوادی تاکہ معاملہ ٹھنڈا پڑجائے ۔ اس کے بعد جب عالمی میڈیا نے مختاراں مائی کو نمایاں جگہ دینی شرؤع کی تو حکومت کو اپنی بدنامی کا ڈر لگنے لگا۔ پہلے پہل تو پرؤیز صاحب نے مختاراں مائی کی نقل ؤ حرکت پر پابندی بھی لگائی اؤر اسے ایک دفعہ نیویارک یہ کہہ نہ جانے دیا گیا تاکہ پاکستان کی نیک نامی پر حرف نہ آئے ۔ لیکن جب آقاؤں نے دباؤ ڈالا تو پھر مختاراں مائی کو نہ صرف آزاد کردیا گیا بلکہ اس کے نام پرؤیز صاحب کو یہ باب بھی منصوب کرنا پڑا۔ پرؤیز صاحب کی کہانی اگر سچ ہے تو پھر مختاراں مائی کے مجرموں کو سزا ملنی چاہئے تھی اؤر انھیں ہائی کورٹ سے بری نہیں ہونا چاہئے تھا]۔

اس فیصلے کے خلاف مختاراں مائی، حقوقِ انسانی کی تنظیموں، غیر سرکاری تنظیموں اوٗر حقوقِ نسواں کے کارکنوں نے ایک لمبی چوڑی مہم چلائی۔ 26 جون 2005 کو لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف مختاراں مائی کی طرف سے پاکستان کی سپریم کورٹ میں ایک دعویٰ دائر کیا گیا۔ بری ہونے وٗالے لوگوں کے بنا ضمانت گرفتاری کے وٗارنٹ جاری کئے گئے اوٗر انہیں پکڑ کر جیل میں بند کر دیا گیا۔

[یہ بیروٗنی امداد کے سہارے چلنے وٗالی این جی اوٗز ہی تھیں جن کے ڈر سے پروٗیز صاحب نے ہائی کورٹ کے فیصلے کے باوٗجود ملزموں کو دوٗبارہ گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ اب وٗہ جیل میں بیٹھ کر سپریم کورٹ میں اپنی اپیل کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ ملزموں کی بدقسمتی ہے یا ان کے اعمال کی سزا کہ ان کا کیس سیاسی بن چکا ہے اوٗر اب سپریم کورٹ میں ان کے فیصلے کی باری پروٗیز صاحب کی حکومت میں تو نہیں آئے گی]۔

میں اس پورے قصے میں، خاموشی سے مختاراں مائی کی حمایت کرتا رہا۔ حکومت نے تقریباً پونے دوٗ کروٗڑ روٗپے کی لاگت سے ان کے گاوٗں میں ایک سکول، ایک پولیس چوکی اوٗر خواتین کا امدادی مرکز قائم کرنے میں مدد کی۔ لاتعداد غیر سرکاری تنظیموں، سفیروٗں اوٗر حقوقِ نسواں کے کارکنوں نے اس گاوٗں کا دوٗرہ کیا۔ مختاراں مائی کو مختلف تقریبات میں مدعو کیا گیا اوٗر ان کی مالی اوٗر اخلاقی مدد کی گئی۔ وٗزیرِ اعظم کی سماجی بہبود کی مشیر نے 2 اگست 2005 کو انہیں فاطمہ جناح طلائی تمغہ بھی دیا۔

[حکومت نے اپنی مرضی سے مختاراں مائی کے کاز آگے نہیں بڑھایا بلکہ اسے عالمی ذرائع ابلاغ، اس کے آقاوٗں اوٗر این جی اوٗز کے دباوٗ میں یہ سب کرنا پڑا۔ پروٗیز صاحب نے امریکہ کے دوٗرے کے دوٗران انٹرویو میں ایک دفعہ یہ کہہ کر اپنے آپ کو مصیبت میں پھنسا لیا تھا کہ مختاراں مائی کی طرح کی خواتین شور مچا کر اپنے ریپ کو کیش کراتی ہیں۔ بعد میں پروٗیز صاحب کو عوامی دباوٗ کی وٗجہ سے اس سٹیٹمنٹ کو وٗاپس لینا پڑا۔ اگر اب بھی پروٗیز صاحب کو عوامی غصے کا ڈر نہ ہوتا تو وٗہ یہ بات ضروٗر اپنی کتاب میں دوٗبارہ لکھتے اوٗر مثال کے طور پر ڈاکٹر شازیہ کے کیس کا ضروٗر حوالہ دیتے۔ یہ پروٗیز صاحب کا دوٗغلہ پن ہے جس کی وٗجہ سے ایک طرف تو مختاراں مائی کی حمایت میں اتنے آگے نکل گئے کہ اس کا ذکر اپنی کتاب میں کرنا پڑا اوٗر دوٗسری طرف ڈاکٹر شازیہ کو طاقت کے زوٗر پر جلاوٗطن کر دیا اوٗر اس کا کیس بند کر دیا]۔

مختاراں مائی نے تمام دنیا میں سفر کئے۔ وٗہ 2 فروٗری 2003 میں سپین گئیں، 12 اگست 2004 کو سعودی عرب، 10 جنوری 2004 کو بھارت، اکتوبر 2005، جنوری 2006 اوٗر مئی 2006 میں امریکہ اوٗر جنوری 2006 میں فرانس۔ بہت سے ٹیلی وٗیژن چینلز اوٗر اخبارات نے ان کے انٹروٗیو کئے اوٗر تمام دنیا میں انہیں بہت سے تمغے بھی ملے۔ مخاراں مائی بہت مشہور ہوگئیں، بلکہ ایک اہم شخصیت بن گئیں، حالانکہ ان کے ساتھ پیش آنے وٗالے المیے کی وٗجہ سے میں یہ الفاظ استعمال کرنے میں احتیاط سے کام لے رہا ہوں۔ وٗہ سکول اوٗر خواتین کی بہبود کرتی ہیں۔ ان کے ساتھ جو برا سلوک ہوا، اس کا دوٗسرا رخ یہ ہے کہ وٗہ پاکستان کے دوٗسرے بہت سے علاقوں میں خواتین پر ہونے وٗالی زیادتیوں کو اجاگر کر کے منظرِ عام پر لائیں۔ زنا بالجبر دنیا میں کہیں پر بھی ہو، ایک المیہ ہے اوٗر اس کا نشانہ بننے وٗالی خاتون کے لئے انتہائی وٗحشت ناک حادثہ ہوتا ہے۔ مختاراں مائی اوٗر وٗہ تمام خواتین جنہیں ایسے المناک حادثے سے دوٗچار ہونا پڑا، میری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔

ایک خاتون کے لئے اپنے اوُپر ظلم کرنے وُالے کے خلاف مقدمہ کرنا بھی آسان نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا مرحلہ ہے، جو سرزد ہونے وُالے جرم سے کم پریشان کن نہیں ہوتا۔ جو خاتون اس راہ کا انتخاب کرتی ہے، وُہ جرآت کے لئے نہ صرف قابلِ تعریف ہے بلکہ قابلِ عزت بھی۔ مختاراں مائی وُاقعی ایک ایسی خاتون ہیں۔ ان کی دلیری اوُر جرآت نے نہ صرف ہماری توجہ مسلے کی طرف بلکہ ہماری توجہ موئثر اصلاحی تدابیر کی طرف بھی مرکوز کرائی۔

پاکستان کی خواتین تکلیف اوُر عدم تحفظ کی شکار ہیں۔ انہیں اکثر انصاف نہیں ملتا اوُر ایک مہزب معاشرے میں یہ ناقابلِ معافی ہے۔ بد قسمتی سے، پاکستان میں خواتین پر تشدد، جس میں زنا بالجبر بھی شامل ہے، جیسے وُاقعات ہوتے رہتے ہیں، ہمیں اس ناسور کو ٹھیک کرنے کے خصوصی اقدامات کرنے ہیں۔

زنا بالجبر اوُر خواتین پر تشدد ایک عالمی مسلہ ہے، لیکن یہ پاکستان میں اس لعنت کے موجود ہونے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ہمیں اپنا گھر ٹھیک کرنے کی ضروُرت ہے۔ مجھے اعتراض صرف اس وُقت ہوتا ہے، جب تنِ تنہا پاکستان پر بہتان اوُر تہمت لگائی جاتی ہے کہ صرف پاکستان میں ہی ایسے وُاقعات ہوتے ہیں۔

جب پاکستان میں کسی خاتون کے ساتھ زیادتی ہونے کا معاملہ سامنے آتا ہے تو کبھی کبھی اس کا سب سے پہلا شکار سچ ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس قسم کے معاملات کی طرف ذرائع ابلاغ سب سے پہلے توجہ دلاتے ہیں۔ یہ کافی مددگار ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ اس سے معاملے کو فوری اہمیت مل جاتی ہے اوُر حکومت میں عجلت کا احساس پیدا ہوتا ہے، لیکن کچھ غیرذمہ دار ذرائع ابلاغ، بناں پوری معلومات حاصل کئے، اپنی طرف سے تبصرے کرنے شروُع کردیتے ہیں، ادھوری معلومات کے ساتھ دیئے گئے بیانات حقیقت مان لئے جاتے ہیں۔ سرکاری اداروُں کے ردِّعمل کی رفتار سست ہوتی ہے، کبھی کبھی صرف غیرذمہ داری کی وُجہ سے اوُر کبھی اپنی تفتیش کو پوشیدہ رکھنے یا بہت سی معلومات کو خفیہ رکھنے کے لئے تاکہ ان کا قانونی موئقف کمزوُر نہ پڑجائے۔ سیاست دان، حصوصاً حزبِ اختلاف سے تعلق رکھنے وُالے بھی حکومت کو بدنام کرنے کے لئے حقیقت کو موڑ توڑ کر اس جھگڑے میں کود جاتے ہیں۔ غیرسرکاری تنظیمیں بھی عموماً نیک نیتی کے ساتھ اس میدان م یں آجاتی ہیں، لیکن وُہ بھی سینکڑوُں غیر مصدقہ کہانیوں کا شکار ہوجاتی ہیں۔ اس طرح سچ، حقیقت سے دوُر سے دوُر تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ روُپیہ پیسہ بھی اس میں ایک کردار ادا کرنے لگتا ہے اوُر حقیقت گم ہوجاتی ہے۔

[پروُیز صاحب نہیں چاہتے کہ میڈیا میں ایسی خبریں آئیں جن کی وُجہ سے ان کی حکومت بالخصوص اوُر پاکستان بالعموم بدنام ہو۔ اسی لئے اب حقوقِ نسواں بل میں ایسی خبروُں کے چھاپنے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ پروُیز صاحب ایک طرف مزہبی تنظیموں اوُر میڈیا کی مداخلت کو غلط قرار دیتے ہیں تو دوُسری این جی اوُز کی مداخلت کو سچ اوُر معصوم قرار دیتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان جیسے غیر جمہوری اوُر انصاف سے محروُم ملک میں اگر میڈیا ایسی خبروُں کو نہ چھاپے تو پھر ان حادثوں کے شکار لوگوں کو انصاف ملنا ناممکن ہوجائے]۔

حکومت کو ہمارے معاشرے میں خواتین کی حالتِ زار کو ختم کرنے کے لئے عملی غورؤفکر اؤر اقدامات کرنے چاہئیں۔ جب بھی کوئی ناانصافی ہوتی ہے تو سب سے پہلے انتظامیہ کو اسے رفع کرنے کے لئے فوری حرکت میں آجانا چاہیئے۔ صورتِ حال کی مکمل تحقیق کرکے آگاہ کرنا چاہیئے، انہیں ثبوت کو خفیہ رکھنے اؤر رازداری برتنے پر بہت زؤر نہیں دینا چاہیئے۔ اب ہم ایسے ہی طریقۂ کار پر چلنے کی کوشش کررہے ہیں۔

[چھ سال سے تو پرؤیز صاحب جانتے بوجھتے ہوئے ان اقدامات پر تو عمل کر نہیں سکے، آگے کیا کریں گے۔ یہ سب عالمی میڈیا کی تسلی ؤتشفی کی باتیں ہیں]۔

بہبودِ خواتین کا مجھے اقتدار میں آنے سے پہلے سے ہی احساس ہے۔ فوج کے افسر کی حیثیت سے میں نے پاکستان کے مختلف علاقوں میں خواتین کو درپیش صورتِ حال کا مشاہدہ کیا ہے۔ ؤہ مجھے ہمیشہ دگرگوں لگا ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرنا ہے۔

[پھر ؤہی بات ہے کہ چھ سال میں تو کچھ کیا نہیں اؤر اب اس شخص کی طرح جو دؤسری دفعہ حکمران بننے کیلئے میدان میں اترتا ہے اؤر دؤبارہ ؤعدے کرتا ہے، پرؤیز صاحب بھی اگلی ٹرم کی تیاری کررہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے اگر ؤہ چھ سال میں حقوقِ نسواں کیلئے کچھ نہیں کرسکے تو آئندہ بھی ان سے توقع عبث ہے]۔

بہرصورت، یہ مباحثہ پاکستان کے سیاسی اؤر معاشرتی پس منظر میں ہونا چاہیئے۔ میں اندرؤنِ ملک اپنے معاشرے میں خواتین سے متعلق تمام معاملات سلجھانے اؤر ان کا تدارک کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس کتاب کے توسط سے میں پاکستان میں خواتین کے مسائل کے حل کی حمایت اؤر مکمل تعاؤن کا اعلان کرتا ہوں۔

اندرؤنِ ملک خواتین کے حقوق کے مقامی حمایتیوں کے خیالات، میرے خیالات سے مختلف نہیں ہیں۔ شاید ہمارا اختلاف، ہمارے متفقہ مقاصد کو حل کرنے کے طریقۂ کار کی ؤجہ سے ہے۔ جب ہم خواتین کے لئے مساوی حقوق مانگتے ہیں تو ہمیں یہ اندازہ لگانا ضرؤری ہے کہ کن معاملات میں خواتین، مردؤں سے بہتر کام کرسکتی ہیں، کن میں مردؤں کی طرح کام کرسکتی ہیں اؤر جہاں ؤہ مردؤں کی طرح کام نہ کرسکیں تو ان معاملات میں انہیں تحفظ اؤر حمایت کی ضرؤرت ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ہم بتدریج آگے بڑھتے ہوئے، ایک جامع طریقۂ کار کے تحت خواتین کو ان شعبوں میں ترقی دیں، جن میں انہیں مدد اؤر بہتری کی ضرؤرت ہے۔

میرا پہلا ہدف، خواتین کو سیاسی میدان میں بااختیار بنانا ہے۔ سیاسی طور پر بااختیار ہونے کی صورت میں انہیں اپنا مستقبل خود بنانے کا موقع ملتا ہے۔ بااختیار ہونے کے باعث انہیں حکومت کے اعلیٰ ترین محکموں میں اپنے حقوق کے لئے لڑنے کا موقع ملتا ہے۔ [پہلے میں نے بیان کیا ہے کہ مقامی، صوبائی اؤر ؤفاقی حکومتی سطح پر خواتین کو سیاسی طور پر بااختیار بنانے کے لئے میں نے کیا کیا ہے]۔ ہم نے 3۔4 ملین ڈالر کی لاگت سے خواتین کو سیاسی امور کی تربیت دینے کے لئے ایک سکول قائم کیا۔ 2006 تک تقریباً 27000 خواتین تربیت پاچکی ہیں۔

[پرؤیز صاحب نے اسمبلی میں خواتین کی سیٹیں بڑھا کر خواتین کے حقوق کی پاسداری نہیں کی بلکہ اسمبلی میں اپنے ممبران کی تعداد بڑھائی ہے۔ ؤہ چھ سال میں دہشت گردی اؤر انتہاپسندی سے ہی نپٹ نہیں پائے تو خواتین کے حقوق کے بارے میں سوچنے کیلئے ؤقت کہاں سے لائیں گے]۔

ہم نے خواتین کے حقوق کی نگرانی کے لئے قومی کمیشن برائے حیثیتِ نسواں قائم کیا اؤر ایک اصلاحِ عمل کا منصوبہ صنفی اصلاحات کا لائحہ عمل شرؤع کیا تاکہ خواتین کی سماجی آزادی اؤر ان کی اضافی نمائندگی کو حتمی شکل دی جا سکے اؤر اس کے تمام اخراجات حکومت پاکستان نے ادا کئے۔ ان کوششوں سے خواتین کو آگے بڑھنے میں بہت مدد ملی ہے۔ آج خواتین ہر سطح کے عوامی عہدیوں پر کام کر رہی ہیں۔ 7 ؤفاقی کابینہ میں، 6 صوبائی ؤزیر، 10 پارلیمانی سیکرٹری اؤر 12 سینٹ اؤر قومی اسمبلی کی سٹینڈنگ کمیٹیوں کی سربراہ ہین۔ علاؤہ ازیں پہلی مرتبہ ایک خاتون پاکستان کے مرکزی بینک کے گورنر کے باؤقار اؤر طاقتور عہدے پر فائز ہیں۔ فوج میں ایک خاتون میجر جنرل ہیں۔ پہلی مرتبہ سندھ ہائی کورٹ میں دؤ خواتین جج مقرر کی گئی ہیں، ایک خاتون پہلی مرتبہ ڈپٹی اٹارنی جنرل بنی ہیں۔ خواتین فوج میں بھی بھرتی ہوئی ہیں اؤر پائلٹوں کی حیثیت سے فضائیہ میں بھی ہیں۔

صدر صاحب دفترِ خارجہ کی ترجمان تسنیم کا ذکر کرنا بھول گئے ہیں۔ حالانکہ ان کا ذکر، ذرائع ابلاغ کو یہ دکھانے کیلئے کہ خواتین اہم عہدؤں پر فائز ہیں اؤر ؤہ اعتدال پسند اؤر رؤشن خیال ہیں، بہت ضرؤری تھا]۔

لڑکیوں کو خصوصی مراعات کے ذریعے تعلیم کی طرف مائل کرنے کے لئے بہت سے اقدامات کئے گئے ہیں۔ ان سب سے اچھے نتائج حاصل ہو رہے ہیں۔ شہرؤں میں لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں لڑکوں کی نسبت زیادہ آگے ہیں۔

حقیقت میں لڑکیوں کی کارکردگی لڑکوں کے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔ خواتین کو اقتصادی طور بھی بااختیار بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ہنر سکھانے کے کئی تربیتی مراکز کھولے گئے ہیں، جہاں انہیں چھوٹے چھوٹے قرضے لینے کی سہولت حاصل ہے۔ خواتین کا چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری بھی قائم کر دیا گیا ہے۔ حال ہی میں خواتین کی بنائی ہوئی مصنوعات کی ایک بہت بڑی نمائش کراچی میں منعقد کی گئی تھی۔ مجھے اس کے انعقاد کو ممکن بنانے کا شرف حاصل ہوا۔ ایک لاکھ سے زائد خواتین نے اس میں حصہ لیا۔

ہمیں خواتین پر تشدد اؤر ان کے خلاف قوانین کے خاتمے کے لئے لڑنا ہے۔ قومی اسمبلی نے کارؤکاری کے خلاف ایک قانون منظور کیا لیکن یہ اس کا حتمی جواب نہیں ہے۔ کارؤکاری ایک شیطانی عمل ہے، جو پاکستان کے چند غیر ترقی یافتہ علاقوں میں رائج ہے۔ یہ اسلام کے خلاف ہے، لیکن کچھ مسلمان ہی زمانۂ قدیم سے اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ صرف قانون سازی ہی نہیں بلکہ تعلیم اؤر رؤشن خیالی بالآخر اس کا خاتمہ کر دیں گی۔ حکومت نے ایک بڑا قدم تو لے لیا ہے، لیکن اس پر عمل درآمد ہونے میں ؤقت لگے گا۔ قانون کی مدد اؤر تشدد کا شکار ہونے ؤالی

خواتین کے لئے قومی سطح پر قومی کمیٹی برائے انسدادِ تشدد برخلاف نسواں تشکیل دی ہے۔ سازؤسامان سے آراستہ امدادی مراکز اؤر پناہ گاہیں کھولی گئی ہیں اؤر پولیس تھانوں میں خاص ٹیلی فون نمبرؤں پر خواتین کی شکایات ؤصول کرنے کے خصوصی مراکز قائم کئے گئے ہیں۔

ان تمام مسائل میں سب سے پیچیدہ اؤر نازک مسلہ حدؤد قوانین کا ہے، جو 1979 میں جنرل ضیاء الحق نے، جو کھلے عام مزہبی انتہاپسندؤں سے راہ ؤ رسم رکھتے تھے، لاگو کئے۔ اس م یں زنا، زنا بالجبر اؤر چوری کے لئے سزائیں مقرر ہیں۔ مزہبی حلقے، حصوصاً ان کی سیاسی جماعتیں، ان قوانین کو اسلامی رؤاج کے مطابق سمجھتی ہیں، لیکن خواتین، دانشور اؤر بہت سے رؤشن خیال مزہبی مفکر اؤر علما، ان قوانین کو اسلام کی غلط تشریح اؤر خواتین کے خلاف امتیازی سلوک پر مبنی کہتے ہیں۔ اس قانون نے تمام دنیا میں ہمارے بارے میں انتہائی خراب تصور پھیلایا ہے، جس سے ہمیں بے انتہا نقصان ہوا ہے۔ اس ؤقت قومی کمیشن برائے حیثیتِ نسواں اس پر نظرِثانی کر رہا ہے۔ اس مسلے کو محتاط سیاسی اؤر آئینی طریقوں سے حل کرنا ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ ہمیں نڈر ہوکر ماضی کی غلطیوں کو صحیح کرنا چاہیۓ۔

[جنرل ضیا نے حدؤد آرڈیننس سعودی عرب کے قانون کی مدد سے تیار کیا تھا۔ اب تو اس قانون میں مغرب کی مرضی کے مطابق پرؤیز صاحب کی حکومت نے ترمیم کر دی ہے جسے عالمی ذرائع ابلاغ نے بھی سراہا ہے۔ لیکن سعودی قانون کی کبھی کسی نے بات نہیں کی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر مغرب نے ترمیم کی حمایت کی ہے تو ؤہ لازمی طور پر غیر اسلامی ہوگی]۔

ہم نے خواتین کی سماجی آزادی کے لئے ایک ناقابلِ تنیخ طریقۂ کار شرؤع کر دیا ہے جو انشااللہ بتدریج، مگر تیزی سے آگے بڑھے گا۔ خواتین اپنے حقوق کے لئے جدؤجہد کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اؤر بہت سے مرد اب یہ محوس کرتے ہیں کہ انہیں یہ سلسلہ رؤکنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیۓ۔

[پرؤیز صاحب کی اس تحریر کو پڑھ کر ان کے قول ؤفعل میں جو تضاد ہے ؤہ نمایاں ہوگیا ہے۔ انہوں نے خواتین کیلیۓ ؤہ کچھ نہیں کیا جو انہوں نے کہا ہے اؤر نہ ہی ؤہ نتائج اخز کئے ہیں جن کیلیۓ انہوں نے کمیشن اؤر ادارے بنائے۔ بلکہ ہمارے خیال میں تو یہ سب دکھاؤے ہیں اؤر اندرؤنی طور پر ؤہ ہمارے مرد کی حکمرانی ؤالے معاشرے کو بدلنے میں ناکام رہے ہیں]۔

رؤشن پاکستان

یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ بیرؤنِ ملک پاکستان کا تاثر اتنا خراب ہوچکا ہے کہ دنیا اب اسے صرف دہشت گردی اؤر انتہاپسندی کے حوالے سے جانتی ہے۔ بہت سے لوگ ہمارے معاشرے کو صرف ایک متعصب اؤر غیر ترقی پسند معاشرہ سمجھتے ہیں۔ ہم کتنا ہی کہیں کہ پاکستانیوں کی بہت بڑی اکثریت اعتدال پسند ہے اؤر صرف ایک غیر اہم، چھوٹا سا عنصر انتہا پسند ہے یہ کہ ہمارے قومی مزاج کو مغرب میں افغانستان اؤر مشرق میں کشمیر کے ہنگامہ خیز تلاطم سے بے انتہا نقصان پہنچا ہے۔ نہ کہ ہمارے معاشرے یا ہمارے ملک کی حدؤد کے اندرؤنی حالات سے، لیکن اس

پیغام کو بیرؤنی دنیا میں کوئی سمجھتا ہی نہیں۔ یہ ہی ؤجہ ہے کہ میں انے پاکستان کی زیادہ سچی تصویر، جسے میں رؤشن خیال تصویر کہتا ہوں، سیاست، کھیل اؤر تمدن کے فرؤغ کے ذریعے پھیلانے کی کوشش کی ہے۔

[پتہ نہیں پرؤیز صاحب دہشت گردی کیساتھ کشمیر کی آزادی کی تحریک کو کیوں شامل کر رہے ہیں۔ یہ دؤسری دفعہ ہے کہ انہوں نے کشمیر کی آزادی کی تحریک کو بھی پاکستان کے اندر دہشت گردی کی ؤجہ قرار دیا ہے۔ کیا اسطرح ؤہ کشمیر کی تحریک کو دہشت گردی کی تحریک قرار دے کر اسے نقصان نہیں پہنچا رہے؟]۔

ہمارے یہاں غالباً دنیا کے پہاڑؤں میں سے بہترین اؤر چند بلند ترین پہاڑی سلسلے، خوبصورت سمندری ساحل جو جنوب میں ہیں، عظیم دریا، بے آب ؤگیاہ ریگستان، گھنے جنگل اؤر بدھوں، ہندؤؤں اؤر سکھوں کے مزہبی مقامات ہیں۔ ہمارے ہاں بہت سی ایسی مزہبی ؤتاریخی عمارتیں، آثار اؤر عجائب گھر ہیں، جن کا تعلق زمانۂ قدیم سے ہے۔ اس کے باؤجود ہمارے یہاں بمشکل ہی سیاحت ہوتی ہے۔ یہ کتنی افسوسناک بات ہے۔ 911 سے پہلے بھی ہم اپنے آپ کو مؤثر طریقے سے دنیا میں رؤشناس کرانے میں ناکام رہے۔ علاؤہ ازیں، ہم اس قسم کی سہولتیں اؤر مراکز مہیا کرنے میں بھی ناکام رہے، جو سیاحت کے فرؤغ کے لئے ضرؤری ہیں۔ اب تو ہماری انتہاپسند ملک ہونے کی شہرت اؤر دؤسرے ممالک کی اپنے باشندؤں کو پاکستان کا سفر نہ کرنے کی ہدایات سیاحت کے فرؤغ میں رکاؤٹ ہیں۔ مجھے اپنی کمزؤریوں کا احساس ہے۔ ہم نے اپنا ٹیلی فون نیٹ ؤرک بہتر کرلیا ہے اؤر مشرق میں کراچی سے لے کر مغرب میں گوادر تک، جو ہماری نئی بندر گاہ ہے، سمندر کے کنارے کنارے پھیلی ہوئی ایک خوبصورت سڑک مکمل کرلی ہے۔ یہ سڑک بہت سے چھوٹے بڑے ساحلی شہرؤں اؤر اس کے راستے میں آنے ؤالے خوبصورت مقامات کو ایک دؤسرے سے ملاتی ہے۔ ہم نے اپنے کوہستانی شمالی علاقہ جات میں تمام بڑی ؤادیوں یعنی چترال، کاغان، گلگت، ہنزہ اؤر سکردؤ کو آپس میں ملا دیا ہے۔ اس سڑک کے ذریعے سیاحوں کا ایک ؤادی سے دؤسری ؤادی میں جانا بہت آسان ہوگیا ہے اؤر اب انہیں ہر مرتبہ ہوائی اڈے سے ؤاپس آنا جانا نہیں پڑتا۔ ہم اب مقامی اؤر غیر ملکی سیاحوں کو قائل کرنے کے لئے اپنی سیاحتی استعداد کو شہرت دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے دؤسری ضرؤریات، خصوصاً ہوٹل اؤر موٹل بنانے کی حوصلہ افزائی ہوگی اؤر غیر ملکی سیاح زیادہ بڑی تعداد میں پاکستان کی طرف راغب ہوسکیں گے۔

میں ایک کھلاڑی رہا ہوں، لیکن کیں بھی کھیل میں ماہر نہیں ہوں۔ پاکستان اپنی تاریخ کے مختلف ؤقتوں میں اچھا خاصا کھیلوں کا دلدادہ ملک رہا ہے۔ ہم کرکٹ، ہاکی، اسکوائش، حتیٰ کہ برج اؤر غیرپیشہ ؤارانہ بلیرڈ اؤر سنوکر تک میں، عالمی سطح کے کھلاڑی رہے ہیں۔ ضیاء محمود، جو بلاشبہ دنیا میں برج کے بہترین کھلاڑی ہیں، پاکستانی ہیں۔ ہاشم خان، جہانگیر خان اؤر جان شیر خان دنیا میں اسکوائش کے بہترین کھلاڑیوں میں رہے ہیں اؤر ان تینوں میں جہانگیر بہترین ہیں۔ اگر ہالی ؤڈ کو ان کے غم، حوصلے اؤر عزم کی کہانی معلوم ہو جائے تو ؤہ چیریٹس آف فائر کی طرح کی ایک اؤر فلم بنا دیں گے۔ ہم میں سے جو بھی ان سے شناسا ہیں، ؤہ سمجھتے ہیں کہ ؤہ دنیا کے بہترین اتھلیٹ ہیں۔ ہم اعلیٰ سطحی ایشیائی اتھلیٹک کھیلوں میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ کھیل کود کے ذریعے ایسی تفریح مہیا کرسکتے ہیں، جو سماجی سختیوں کا دباؤ زائل کرنے کا ؤسیلہ بنتی ہے۔ 1999 میں ہماری کھیلوں کی کارکردگی بہت نچلی سطح پر تھی۔ اس ؤجہ سے میں نے کھیلوں سے متعلق صورتِ حال بہتر بنانے کے لئے ایک مہم کا آغاز کیا ہے۔

[پرؤیز صاحب نے خاص کر برج کے عالمی کھلاڑی کا خاص طور پر ذکر کرکے قوم کو تاش کھیلنے کی ترغیب دے کر قوم کی کوئی خدمت نہیں کی۔ انہیں چاہیئے تھا کہ سکواش کی طرح ایسے دؤسرے کھیلوں کا ذکر کرتے جن سے قوم میں چستی اؤر توانائی پیدا ہوتی۔

ؤیسے حقیقت یہی ہے کہ کھیلوں کے معیار میں 1999 کے بعد سے کوئی بہتری نہیں آئی بلکہ تنزلی ہی ہوئی ہے اؤر اس طرح پرؤیز صاحب نے کھیلوں کی بہتری کے اب تک جو بھی اقدامات کیئے ہیں ؤہ ناکام ہی ہوئے ہیں۔ پرؤیز صاحب کو چاہیئے تھا کہ ؤہ چھ سال بعد کھیلوں کے معیار کی گراؤٹ کا دؤبارہ جائزہ لیتے اؤر اس کے ذمہ دارؤں کی کھچائی کرتے۔

پتہ نہیں پرؤیز صاحب نے یہاں پر پاکستان میں میراتھان کی دؤڑ کا ذکر کیوں نہیں کیا جو پچھلے سال لاہور میں ہوئی تھی۔ کیونکہ اس میراتھان کے ذکر سے پرؤیز صاحب اپنے رؤشن خیالی کے امیج کو بہتر بنا سکتے تھے]۔

سب سے پہلے ہم نے کھیلوں کے ادارؤں کی، جو بے ایمانی اؤر یار دؤستوں کو نوازنے کے مراکز بن گئے تھے، تنظیمِ نو کی۔ اس طرح ہم نے پاکستان اؤلمپک ایسوسی ایشن، پاکستان سپورٹس بورڈ اؤر دؤسرے کھیلوں کے ادارؤں کی تنظیمِ نو کی تاکہ ان میں اعلیٰ معیار اؤر بہتر کارکردگی متعارف کرائی جائے۔ اس کے بعد ہم نے ایک حکمتِ عملی کے تحت پورے ملک کے لئے مقابلوں پر مبنی کھیلوں کا ایک دلچسپ اؤر تین سطحی نظام ترتیب دینے میں مدد کی۔ اس میں سکولوں اؤر کالجوں کے مابین مقابلے، علاقائی اؤر ضلعی سطحوں پر اؤر پبلک اؤر کارپوریشن کی سطح پر مقابلے منعقد کرائے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں اؤر نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں کہ ؤہ کھیلوں کی ٹیمیں اؤر کھیل منعقد کرانے کی سرپرستی کریں۔ اس طرح ہمیں امید ہے کہ ملک بھر سے اچھے کھلاڑی میدان میں آئیں گے اؤر لوگ کھیلوں سے مانوس ہوں گے۔ اس سے قومی سطح پر ہمارے کھیلوں کا معیار بڑھے گا ؤر تفریح کے بھوکے عوام کو دلچسپی کے مواقع بھی فراہم ہوں گے۔

[ان سارے اقدامات کے ثمرات چھ سال میں تو ظاہر نہیں ہوئے پتہ نہیں کب عوام کو پرؤیز صاحب کی اصلاحات کے فوائد حاصل ہوں گے۔ ہمیں تو ناکامی کی ؤجہ یہی نظر آتی ہے کہ اب بھی کھیلوں میں اقربا پرؤری کا دؤر دؤرہ ہے۔ اس کی تازہ مثال پرؤیز صاحب کے قریبی دؤست ڈاکٹر نسیم اشرف جو امریکہ پلٹ ڈاکٹر ہیں کی کرکٹ بورڈ میں بطورِ چیئرمین تعیناتی ہے۔ پرؤیز صاحب اگر کرکٹ پر احسان کرنا چاہتے تو کسی پرؤفیشنل کو چیئرمین بناتے نہ کہ اپنے دؤست کو]۔

دنیا میں کم لوگوں کو معلوم ہے کہ پاکستان رنگارنگ معاشرتی ؤرثوں سے مالامال ہے۔ ہمارے ملک میں تقریباً قبل از تاریخ کے موہنجوداڑو اؤر ہڑپہ کے آثار، مہرگڑھ کی تہزیب، سکندرِ اعظم اؤر انگریزؤں کے راج کی تاریخ موجود ہے۔ سکندر اؤر انگریز، دؤنوں نے ہمارے ملک پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ دؤر دراز ؤاقع چترال کی ؤادی کیلاش میں رہنے ؤالے کیلاش قبیلے کے لوگوں کا سلسلۂ نسب سکندر کی فوج سے ملتا ہے۔ جو ؤہاں سے ؤاپس گئی تھی مگر اس کا ایک حصہ ؤہیں قیام پزیر ہوگیا تھا۔ ہمارے علاقے مغل دؤر کی یادگارؤں، مسلمان صوفیائے کرام کی خانقاہوں اؤر انگریز کے سامراجی دؤر کی یادگارؤں سے بھرے پڑے ہیں۔ ٹیکسلا، صوابی اؤر سوات میں بدھوں کے، کٹاس راج میں ہندؤؤں کے، حسن ابدال اؤر ننکانہ صاحب میں سکھوں کے مقدس مقامات ہمارے ؤرثے کے پس منظر میں اؤر رنگ بھرتے ہیں۔ جب آپ ہماری سرزمین پر چلتے ہیں تو تاریخ

کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ہر پتھر، گلی، کوچے اور ہر کونے، حتیٰ کہ ہمارے ہمالیہ، قراقرم اور ہندوکش جیسے عظیم کوہستانی سلسلوں کی ہر چوٹی کی کوئی نہ کوئی کہانی ہے۔

پاکستان کے چاروں صوبے اپنے اپنے مخصوص تہذیب و تمدن کے گہوارے ہیں۔ موسیقی، رقص اور فنونِ لطیفہ ہمارے میں ہزاروں سال سے پھل پھول رہے ہیں۔ یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ یہ پاکستان کا انتہائی ڈھکا چھپا راز رہا ہے۔ اس سے بدتر یہ کہ مزہبی انتہا پسند اور غیر ترقی پسند قومیں ان ثقافتی سرگرمیوں کو غیر اسلامی کہتی ہیں۔ ماضی کی حکومتوں میں کسی کو یہ جرآت نہیں تھی کہ انہیں بتائیں کہ غلط ہیں۔

[پرویز صاحب نے اپنے آقاؤں کے ایجنڈے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے موسیقی، فنِ رقص اور فنونِ لطیفہ کو اس طرح رواج دیا ہے کہ بے حیائی عام ہوئی ہے۔ صدر صاحب نے خود بھی کئی مواقع پر فنکاروں کیساتھ ملکر ڈانس کیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ ابھی تک انہوں نے نہ تو کوئی قرأت کانفرنس کروائی اور نہ ہی دینی شعار کو عام کرنے کیلئے کچھ کیا۔ اب تو پنجاب یونیورسٹی میں موسیقی میں ڈگری کورس شروع کردیا گیا ہے اور کئی جگہوں پر اکیڈمی بھی بنا دی ہیں۔ ہم نہیں کہتے کہ موسیقی اور فنونِ لطیفہ ہونے ہی نہیں چاہئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ سب تہزیب کے دائرے میں رہیں اور ان کیساتھ ساتھ قوم کو دینی تعلیم سے بھی آراستہ کیا جائے]۔

ان سب کو ایک بہت بڑی تبدیلی کی ضرورت تھی۔ ہمیں اپنی قومی زندگی میں تمدنی، یک جہتی اور معمول کی سرگرمیاں واپس لانی تھیں۔ میں نے پاکستان کی ثقافت کو فروغ دنیا شروع کیا۔ میں نے فوج کو حکم دیا کہ وہ کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کے مزار کی ایسی تزیین و آرائش کریں، جو بابائے قوم کے شایانِ شان، اظہارِ عقیدت کی مظہر ہو۔ آج ہزاروں لوگ وہاں جاکر اس کے گردوپیش کی خوبصورتی کو سراہتے ہیں۔

[فوج کو تزئین کا کام دینے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام ہمارا محکمہ تعمیرات بھی انجام دے سکتا تھا]۔

ہم نے اسلام آباد میں ایک عالی شان قومی یادگار، پاکستان کے عوام کے نام، تعمیر کی ہے۔ اس میں ایک زیر زمین عجائب گھر ہے، جو تحریکِ پاکستان کی یادگاروں پر مشتمل ہے۔ ایک اور شاندار یادگار، والنٹن، لاہور میں جس کا نام بابِ پاکستان رکھا گیا ہے، خاص اسی جگہ زیر تعمیر ہے، جہاں قائداعظم نے ان ایک لاکھ مہاجرین سے، جو بھارت سے نقل مقانی کرکے آئے تھے، خطاب کیا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے ایک برعزم منصوبے کے تحت اسلام آباد میں قومی ورثہ عجائب گھر شروع کیا، جو پاکستان کی علاقئی ثقافت اور رسم ورواج کی عکاسی کرے گا۔ یہ منصوبہ عکسی مفتی کی زیر نگرانی پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ عکسی مفتی ہمارے فنونِ لطیفہ اور ثقافت سے دل وجان سے وابستہ ہیں اور انہوں نے اس منصوبے پر مثالی کام کیا ہے۔ یہ عجائب گھر اب بہت سے مقامی اور غیر ملکی سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔

[تاریخ بتاتی ہے کہ اسطرح کی یادگاریں ہمیشہ مطلق العنان حکمرانوں نے بنا کر قوم کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے کی کوشش کی ہے۔ کسی نے تاج محل بنوایا، توکسی نے شاہی مسجد، کسی نے فیصل مسجد بنوائی توکسی نے بابِ پاکستان۔ جب قومی اکثریت مفلسی کی زندگی گزار رہی ہو تو پھر اس

طرح کے نمائشی اخراجات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ اگر آپ عمرہ پر جارہے اور آپ کا پڑوسی تنگ دستی کا شکار ہے تو عمرے کا ارادہ ترک کر کے اسی رقم سے اپنے پڑوسی کی غربت میں کمی کی کوشش کیجئے]۔

میں نے فنونِ لطیفہ کے میدان میں موسیقی، ڈرامہ اور رقص کی بھی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ہم نے کراچی میں ایک نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹس کھولی ہے، جو تھیٹر کے معروف فنکار ضیاء محی الدین کی زیرِ نگرانی چل رہی ہے۔ ہم نے اسلام آباد میں نیشنل کونسل آف آرٹس قائم کی ہے، جس میں ایک آرٹ گیلری بھی ہے۔ دونوں ادارے نوجوانوں کے فنونِ لطیفہ کی طرف راغب کر رہے ہیں، خصوصاً موسیقی کی طرف۔

[اچھا ہوتا اس اکیڈمی کی بجائے پرویز صاحب جامعہ الاظہر کی تقلید کرتے ہوئے پاکستان میں کسی اسلامی یونیورسٹی بنا دیتے]۔

آخر میں، جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہمارے ذرائع ابلاغ کو آزاد کرنے کی حکمتِ عملی کے بعد بہت سے نجی ٹیلی وی ژن چینلز کھل گئے ہیں۔ ہمیں دنیا کے سامنے اپنی تصویر بہتر بنانے کے لئے تمام محاذوں پر آگے بڑھنا چاہیئے۔ ہمیں دہشت گردی اور انتہاپسندی کو شکست دینی ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی جگہ ہمیں ایک اچھا ثقافتی، پرکشش اور اقتصادی طور پر متحرک متبادل بھی پیش کرنا ہے۔ پاکستان کو بیرونی ممالک میں پزیرائی دلانے کے لئے ذرائع ابلاغ کو کمر کس لینی چاہیئے۔

[پاکستان میں جتنے بھی نئے ٹی وی چینل کھلے ہیں ان میں شاید ایک آدھ کے سوا کوئی بھی قومی تعمیر میں حصہ نہیں لے رہا اور اکثریت نوجوان نسل کو بے راہروی پر لگا کر گمراہ کر رہی ہے اور اس کا وقت ضائع کر رہی ہے۔ اس طرح عوام کو تعیشات میں ڈال کر اہم قومی مسائل سے ان کی توجہ تو ہٹائی جا سکتی ہے مگر ملک کی ترقی کا خواب پورا نہیں ہو سکتا]۔

قیادت کا امتحان

: اکتوبر 2005 کی صبح آٹھ بج کر 52 منٹ پر لاکھوں پاکستانیوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ریکٹر سکیل پر 6۔7 درجے کا زلزلہ ہمارے دشوار گزار شمالی علاقوں میں واقع صوبہ سرحد اور آزاد کشمیر میں آیا، جس نے چند ہی لمحوں میںبہت بڑے پیمانے پر تباہی مچا دی۔ اس تباہی نے تقریباً 30000 ہزار مربع کلومیٹر کے علاقے کو متاثر کیا اور اس میں 35 لاکھ لوگ بے گھر ہوئے۔ 73000 ہلاک، 5 لاکھ گھر اور دوسری عمارتیں تباہ ہوئیں، اکثر تعلیمی ادارے، صحت کے مراکز اور سرکاری عمارتیں یا تو صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں یا بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئیں، حتیٰ کہ ہمارے دارالحکومت اسلام آباد پر بھی اس کا اثر ہوا اور ایک بلندوبالا رہائشی عمارت مارگلہ ٹاورز بھی منہدم ہوگئی، جس میں وہاں رہائش پزیر بہت سے لوگ ہلاک ہوئے اور سینکڑوں ملبے کے نیچے دب گئے۔ پوری قوم سکتے میں آگئی۔ جیسے جیسے اطلاعات آتی رہیں، اس تباہ کاری کی وسعت کا مجھے، حکومت، قوم اور تمام دنیا کو اندازہ ہونے لگا۔

[اس زلزلے نے اسی طرح حکمرانوں کی لاٹری کھول دی جس طرح بھٹو دور میں سیلاب کی امداد نے وزیروں سفیروں کے گھر بھر دیئے تھے یا جنرل ضیا کے دور میں افغان جنگ نے جنرلوں کو کروڑپتی بنا دیا تھا]۔

شروُع میں مجھے کوئی اطلاع نہیں تھی کہ آزاد کشمیر اوُر صوبہ سرحد میں کیا ہوا ہے۔ مجھے صرف اسلام آباد میں گرنے وُالی عمارت کے بارے میں خبر آئی تھی۔ میں فوراً موقع پر پہنچا، لیکن جیسے ہی مجھے شمالی علاقوں سے اطلاعات آنے لگیں، میں نے فوج کے چیف آف جنرل سٹاف کو حکم دیا کہ وُہ متاثرہ علاقے پر پروُاز کر کے بربادی کی وُسعت کا اندازہ لگائیں۔

مارگلہ ٹاوُرز کے انہدام نے مجھے احساس دلایا کہ لوگوں کی جانیں بچانے کی تیاریوں اوُر سازوُسامان کی فراہمی میں ہم کتنے غیر ترقی یافتہ ہیں۔ میں ترکی اوُر برطانیہ کی فوری ردِعمل پر ان کا انتہائی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہنگامی بنیادوُں پر سازوُسامان سے لیس، تربیت یافتہ اوُر جان بچانے وُالے عملے پر مشتمل ٹیمیں روُانہ کیں۔ بہت سے لوگوں کی جانیں ان چند بہادر اوُر نڈر افراد اوُر ان کے سونگھنے وُالے کتوں کی وُجہ سے بچیں۔ یہ ٹیمیں صوبہ سرحد اوُر آزاد کشمیر بھی گئیں اوُر وُہاں پر انہوں نے اتنا ہی عمدہ اوُر موثر کام کیا۔ ہم ان کے بے انتہا شکرگزار اوُر احسان مند رہیں گے۔

[پروُیز صاحب نے ترکی اوُر برطانیہ کا شکریہ تو ادا کر دیا مگر اپنے عوام اوُر مقامی تنظیموں کا سرسری سا ذکر کر کے ان کی تضحیک کا سبب بنے ہیں]۔

چیف آف جنرل سٹاف شام پانچ بجے جب وُاپس لوٹے تو متاثرینِ زلزلہ کا پہلا گروُپ بھی ان کے ساتھ آیا تھا جسے راوُلپنڈی کے ہسپتال میں داخل کرایا گیا۔ تباہی کی وُسعت کا اب اندازہ ہوگیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں اگلی صبح بزاتِ خود زلزلے سے متاثرہ علاقوں کا دوُرہ کروُں گا۔ نہ صرف نقصانات کا اندازہ لگانے کیلئے بلکہ زخمیوں، بے گھروُں اوُر غمزدہ افراد کی دلجوئی کیلئے بھی۔ فوج نے انتہائی سرعت سے کاروُائی کی۔ تودے گرنے کی وُجہ سے علاقے کی سڑکیں بند ہوئی تھیں۔ فوج کے انجینئروُں کو حکم دیا گیا کہ وُہ فوراً حرکت میں آئیں اوُر ان سڑکوں کو کھولیں۔ تقریباً 50000 فوجی، پنجاب کی چھاوُنیوں سے وُہاں بھیجے گئے۔ ہماری افواج اوُر فضائیہ کے تمام ہیلی کاپٹر فوری امداد اوُر متاثرین کو وُہاں سے نکالنے کیلئے حرکت میں آ گئے۔

[پروُیز صاحب چونکہ فوجی چیف ہیں اوُر غیر جمہوری بھی اسلئے وُہ ہر طرف فوج کی کارکردگی کو بڑھا چڑھا کر بیان کر کے عوام کو یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ فوج ہی ان کی نجات دہندہ ہے اوُر اسی لئے وُہ چیف کا عہدہ اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں]۔

میں 9 اکتوبر کی صبح ساڑھے نو بجے تباہ شدہ علاقے کا جائزہ لینے کے لئے گیا۔ ہم صوبہ سرحد میں دوُ اوُر آزاد کشمیر میں تین مقامات پر گئے۔ صوبہ سرحد کا قصبہ بالاکوٹ مکمل طور پر تباہ ہوچکا تھا۔ میں نے جو دیکھا، وُہ انتہائی دلگداز اوُر تکلیف دہ تھا۔ ایک بھی عمارت سلامت نہیں بچی تھی۔ قصبے کی پوری انتظامیہ تہس نہس ہوچکی تھی۔ جو زندہ بچے تھے، وُہ سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ میں بمشکل ان کی پتھرائی ہوئی آنکھیں، دہشت زدہ تاثرات اوُر چہروُں پر پھیلی ہوئی یاس اوُر ناامیدی دیکھنے کی تاب لا سکا۔ بدقسمتی سے، اس وُقت میں انہیں ہمدردی اوُر محبت کے الفاظ اوُر مدد فراہم کرنے کے عزم کے علاوُہ اوُر کچھ نہیں دے سکتا تھا۔ میں جہاں بھی گیا، وُہاں زیادہ تر فوجی اوُر سول ڈاکٹروُں کو عارضی پناہ گاہوں اوُر خیموں میں مریضوں کی خدمت کرتے ہوئے دیکھا۔ مظفر آباد میں جو آزاد کشمیر کا دارالحکومت ہے، یہ دیکھ کر میں متعجب اوُر بہت خوش ہوا کہ ترکی کی ایک میڈیکل ٹیم وُہاں کام کر رہی تھی۔ وُہ مجھ سے پہلے وُہاں کیسے پہنچ گئے؟ میں نے ہمارے عوام کی بے لوث خدمت اوُر محبت کے اظہار پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ مظفر آباد میں تقریباً دوُپہر ایک بجے مجھے ایک اچھی خبر ملی کہ فوج کے انجینئروُں نے شہر آنے وُالی دوُ سڑکوں میں سے ایک

کھول دی ہے۔ وُہ یقینی طور پر رات کو حرکت میں آئے ہوں گے اوُر کام ختم کرنے کیلئے تاریکی میں کام کیا ہوگا۔ دؤسرے شہرؤں کو جانے وٗالی اوُر سڑکیں بھی دؤدن کے اندر کھل گئیں، لیکن دؤر دراز وٗادیوں میں ذرائع آمدؤرفت کی مرمت کرنے میں ہفتوں لگے۔ ان علاقوں کا انحصار ہیلی کاپٹر کے ذریعے پہنچنے وٗالی امداد پر تھا۔

اپنے دفتر وٗاپس آکر میں نے صوتِ حال کا جائزہ لیا اوُر پی آر آئی شرؤع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کاوُش کے چار حصے تھے، جانیں بچانا، امداد، تعمیرِ نو اوُر بحالی۔ ہم نے امدادی کاروٗائیاں اوُر جان بچانے کی کوششوں کو منظم کرنے کیلئے پہلے ایک فیڈرل ریلیف کمشنرز آرگنائزیشن قائم کی۔ بعد میں کاوُش کے تیسرے اوُرچوتھے حصوں کی دیکھ بھال کیلئے ایک ایرا قائم کی۔

[پرؤیز صاحب نے سارے انتظامات فوج کے حوالے کردیئے اوُر سول انتظامیہ کو پاس تک پھٹکنے نہیں دیا اس طرح فوجی افسرؤں کو مال بنانے کا موقع فراہم کیا]۔

جان بچانے کی کاروٗائیاں تقریباً ایک مہینہ چلتی رہیں۔ بغیر تکنیکی مہارت اوُر سازاسامان کے، پاکستان خود اس کام کو بخوبی انجام دینے کے لائق نہیں تھا۔ ہم برطانیہ اوُر ترکی کے فوری ردِّعمل کا،جوانھوں نے اپنے ماہرین کو بھیج کر دکھایا، ہمیشہ شکرگزار رہیں گے۔ انھوں نے بہت سی جانیں بچائیں۔

[ترکی اوُر برطانیہ کا بار بار شکریہ ادا کرتے پرؤیز صاحب کی زبان نہیں تھکی مگر مقامی تنظیموں کی کارگزاری کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وُہ اسلئے کہ تقریباً ساری تنظیمیں مزہبی تھیں اوُراس طرح ان کی رؤشن خیالی پر حرف آجاتا]۔

چونکہ لاکھوں لوگ بے گھر تھے اوُر سردیاں آرہی تھیں۔ لہازا ہماری دؤسری مصرؤفیت امدادی کاروٗائیاں تھیں۔ اس کے تین حصے تھے، قحط رؤکنے کیلئے خوراک اوُر پانی لانا، طبی امداد مع جان بچانے کی دوٗائیں مہیا کرنا، میدانی ہسپتالوں کو منظم کرنا اوُر بے گھر لوگوں کو پناہ گاہیں مہیا کرنا۔ پاکستان، مغرب کے آسودہ حال ملکوں کی طرح نہیں ہے، جن کے پاس وُسیع ذرائع، سماجی تحفظ اوُر سماجی بہبود کے منظم ادارے ہیں حالانکہ حکومت ناگہانی افتاد سے نمٹنے کے لئے امدادی اشیا کی ایک مقدار اپنے گوداموں میں رکھتی ہے، لیکن نجی خیراتی اوُر امدادی تنظیمیں کافی حدتک حکومت کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ پوری قوم اپنے زلزلہ زدہ ہم وُطنوں کی مدد کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اوُر بے شمار لوگوں اوُر لاتعداد رضا کار تنظیموں نے امدادی اشیا کے عطیے دیئے، عطیے جمع کئے اوُر بھیجے۔ سینکڑؤں ڈاکٹر، مقامی اوُر غیرممالک میں کام کرنے وٗالے پاکستانی اوُر غیرملکی، مدد کیلئے میدان میں آگئے۔ پاکستانیوں اوُر ہمارے غیرملکی دؤستوں کی فیاضی، اتنی ہی موثر تھی، جتنی تباہی بعید از قیاس تھی۔ غیرسرکاری اوُر اقوامِ متحدہ کی تنظیموں کے علاوُہ، تمام دنیا نے اپنے دل کھول دیئے۔ پاکستانی قوم ان کی بے مثال ہمدردی اوُر ہنگامی بنیادؤں پر فراہم شدہ سخاوُت وُ فیاضی کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

ان تمام معاملات میں میری حکومت کا کام مختلف شعبوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا تھا۔ ہم نے محسوس کیا کہ اگر زلزلہ زدہ علاقے میں بھاری مقدار میں آنے والی امدادی اشیا کو باضابطہ کنٹرول اور منظم نہ کیا گیا اور ہمارے زیر اثر اور مواصلاتی نظام کو صحیح حالت میں نہ رکھا گیا تو پورا نظم و نسق، انتشار اور بد نظمی کا شکار ہو کر ختم ہو جائے گا۔ فوج واحد ادارہ ہے، جو یہ ذمہ داری انجام دے سکتا تھا۔ اس وجہ سے ہم نے فوج کے دس بریگیڈ اور تقریباً پچاس بٹالین متاثرہ علاقے کے طول و عرض میں مختلف کاموں پر پھیلا دیئے۔ ان مقامات کا نام ہم نے نوڈز رکھا۔ ان کے ٹیلی فون نمبرز اور نگران افسران کے نام ذرائع ابلاغ کے ذریعے تشہیر کردیئے گئے تاکہ ہر وہ شخص جسے مدد کی ضرورت ہو، ان تک رسائی حاصل کر سکے۔ اسی طرح فوج نے تمام آنے اور جانے والی ٹریفک کو منظم کیا اور ضرورت کے مطابق امدادی اشیا بھیجیں اور تقسیم کیں۔ یہ نوڈز ٹیلی کمیونی کیشن کے مرکز بھی تھے۔ ہم نے دو ہوائی اڈے بھی امدادی اشیا کی آمد کے لئے مخصوص کردیئے اور ان اڈوں پر امدادی اشیا کو تقسیم کرنے کے لئے ایک تنظیم قائم کی۔ پہاڑوں میں بھی آگے کی طرف چھ اڈے اور قائم کئے اور متاثرہ علاقوں میں امدادی سامان ہوئی جہازوں سے گرا کر آئے۔ خچروں پر اور پیدل لے جانے کے لئے آرمی نوڈز پر مبنی ایک تنظیم تشکیل دی۔ اگر میں امریکہ اور برطانیہ کا اپنے شنوک ہیلی کاپٹروں کے ذریعے مدد کا تزکرہ نہ کروں، جو انہوں نے امدادی اشیا کو تباہ شدہ علاقوں میں لے جانے میں کی، تو یہ میری کوتاہی ہوگی۔ کسی بھی طرح کی امدادی اور جان بچانے کی کاروائیوں میں وقت انتہائی اہم ہوتا ہے اور شنوک کے بغیر ہم اس میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔

[وہی بات کہ زلزلہ زدگان کی بحالی کا کام فوج نے سنبھال لیا اور ایک جنرل کو اس کام کا نگران مقرر کر دیا۔ اس کے دو فائدے ہوئے۔ ایک فوج کی وہاں پر نمائندگی ہوئی اور دوسرے مقامی مزہبی تنظیموں کے کام کو نمایاں نہ ہونے دیا تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت نہ بڑھ جائے۔ یہاں پر پھر شنوک ہیلی کاپٹروں کا ذکر کرنا پرویز صاحب نہیں بھولے مگر مقامی لوگوں کی میلوں کی پیدل مسافت کو بھول گئے جنہوں نے دن رات ایک کرکے وہاں امداد پہنچائی]۔

مجھے نہ صرف حکومتوں بلکہ ترکی اور سعودی عرب کے عوام کی دی ہوئی امداد کا بھی تزکرہ کرنا چاہیئے۔ وہ ہمیں ادویا، کھانا اور خیموں جیسی امدادی اشیا مہیا کرتے رہے۔ ان کی حکومتوں نے عوام کے عطیات جمع کرنے کیلئے خصوصی مہمات چلائیں۔ دونوں ملکوں کے عوام نے ہمارے لئے اپنے دل کھول دیئے۔ سکولوں کے بچے، جنہوں نے اپنے جیب خرچ اور بہت سے غریب لوگوں نے اپنے قیمتی اثاثوں کے عطیے دے کر ہمارے دل موہ لیے۔ غالباً ایک سب سے اچھا فصلہ، جو میں نے امدادی کاروائیوں کے چند ہفتوں کے اندر ہی اندر کیا، وہ اس علاقے میں روپے پیسے کا استعمال دوبارہ شروع کرنا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لاکھوں لوگوں کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں بچا تھا۔ مریض، جو میدانی ہسپتالوں یا دور دراز واقع ہسپتالوں میں لے جائے گئے تھے، ان کے پاس گھر واپس آنے تک کے لئے رقم نہیں تھی۔ زلزلہ زدہ علاقے میں تمام چھوٹے دکانداروں کے کاروبار بیٹھ گئے تھے۔ تجارتی سرگرمیوں کا شائبہ تک باقی نہیںتھا۔ نہ وہاں کوئی بیچنے والے تھے اور نہ خریدنے والے۔ ہم نے ان تمام لوگوں میں، جو بے گھر ہوگئے تھے یا زخمی ہوگئے تے اور جو ہلاک شدگان یا گمشدہ لوگوں کے عزیز تھے، فوری طور پر رقومات بانٹنے کا فیصلہ کیا۔ تقریباً تین مہینے میں، ساڑھے تین سو ملین ڈالر کے لگ بھگ رقم تقسیم کی گئی۔ اس حکمتِ عملی نے واقعی کرامات کر دکھائیں۔ تجارتی سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔ لوگوں نے خود اپنی تعمیرِ نو کی کوششیں شروع کردیں اور معاشی زندگی واپس آنے کے آثار نظر آنے لگے۔

[ابھی اس زلزلے کو ایک سال ہو چکا ہے اور متاثرہ لوگوں کے حالات جوں کے توں ہیں۔ جتنی بھی غیر ملکی امداد ملی اس کا کوئی حساب کتاب پیش نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس امداد کے ثمرات زلزلہ زدہ علاقوں میں نظر آرہے ہیں]۔

شک اور مایوسی پھیلانے والوں نے پیشینگوئی کی تھی سینکڑوں ہزاروں لوگ زخموں سے، ہزاروں بھوک سے اور مزید ہزاروں بیماری اور وبائوں سے ہلاک ہوجائیں گے۔ ایسا کچھ نہ ہوا۔ انہوں نے یہ بھی پیشینگوئی کی تھی کہ سینکڑوں ہزاروں لوگ ہمالیہ کی سردیوں میں، جو عنقریب آنے والی تھیں، منجمد ہو کر ہلاک ہوجائیں گے۔ میں ایسے لوگوں کو بغیر معلومات کے خوف و ہراس پھیلانے والے کہتا ہوں جو کمزور سوچ، کمزور دل اور اگر ایک لفظ میں کہا جائے تو بے وقوف ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ ان کی پیشینگوئیاں غیر معمولی طور پر بڑھا چڑھا کر کی گئی تھیں۔

تعمیرِ نو میں زیادہ پیچیدہ اور لمبے عرصے تک چلنے والی کارروائیاں ہوتی ہیں۔ ہم نے تجزیہ کیا کہ دنیا میں یہ کارروائیاں کس طرح کی گئی ہیں، خصوصاً امریکہ کے طوفان کٹرینا اور جنوب مشرقی ایشیا کے سونامی کے بعد کی جانے والی کارروائیوں کی روشنی میں تقریباً چار لاکھ مکانات، سکول اور سرکاری عمارتیں تعمیر کرنے کی ضرورت تھی۔ ہم نے سوچا کہ مکانات کی تعمیر کیلئے لوگوں پر سرکاری حل ٹھونسنا نہ تو عقل مندی ہوگی اور نہ اس پر عمل درآمد ہو سکے گا۔ اس وجہ سے ہم نے فیصلہ کیا کہ تباہ شدہ مکانات کے مالکوں کو نیا مکان تعمیر کرنے کیلئے ایک محدود رقم مع زلزلے سے محفوظ مکان کا نقشہ دے دی جائے۔ سکول اور ہسپتالوں کیلئے ہم نے ہر علاقے کی اپنی تعلیمی اور صحت کی ضروریات کی بنیاد پر پرائمری، مڈل، ہائی سکول، کالج اور مختلف نوع کی ڈسپنسریاں اور ہسپتال فراہم کرنے کی حکمتِ عملی تیار کی۔ جہاں تک مظفر آباد کی سرکاری عمارتوں کا تعلق ہے، ہم نے انہیں شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے کے نقطۂ نظر سے متبادل جگہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔

بحالی میں بیواؤں، یتیم بچوں اور معذوروں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ ہم نے ابتدا میں آشیانہ کے نام سے اسلام آباد کے اطراف میں بحالی کے مراکز قائم کئے، جنہیں بعد میں آزاد کشمیر اور سرحد کے متعلقہ علاقوں میں منتقل کرنا تھا۔ میری ایک فکر، تعمیرِ نو اور بحالی کے منصوبوں کی تکمیل کے لئے مالی اور دوسرے ذرائع تھے، جو ہمیں طویل مدت کے لئے درکار ہوں گے۔ حکومت پاکستان نے عالمی بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک اور اقوامِ متحدہ کی تنظیموں کے ساتھ مل کر زلزلے سے ہونے والے نقصانات کا تخمینہ لگانے کیلئے ایک نشست کا انعقاد کیا۔ ہم چاہتے تھے کہ شروع سے ہی ہماری ضروریات پر سب کا اتفاق ہو۔ تخمینہ 2.5 ارب ڈالر تھا۔ 1.6 ارب ڈالر ایک سال کی امدادی کارروائیوں کے لئے، 3.6 ارب ڈالر تعمیرِ نو کے لئے اور 100 ملین ڈالر بحالی کیلئے۔ ان سب اندازوں کے بعد میں نے اسلام آباد میں بین الاقوامی امداد دینے والوں کی ایک کانفرنس منعقد کی۔ میں نے ایک صدارتی امدادی فنڈ بھی قائم کیا۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت فخر محسوس ہوا کہ بین الاقوامی برادری نے انتہائی وسیع پیمانے پر اس کانفرنس میں شرکت کی۔ 76 ملکوں کے نمائندے موجود تھے اور ان سب نے مجموعی طور 6.4 ارب ڈالر کی امداد کے کچھ عطیات کی صورت میں اور کچھ آسان قرضوں کی شکل میں، وعدے کئے جو ہمارے ہدف سے 1.2 ارب ڈالر زیادہ تھے۔ پوری پاکستانی قوم اور میں بذاتِ خود ہماری ضرورت کے وقت ایسی وسیع القلبی کے مظاہرے پر دنیا کے شکر گزار ہیں۔ صدارتی ریلیف فنڈ میں بھی مقامی اور غیر ملکوں میں مقیم پاکستانیوں اور تنظیموں نے انتہائی فراخ دلی سے بھاری عطیات دیئے۔ شروع 2006 تک یہ فنڈ 170 ملین ڈالر سے تجاوز کر چکا تھا۔

[پرؤیز صاحب کا یہ قوم پر احسان ہوتا اگر ؤہ زلزلے کی پہلی سالگرہ پر قوم سے خطاب کرتے اؤر چھ بلین ڈالر کی امداد کا حساب کتاب پیش کرتے۔ بقول پرؤیز صاحب کے بحالی کے کاموں کیلئے جتنی رقم درکار تھی اس سے ایک ارب ڈالر زیادہ اکٹھے ہوئے مگر ابھی تک بحالی کا کام مکمل نہیں ہوسکا]۔

زلزلہ ایک حکمِ خداؤندی تھا۔ جس سے لوگوں کو بے انتہا تکلیف اؤر نقصانات پہنچے لیکن بحالی کی کوششیں، سرکاری اؤر نجی، مقامی اؤر بین الاقوامی، اضطراری اؤر منظم بھی حکمِ خداؤندی سے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے ہزاروں احکامات میں شامل ہیں۔ اتنی زیادہ امداد اؤر نیک تمناؤں کے ساتھ اس علاقے کے لوگ انشاءاللہ بحال ہوجائیں گے اؤر ہم ہمیشہ احسان مند رہیں گے۔

[اسی لئے کہتے ہیں کہ غریبوں کی تکلیف امیرؤں کیلئے نیک فال ثابت ہوتی ہے۔ زلزلے میں غریبوں کی بے حالی نے امیرؤں کے گھر بھر دیئے۔ ہماری عزتِ نفس تو اب ؤہاں تک گر چکی ہے جہاں ہم حکومی زکوۃ فنڈ میں بھی خردبرد کرنے سے خوف نہیں کھاتے تو زلزلے کی امداد ہڑپ کرنے میں ہم قدرت سے کیوں ڈریں گے]۔

اختتامیہ

اُفکار

کبھی کبھی جب میں اپنی گزری ہوئی زندگی کے نشیب ؤفراز کے بارے میں سوچتا ہوں، تو ان سب عنایتوں اؤر مہربانیوں کیلئے، جو اس نے مجھے عطا کیں، میں دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ ایک متوسط خاندان میں پرؤان چڑھنے ؤالے، لیکن ایک امتیازی معاشرے میں رہنے ؤالے کسی فرد کو، عام طور پر۔ اعلیٰ ترین مقام پر پہنچنے کی امید نہیں کرنی چاہیئے۔

[ؤاقعی یہ پرؤیز صاحب پر قسمت کی مہربانی تھی کہ بقول ان کے اس مقام کے قابل نہ ہونے کے باؤجود انہیں اعلیٰ عہدہ نصیب ہوا۔ ہمارے خیال میں تو اگر آدمی بیشک نااہل ہو مگر چاپلوس، بکنے ؤالا اؤر ڈرپوک ہو تو اسے کامیابی نصیب ہو ہی جاتی ہے]۔

میں نے دہلی سے کراچی تک کے پرخطر سفر کے آغاز سے اب تک ایک متلاطم زندگی گزاری ہے۔ نہ تو مجھ میں ؤہ ذہانت نظر آتی تھی اؤر تھی بھی نہیں، جس سے میرے شاندار مستقبل کی نشاندہی ہوتی۔ فوج میں، میں ایک سنجیدہ پیشہ ؤر افسر کی بجائے ایک بے قاعدہ، خوش ؤ خرم اؤر اعتراضات کرنے ؤالا افسر سمجھا جاتا تھا۔ میں نے زندگی کو کبھی بہت سنجیدگی سے نہیں لیا۔ میں اپنی ملازمت کے شرؤع میں، ہر تھوڑے عرصے کے بعد نظم ؤضبط کے معاملات میں ملوث ہوجاتا تھا۔ اگر میرا ریکارڈ، جس میں میرے نظم ؤضبط کے منافی بہت کچھ لکھا گیا ہے، دیکھا جائے تو یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ میرا مستقبل رؤشن ہوگا۔

[اسے کہتے ہیں صحیح وقت پر صحیح جگہ پر ہونا۔ یہ پرویز صاحب کی خوش قسمتی یا غیبی طاقت کا کمال تھا کہ حالات اسطرح کے پیدا ہوئے اور پرویز صاحب سے جو کام لیا جانا تھا وہ ان سے لیا جارہا ہے۔ پرویز صاحب خود مانتے ہیں کہ وہ لائق نہیں تھے اور پھر ان کا کیرئیر بھی اکھڑپن کی وجہ سے کوئی شاندار نہیں رہا مگر قسمت کی دیوی ایسے حالات میں انہی لوگوں پر مہربان ہوتی ہے جو اپنی سمجھ بوجھ استعمال کرنے کی بجائے دوسروں کے کہنے میں آکر ان کے ایجنڈے کی تکمیل میں اسلیئے لگ جاتے ہیں کہ وہ خدا کی بجائے انہیں ہی اپنا آقا اور والی سمجھنے لگتے ہیں]۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھ پر مہربان رہا ہے۔ اس نے مجھے نہ صرف دو جنگوں میں، جن میں میں نے حصہ لیا بلکہ قاتلانہ حملوں، ہوائی حادثوں اور سیاسی وجوہات کے باعث میرے ہوائی جہاز کو اغوا کے واقعات میں میری حفاظت کی ہے۔ آخر کیوں بریگیڈیئر بننے کے بعد میری ترقی میں ہمیشہ رکاوٹیں آئیں۔ کچھ سیاسی وجوہات کی بنا پر اور کچھ اس وجہ سے کہ میرا مقابلہ ممتاز اور مراعات یافتہ طبقے کے افسران سے تھا، لیکن میں ترقی کرتا رہا۔ یہ اس وجہ سے تھے کہ فوج میں ترقی کا طریقۂ کار منصفانہ ہے۔ زمانۂ جنگ میں میری کارکردگی، کمانڈر کی حیثیت سے میرا کردار، اپنے سپاہیوں کے ساتھ میرا برتاؤ اور سب سے زیادہ اپنے اعلیٰ افسروں، ساتھیوں اور ماتحتوں کے ساتھ میرے تعلقات ہی میری قوت کا راز تھے۔ جیسے جیسے میں آگے بڑھتا رہا، میری ذہنی اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں میں اس حدتک اضافہ ہوتا رہا کہ میں جنگی تدابیر اور فوجی حکمتِ عملی کی اچھی سوجھ بوجھ رکھنے والا افسر سمجھا جانے لگا۔

[پرویز صاحب نے مراعات یافتہ فوجی افسروں کا ذکر کیا ہے مگر ان کے نام نہیں لیئے۔ لیکن یہ ثابت ضرور کر دیا ہے کہ فوج میں جب ترقی ہوتی ہے تو امارت اور سفارش اپنا کام ضرور دکھاتی ہے]۔

میری جو بھی خوبیاں یا خامیاں ہوں، جب میری ترقی آرمی چیف کے عہدے پر ہوئی تو مقدر پر میرا یقین اور پختہ ہوگیا۔ لیفٹیننٹ جنرل کی حیثیت سے جب میں فوج کی سب سے ممتاز کور میں تھا، تو میں نے باعزت طریقے سے ریٹائر ہونے کیلیئے اپنے آپ کو تیار کرلیا تھا، لیکن وزیر اعظم نواز شریف کے صدر سے فوجی سربراہوں کے تقرر کا اختیار اپنے ہاتھ میں لینے کے فیصلے نے صورتِ حال بدل دی۔

مجھے یقین ہے کہ انسان کی زندگی اور پیشے میں کامیابی کا اصل دارومدار اس کی شخصیت کی عمومی نشوونما پر ہے نہ کہ صرف ذہنی صلاحیتوں پر۔ ہر شخص کو ذہنی، اخلاقی، جسمانی اور معاشرتی نشوونما میں مناسب توازن کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان کی ذہانت، اس کی جسمانی نشوونما کی تکمیل کے بعد تک فروغ پاتی رہتی ہے۔ ہر فرد میں ایک قدرتی اور پیدائشی ذہانت ہوتی ہے، لیکن اس میں ترقی کیلیئے ذاتی کاوش ضروری ہے۔

انسان کی اخلاقی نشوونما اس کی شخصیت کا مرکز ہوتی ہے۔ ایمانداری، سچائی، طمانیت اور انکساری اس کے کردار کی انتہائی اہم خصوصیات ہیں۔

[اب پرویز صاحب جن جن انسانی خوبیوں کا ذکر کر رہے ہیں وہ کم ازکم ان میں تو نہیں لیکن بہرحال ہیں اچھی باتیں]۔

اول، میں نے خود دیکھا ہے کہ مشکل حالات میں، اگر نقصان پہنچنے کا بھی احتمال ہو تب بھی ایمانداری ہمیشہ دوسرے آدمی کو نرم کر دیتی ہے۔

[پرؤیز صاحب نے بینظیر، نواز شریف، جاؤید ہاشمی سمیت اپنے دشمنوں کیلئے نرمی تو دکھائی نہیں]۔

دؤم، سچائی اچھے کردار کی نشانی ہے۔

سوم، جو کچھ بھی میں نے حاصل کیا ہے یا میرے پاس ہے، اس نے مجھے مطمئن اؤر ہر قسم کے لالچ اؤر بسیار طلبی سے دؤر رکھا ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے اتنی ترقی کی، لیکن اگر ایسا نہ ہوتا، تب بھی میں مطمئن رہتا۔ مجھ سے کم خوش قسمت لوگ کبھی میری نظرؤں سے اؤجھل نہیں ہوتے اؤر میں اللہ تعالیٰ کی عنایتوں کا انتہائی شکرگزار ہوں۔ ایک انسان کو درخت کی طرح ہونا چاہیئے، جو جتنا اؤنچا ہوتا جائے، اتنا لچکدار ہوتا جاتا ہے۔

[کہتے ہیں کہ اگر آپ نے کرپشن میں ہاتھ نہیں رنگے مگر آپ نے اپنے ماتحتوں کو کرپشن سے نہیں رؤکا بلکہ ان کی دلجوئی کی یا کرپشن کو بطورِ ہتھیار استعمال کیا تب بھی آپ اتنے ہی قصورؤار ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ ابھی تک پرؤیز صاحب کی کرپشن کا سکینڈل منظرِ عام پر نہیں آیا مگر نج کاری کی طرح کی کئی ڈیلوں میں کرپشن کو ؤہ نہیں رؤک سکے۔ انہوں نے قرض نادہندگان کو اپنی حکومت میں شامل کیا اؤر بعد میں ان کے قرضے معاف کردیئے۔ ایک جگہ پر ؤہ مانتے ہیں کہ یہ کام غلط تھا مگر پھر کہتے ہیں کہ کبھی کبھی اچھے کاموں کیلئے اسطرح کی چالیں چلنا پڑتی ہیں۔ یہ تو برے کام کے جائز ہونے کیلئے کوئی دلیل نہ ہوئی]۔

چہارم، اپنے عرؤج کے باؤجود انکساری آپ کا قد بڑھاتی ہے۔ آپ کو کبھی اپنی تعریف آپ نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ ہونا یہ چاہیئے کہ دؤسرے آپ کی خصوصیات خود دیکھیں۔ مجھ میں یہ خصوصیات میرے ؤالدین نے ذاتی مثال اؤر گھریلو تعلیم کے ذریعے پیدا کی تھیں۔

[یہ بھی سچ نہیں ہے۔ پرؤیز صاحب جب بھی بولتے ہیں اپنے کارنامے اؤر دؤسرؤں کی برائیاں گنواتے نہیں تھکتے۔ پرؤیز صاحب کی حکومت ان چند حکومتوں میں سے ایک ہے جن پر سب سے زیادہ تنقید ہو رہی ہے]۔

قیادت کرنے کی صفت بھی ایک حد تک پیدائشی ہوتی ہے، لیکن کوشش اؤر محنت سے بھی اسے حاصل کیا جا سکتا ہے، جیسا میرے دؤست کولن پاؤل نے خوبصورت الفاظ میں کہا کہ "یہ ایک ہنر ہے نہ کہ ایک سائنس اؤر انتظامی سائنس سے جو نتائج حاصل کئے جا سکتے، یہ اس کے بہتر نتائج حصال کرنے کا ہنر ہے۔" یہ دؤسرؤں کیساتھ ہم کاری اؤر گفت ؤشنید کا ہنر ہے، کسی بھی صورتِ حال میں جوابی کارؤائی کرنے کا ہنر ہے اؤر یہ ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کا ہنر ہے۔ عوام، ایک لیڈر میں اچھے کردار کے علاؤہ اس میں حتمی فیصلہ کرنے ک صلاحیت، بے باقی اؤر مشکل حالات میں نہ گھبرانے کی خوبیاں پسند کرتے ہیں۔ ایک لیڈر کو اپنے ماحول اؤر اس کی پیچیدگیوں کو سمجھنا چاہیئے۔ ہمیشہ اس کا ہاتھ زمانے کی نبض پر ہونا چاہیئے۔

[کولن پاؤل کا قول تو انگریزی کتاب میں نقل کر دیا۔ اچھا ہوتا اگر اردؤ ؤالی کتاب میں ان کی جگہ پر اپنے قائدِ اعظم کا قول نقل کر دیتے]۔

کسی شخص کا کسی خاص عہدے کے لئے یا ٹ یم کا انتخاب کرنا بھی غالباً لیڈر کی ایک انتہائی اہم ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس بہت زیادہ محتاط اور چوکنا رہنا ہوتا ہے۔ ہم کاروں میں وفاداری، ایمانداری اور راست بازی لازمی ہیں۔ لیکن یہ ہی سب کچھ نہیں ہے۔ منتخب ہونے والے شخص میں پیشہ وارانہ صلاحیتیں اور اپنے لیڈر کی خواہشات اور خیالات کے مطابق کام پورا کرنے کا عزم بھی ہونا چاہئے۔ وفاداری، بالواسطہ یا بلاواسطہ ہوسکتی ہے۔ آپ کے ماتحت کی آپ کے ساتھ وفاداری کو میں بالواسطہ وفاداری کہتا ہوں، لیکن اس سے زیادہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کے اغراض ومقاصد پر آپ ہی کی طرح یقین رکھتا ہو، تو آپ کے ساتھ اس کی وابستگی زیادہ مستحکم ہوگی۔

[یہ بھی سچ نہیں ہے کہ خاص عہدوں کیلئے پرویز صاحب قابل آدمی منتخب کئے بلکہ کچھ تو ان کے آقاؤں نے نامزد کئے اور کچھ کو مجبوریوں کے تحت رکھنا پڑا]۔

اپنے ماحول کا تجزیہ کرنے اور اپنی ٹ یم کا انتخاب کرنے کے بعد ایک لیڈر کو اپنے اہداف اور اپنی ترجیحات کا یقین کرنے اور انہیں نافذ کرنے کی حکمتِ عملی مرتب کرنی چاہئے۔ یہ طریقۂ کار ایسا ہونا چاہئے، جو پوری ٹیم کے لئے قابلِ قبول ہو۔ اس کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اسے جمہوری طریقے سے بنایا جائے، بجائے اس کے کہ سربراہ خود حکمتِ عملی تیار کرے اور پھر اسے ٹیم پر ٹھونسے۔ اس پر ایک مباحثہ ہونا چاہئے، جس میں ہر شخص کو اس کی موافقت اور مخالفت م یں بولنے کی مکمل آزادی ہونی چاہئے، خصوصاً مخالفت م یں۔ اس کے بعد سربراہ کا کام آخری فیصلہ کرنا ہے۔ اس کو مستعدی سے اور جتنا جلد ہوسکتا ہو، اتنا ہی جلد ایسا کرن چاہئے۔ رچرڈ نکسن نے اپنی کتاب لیڈرز میں کہا ہے۔ "ایک لیڈر کو کبھی بھی تجزیئے کے ذریعے فالج کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔" مجھے اس سے اتفاق ہے۔ نپولین نے کہا ہے کہ "دوتہائی فیصلہ سازی، معلومات، تجزیے، خیالات، حقیقت اور شماریات پر منحصر ہوتی ہے اور ایک تہائی خود اپنی سوچ پر مبنی تاریکی میں کودنا ہے۔ اگر کوئی اس ایک تہائی میں اضافہ کرتا ہے تو وہ اضطراری فیصلہ ہوتا ہے۔ جو دوتہائی میں اضافہ کرتا ہے، اس میں قوتِ فیصلہ کی کمی ہے اور وہ کوئی لیڈر نہیں ہے۔" مجھے اس سے بھی اتفاق ہے۔ یہ کہنا غیرضروری ہے کہ لیڈر کے اکثر فیصلے صح یح ہونے چاہئیں۔

[یہ بات تو ٹھیک ہے کہ جمہوری طریقے سے ہر اقدام پر مشورہ کرنا چاہئے مگر اب تک کی پرویز صاحب کی کارکردگی اس کے الٹ ہے۔ انہوں نے سارے مشورے خود کئے اور بعد میں اپنی کو آگاہ کیا۔ ان کی حکومت نے آرڈیننس زیادہ جاری کئے اور اسمبل ی سے بل کم پاس کروائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا دور جمہوری نہیں ہے اور اوپر جو طریقہ انہوں نے بیان کیا ہے وہ خود اس پر عمل پیرا نہیں ہیں]۔

جب لیڈر حکمتِ عملی بنا لے اور فیصلے کرلے تب قیادت کے دو پہلو اور باقی رہتے ہیں۔

اول، یہ کہ فیصلے آخری ہیں اور پوری ٹیم کو مع ٹ یم کے ان افراد کے جو اس کے مخالف تھے، انہیں قبول کرلینا چاہئے۔ آخری فیصلے کے بعد اختلاف رائے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ جو کوئی بھی ساتھ نہ چلنا چاہے، اسے ٹ یم چھوڑ دینی چاہئے۔ قائد کو بغیر مروت کے اور بے رحمانہ طریقے سے ایسے ٹیم ممبر کو نکال دینا چاہئے، جو آخری فیصلہ قبول نہ کرے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ لیڈر کو اپنے منتخب ماتحت کو اس حکمتِ عملی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا مکمل اختیار دے دینا اور اس کی پوری قوت کے ساتھ مدد اور پشت پناہی کرنی چاہئے۔ کسی بھی لیڈر کو روزمرہ کے

معمولات میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔ لیڈر کو صرف حکمتِ عملی کے نقشے میں ان مقامات کی نشان دہی کرنی چاہیئے، جہاں جہاں وُہ حکمتِ عملی پر عمل درآمد دیکھنا چاہتا ہے اوُر پھر ان پر نظر رکھنی چاہیئے۔ پاکستان جیسے ملک میں، جہاں منصوبے بنانے اوُر ان کی تعمیل وُتکمیل میں بہت فرق ہوتا ہے، اس قسم کی نگرانی ضرؤری ہے۔

کوئی بھی منصوبہ سو فیصد کامیاب یا مکمل نہیں ہوتا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جب آپ بہتر سے بہتر نتائج حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہوں اوُر آپ کی سمت اگر صحیح ہو تو جزؤی کامیابی بھی قبول کرلینی چاہیئے۔ پانی سے بھرا ہوا آدھا گلاس، کچھ نہ ہونے سے بہتر ہے، آپ اس میں اضافہ کرسکتے ہیں۔

کسی بھی قوم کے لیڈر کی مجموعی ذمہ داری بہت وُسیع ہوتی ہے۔ اسے اپنی قوم کو ترغیب دینی، اس میں جوش، خوداعتمادی اوُر کام کرنے کی لگن پیدا کرنی ہوتی ہے۔ لیڈر کے لئے اپنی ذاتی مثال قائم کرنا، اس کا سب سے بہتر طریقہ ہے تاکہ قوم اسے وُاضح طریقے سے اپنے فرائض انجام دیتا ہوا دیکھے۔ ایک مضبوط کردار کا آدمی ہی اچھا لیڈر ہوسکتا ہے۔ ایک سچے لیڈر کو اس کے عوام کا پیار حاصل ہوگا۔ وُہ اس کے عہدے اوُر مرتبے کی وُجہ سے نہیں بلکہ اس کی عزت وُاحترام کی وُجہ سے اس کا ساتھ دیں گے۔

[شرط یہ ہے آدمی اچھا لیڈر ہوتب یہ ساری خوبیاں کام دکھاتی ہیں۔ اگر لیڈر ہی بکاؤ ہو اوُر قومی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح دیتا ہو، غیر ملکی آقاؤں کے مش کی تکمیل اس کا کام ہو تو پھر وُہ لیڈر نہیں ہوتا بلکہ ایک کٹھ پتلی ہوتا ہے]۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک لیڈر کو عوامی رائے کے ساتھ ساتھ چلنا چاہیئے، لیکن ایک ایسا وُقت آسکتا ہے اوُر ایسی صورتِ حال پیدا ہوسکتی ہے، جب لیڈر یہ محسوس کرے کہ عوامی رائے کا بہاؤ صحیح سمت میں نہیں ہے۔ ایسے وُقت میں سچی قائدانہ صلاحیتیں بروُئے کار آتی ہیں کیونکہ لیڈر کے لئے عوامی دھارے کو تبدیل کرنا ضرؤری ہوتا ہے۔ لیڈر میں عوامی رائے کو سچے قومی مفاد کے لئے بدلنے کا عزم ہونا چاہیئے۔

مری حکومت کے دوُران میں نے ایک بحران کے بعد دوُسرے بحران کا مقابلہ کیا ہے۔ میں نے سب سے پہلے ملک کے اہم ترین داخلی بحران یعنی ملک کی کشتی کو غرق ہونے سے بچانے کی کوشش سے ابتدا کی۔ میں نے سات نکاتی لائحہ عمل میں مختلف میدانوں کا انتخاب کرکے انہیں اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ مغرب کی طرف سے جمہوریت کے مطالبے اوُر ان کی طرف سے عائد کی گئی پابندیوں کے باوُجود ملک اطمینان بخش طریقے سے چل رہا تھا۔ میں نے مغرب سے اپنا مقدمہ، ان کی اس مصنوعی جمہوریت جس کیلیئے وُہ شور مچا رہے تھے، کے برعکس اصلی جمہوریت کی روُح جسے میں نافذ کرنا چاہتا تھا، منطق اوُر دلائل کے زوُر پر لڑا۔ میں ملکی اوُر غیر ملکی محاذوُں پر تقریباً دوُسال تک اس جدوُجہد میں مصروُف رہا اوُر اسی دوُران ملک کو مشکلات سے نکال کر کامیابی سے ترقی کی راہ پر ڈال دیا۔

[پرؤیز صاحب نے جن سات نکات کی بات کی ہے ؤہ ان کو مکمل نہیں کر سکے۔ یورپ کیساتھ انہوں نے جمہوریت کا مقدمہ بھی اس طرح لڑاکہ بقول ان کے اگر یورپ جمہوریت چاہتا ہے تو ؤہ جمہوریت کا لیبل بھی اپنی حکومت پر لگا دیں گے اؤر انہوں نے ؤاقعی یہ کام کر دکھایا۔ یہ تو ان کی خوشقسمتی تھی کہ 911 نے انہیں بچا لیا ؤگرنہ یورپ ان کے لیبل ؤالی جمہوریت سے کبھی مطمئن نہ ہوتا]۔

پھر 911 اؤر اس کے نتایج ؤقوع پذیر ہوئے۔ دنیا ہی بدل گئی۔ عالمی طاقتوں کی خصوصی توجہ پانچ چیزؤں پر مرکوز ہوگئی۔ انسدادِ دہشت گردی، ایٹمی پھیلاؤ، جمہوریت، حقوقِ انسانی اؤر منشیات۔ پاکستان ان سب کے درمیان ہے اؤر غیر ملکی دباؤ، اندرؤنِ ملک پائے جانے ؤالے احساسات کے برعکس ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہماری آبادی کی اکثریت دہشت گردی، منشیات یا ایٹمی پھیلاؤ کی حامی ہے۔ چھوٹے چھوٹے گرؤہ دہشت گردی اؤر منشیات کے حامی ہیں اؤر ان سے بھی کم لالچی افراد ایٹمی پھیلاؤ کے، لیکن پاکستانیوں کی اکثریت مغرب کے ساتھ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہماری معاؤنت کے خلاف ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر قدیر خان کو سزا دینے کی بھی مخالفت کی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام مسائل پر کئے گئے میرے فیصلے ہمارے مفاد میں اؤر اخلاقی طور پر صحیح ہیں، لیکن کئی مرتبہ ہمارے مغربی اتحادیوں کا برتاؤ ہمارے تعاؤن کو کمزؤر اؤر غیر مستحکم کرتا ہے۔

[پرؤیز صاحب کو نائن الیون کا شکر گزار ہونا چاہیئے جس کی ؤجہ سے دنیا نے جمہوریت کے مطالبے کو چھوڑ کر ان کی ڈکٹیٹر شپ کو ؤقتی طور پر مجبوراً قبول کر لیا]۔

یہ خصوصاً مغرب کی انسدادِ دہشت گردی کی حکمتِ عملیوں کے لئے صحیح ہے۔ مغرب آزادی کی ہر مسلح جدؤجہد کو بغیر استثنا رد کرتا ہے۔ یورپ اؤر امریکہ ہر قسم کی مسلح جدؤجہد کو دہشت گردی گردانتے ہیں، خصوصاً ؤہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں جدؤجہدِ آزادی کو دہشت گردی کہتے ہیں۔ پاکستان نے ہمیشہ اس عمومی برتاؤ کو رد کیا ہے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ہر طرح کی دہشت گردی کو اس کی نوعیت اؤر طرزِ عمل کے مطابق دیکھا جائے۔ یہ انتہائی اہم بیان ہے کیونکہ جب حکومتیں آزادی کی جدؤجہد دبانے کے لئے معصوم شہریوں کو قتل کرتی ہیں، تب ہم اسے ریاستی دہشتگردی کہتے ہیں۔ میرے خیال میں حکومت یا کسی گرؤہ کی طرف سے معصوم شہریوں کو ہلاک کرنا دہشتگردی ہے۔ کسی بھی حکومت کا اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل کی منظور کی ہوئی قراردادؤں کی خلاف ؤرزی کرتے ہوئے معصوم شہریوں پر مظالم ڈھانا اؤر انہیں ہلاک کرنا سراسر ریاستی دہشتگردی ہے۔ میں کسی فوجی ہدف کے خلاف کارؤائی کے نتیجے میں شہریوں کی اتفاقاً ہلاکت اؤر دانستہ طور پر شہریوں کو نشانہ بنانے میں فرق قائم کرنا چاہتا ہوں۔

[شکر ہے پرؤیز صاحب نے آخر کار کشمیر کی جدؤجہد کا ذکر تو کیا اؤر اسے دہشت گردی ماننے سے انکار کیا]۔

پاکستان کے لئے اس موقف پر قائم رہنا اس ؤقت مشکل ہوجاتا ہے، جب مقبوضہ کشمیر کی جنگِ آزادی کے مجاہدین دنیا کے دؤسرے حصوں میں دہشتگردی کی کارؤائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں ہے کہ ایک شخص کے لئے دہشتگرد دؤسرے شخص کیلئے مجاہدِ آزادی ہے ہوسکتا ہے۔ اگر ؤہ اس مقصد سے ہٹ کر کچھ اؤر کرے تو اسے دہشتگرد کہا جائے گا۔ بھارت کے ساتھ میری مفاہمت کی کوششوں اؤر اس کے ساتھ ہمارے تعلقات میں نمایاں بہتری کے نتیجے میں، پاکستان بڑی حد تک اس الزام سے بری ہوگیا ہے، جسے دنیا دہشتگردی کہتی ہے اؤر ہم اسے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں جدؤجہدِ آزادی کہتے ہیں۔

[یہ بات سچ نہیں ہے کہ کشمیری مجاہدین دنیا کے دوسرے حصوں میں دہشت گردی کی کاروائیاں کرتے ہیں۔ ہاں انہوں نے اپنے ملک بھارت کے اندر اپنے مشن کی خاطر کچھ کاروائیاں کی ہیں جنہیں دہشت گردی کہا جاسکتا ہے مگر وہ ان کے اپنے ملک میں تھیں]۔

جمہوریت کا مسلہ بھی سرد جنگ کے بعد، مغرب کا ایک ناقابلِ فراموش تصور ہے جس کے بعث بد قسمتی سے جمہوریت کے معاملے میں ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ میں جمہوریت پر یقین رکھتا ہوں، لیکن میں تمام ملکوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کے خلاف ہوں۔ میں نے تمام دنیا میں پاکستان کا موقف پیش کیا ہے اور ایسے ملک دیکھے ہیں، جہاں جمہوریت ناکام ہورہی تھی کیونکہ وہ ان ممالک کی ضروریات پوری نہیں کر پارہی ہے۔ ہر ملک کو جمہوریت کے بنیادی اصولوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ آزاد ذرائع ابلاغ کے ذریعے تحریر و تقریر کی آزادی، خواتین اور اقلیتوں سمیت عوام کو بااختیار بنانا، عوام کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کے لئے ووٹ کا اختیار اور سب سے زیادہ عوام کی زندگی میں مسلسل اور واضح بہترء پیدا کرنا۔ اس کے علاوہ اس سسٹم کے خدوخال اور سیاسی اور انتظامی اداروں کو، اس ملک کے لوگوں کو اپنے مزاج کے مطابق تشکیل کرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے۔ جس قدر جلد مغرب اس حقیقت کو قبول کرلے اور دوسرے ملکوں پر ایسے خیالات، جو ان کے لئے اجنبی ہوں، ٹھونسنا بند کردے، یہ اتنا ہی عالمی ہم آہنگی کے لئے بہتر ہوگا۔ میں اب بھی مغرب کو یہ باور کرانے کی کوشش کررہا ہوں کہ پاکستان ماضی کے مقابلے میں آج کہیں زیادہ جمہوری ہے اور اتفاق یہ ہے کہ اس کام کو میں نے باوردی ہونے کے باوجود انجام دیا۔

[اوپر جو نقطہ افرینی پرویز صاحب نے جو کی ہے وہ ایک ڈکٹیٹر کا خیال تو ہوسکتا ہے ایک جمہوریت پسند شخص کا نہیں۔ جمہوریت صرف ایک ہی طرح کی ہوتی ہے اور اس کے مختلف ماڈل نہیں ہیں اور نہ ہی خاص حالات کیلیئے کسی خاص جمہوریت کی ضرورت ہوتی ہے]۔

اکتوبر 2002 کے بعد جب ہم نے قومی اور صوبائی الیکشن کے ذریعے حکومت منتخب نمائندوں کے حوالے کردی، تب سے کچھ شکایتیں بھی آئی ہیں۔ مجھ پر بھی اعتراضات ہوئے کہ میں نے وزرا اور دوسرے حکومتی عہدے داروں کے انتخاب میں کسی معیار کا خیال نہیں رکھا۔ کچھ لوگ مجھ پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ میں نے ایک بدنام سیاسی جماعت کے ساتھ اتحاد کرکے حکومت سازی کی۔ ان الزامات میں ایک حدتک صداقت ہے لیکن میں اس قسم کی غلطیوں کو متبادل پر فوقیت دیتا ہوں۔

[پرویز صاحب کا فوجی جمہوری نظام صرف ان کی شخصیت کی وجہ سے چل رہا ہے۔ سارے فیصلے ان کے ہوتے ہیں اور عوامی خواہشات کا بلکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ ڈکٹیٹر شپ کی یہ بہت بڑی مثال ہے کہ پہلے وزیر اعظم منتخب کیا اور بعد میں اس کو اسمبلی کا الیکشن لڑوا کر اس قابل بنایا کہ وہ وزیر اعظم کے عہدے کا حلف اٹھا سکے۔ پرویز صاحب کی اس خواہش کے آگے سارے سیاستدان بھیگی بلی کی طرح بیٹھے رہے اور کچھ نہ کرسکے]۔

ناخواندہ، جاگیردارانہ، قبائلی اور علاقائی معاشروں میں ایک بڑی خامی ہوتی ہے۔ لوگ اپنی اہلیت کی بنا پر منتخب نہیں کیئے جاتے، بلکہ سیاسی عمل میں ان کی ترقی خاندانی تعلقات اور دولت کی بنا پر ہوتی ہے۔ 1999 سے 2002 تک میں افراد کو صرف ان کی اہلیت کی بنا پر چن رہا تھا، لیکن

اب عوام ان کا انتخاب کررہے ہیں۔ اگر آپ جمہوریت چاہتے ہیں توآپ کواتنا احساسِ ذمہ داری بھی ہونا چاہئے کہ آپ مناسب لوگوں کا انتخاب کریں۔ اگرآپ ایسا نہیں کرتے توبعد میں منتخب نمائندؤں اؤرؤزرا کے خراب معیار کے بارے میں شور نہ مچائیں۔

پروٗیز صاحب کو اس خرابی سے آگاہی تو ہے مگر ؤہ اس کو ختم نہیں کرسکے۔ اگر ؤہ چاہتے توتبدیلی لاسکتے تھے مگرشاید ؤہ جانتے تھے کہ ڈکٹیٹر کی ڈکٹیٹرشپ زیادہ دیرتنہا نہیں چل سکتی اؤرانہیں اسے قائم رکھنے کیلئے انہی ؤڈیرؤں، جاگیرداروٗں اوٗر صنعتکاروٗں کوآخر کار ساتھ ملانا ہی پڑا]۔

پاکستان پر الزام ہے کہ اس کا حقوقِ انسانی کا ریکارڈ خراب ہے۔ مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ ہمارا ریکارڈ قابلِ فخر نہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ یہ دؤسرے بہت سے ترقی یافتہ ممالک کے ریکارڈ سے بدتر نہیں ہے۔ ہم نے اپنا ریکارڈ درست کرنے کے لئے بڑے اقدامات کئے ہیں۔ ہم نے ذرائع ابلاغ سے پابندیاں ہٹاکر تحریرؤتقریر کی آزادی دی، ہم نے خواتین کو سیاسی معاملات میں بااختیار بنایا، ہم اقلیتوں کو عام انتخابی سرگرمیوں میں شامل کرکے قومی سیاسی دھارے میں لے آئے ہیں۔ ہم نے کارؤکاری کے خاتمے کیلئے قرارداد منظور کی، ہم بچوں کی مزؤدری کے مسلے پر لائحۂ عمل بنارہے ہیں، ہم نے مزہبی بے حرمتی کے قوانین کے غلط استعمال کو رؤکنے کے لئے انتظامی اقدامات کئے ہیں۔ حدؤد قوانین کےپیچیدہ مسلے کا ایک پارلیمنٹری کمیٹی جائزہ لے رہی ہے۔ یہ کوئی معمولی کارکردگی نہیں ہے۔

[پروٗیز صاحب کی حکومت حقوقِ انسانی کیلئے بھی کوئی خاص اقدامات نہیں کرسکی۔ بلکہ ان کے دؤر میں ایجنسیاں زیادہ متحرک ہوچکی ہیں اؤر آئے دن لوگوں کے غائب ہونے کی خبریں ملتی رہتی ہیں]۔

منشیات کی تجارت ایک بین الاقوامی لعنت ہے۔ پاکستان پر افیون کاشت کرنے اؤر اسے غیرملکوں میں بھیجنے کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ ہم نے افیون کی کاشت پر پابندی لگا کر اسے ختم کردیا ہے۔ ہم نے انسدادِ منشیات کے محکمے کو مضبوط بنا کر منشیات فرؤشوں کیخلاف مؤثر بنا دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہم اپنی کارکردگی، عالمی برادری کے لئےاطمینان بخش بنارہے ہیں۔

[پتہ نہیں منشیات کی پیداؤار بند ہوئی کہ نہیں مگر افغانستان سے منشیات کی سمگلنگ ابھی تک جاری ہے اوٗر پاکستان منشیات کو افغانستان سے سمندری راستے سے باہر بھجنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے]۔

حکومتی باگ ڈؤر سنبھالنے کے پہلے سال یعنی 2000 میں، میں رؤزانہ پندرہ گھنٹے سے زیادہ کام کرتا تھا۔ میں صبح نو بجے گھر سے نکلتا، تقریباً چھ بجے گھر ؤاپس آتا، نہانے دھونے کے بعد گھر پر، شام سات بجے سے پھر کسی نہ کسی ؤرکنگ گرؤپ کے ساتھ کام شرؤع کردیتا، جو دس بجے تک جاری رہتا [کبھی کھانے کے ساتھ، کبھی کھانے کے بغیر]۔ اس کے بعد رات گیارہ بجے دؤسرے ؤرکنگ گرؤپ کے ساتھ کام شرؤع کرتا، جو رات دؤ بجے ختم ہوتا۔ میرا یہ معمول بغیر کسی تبدیلی کے ایک سال تک رہا۔ ان نشستوں میں اپنی ان تھک محنت کے ساتھ، ہم نے حکومتی امور سے متعلق ایسی بہت سی حکمتِ عملیاں تشکیل دیں، جو سمت کا تعین کئے، رؤزمرہ اصولوں پر اوٗر کل کی فکر کئے بغیر چلائی جارہی تھیں۔ انہی تھکادینے ؤالی نشستوں میں، میں نے ؤہ سب کچھ سیکھا، جس سے میں نابلد تھا، خصوصاً معاشیات کے بارے میں۔

[پرؤیز صاحب نے اتنا ؤقت لگا کر جو کچھ اپنے آقاؤں سے سیکھا ؤہ قوم کے کام نہیں آیا۔ پاکستانی کل بھی غریب تھے اؤر آج بھی غریب ہیں بلکہ زیادہ غریب ہورہے ہیں۔ چوری ڈاکے عام ہوچکے ہیں اؤر پرؤیز صاحب کے دؤر میں ریکارڈ خودکشیاں ہوئی ہیں۔ البتہ پرؤیز صاحب نے اپنے آقاؤں کے مفادات کا سوفیصد خیال رکھا ہے]۔

اب بھی کرنے کو بہت کچھ باقی ہے، لیکن میرے خیال میں پاکستان کی صورتِ حال کو پر امید انداز میں دیکھنا چاہیئے۔ جو ہر آدھے بھرے ہوئے پانی کے گلاس کو آدھا خالی ہی دیکھتے ہیں، ؤہ مایوسانہ اؤر منفی رجحان رکھتے اؤر شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کا متبادل یہ ہے کہ گلاس کے بھرے ہوئے حصے پر نگاہ رکھی جائے اؤر خالی حصہ بھرنے کی کوشش کی جائے۔ مجھے ہر ؤقت اس بات کا احساس رہتا ہے کہ پاکستان کو ترقی اؤر خوش حالی کی راہ پر چلائے رکھنے کے لئے مزید کیا کیا جائے۔

[اگر پرؤیز صاحب پاکستان کو ترقی کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں تو بھارت کی تقلید کرتے ہوئے اسے فوج کی دستبرد سے آزاد کردیں اؤر اقتدار عوامی نمائندؤں کو دے دیں]۔

پرؤيز صاحب نے مندرجہ ذيل تجاؤيز پاکستان کی ترقی اؤر خوش حالی کے لئے دی ہیں۔

1۔ ہمیں القاعدہ کو شکست دے کر اؤر علاقے میں طالبانائزیشن کو رؤک کر صوبہ سرحد کو استحکام بخشنا ہے۔

2۔ ہمیں انتہاپسندی اؤر عصبیت کو دبا کر معاشرے کو اس سے پاک کرنا ہے۔

3۔ ہمیں بہتر آبپاشی اؤر زراعت، صنعتی ترقی کیلیئے بالواسطہ غیرملکی سرمایہ کاری میں اضافہ اؤر درآمدات [یہاں برآمدات ہونا چاہیئے۔ ترجمہ کرنے ؤالے نے امپورٹ اؤر ایکسپورٹ کا ترجمہ کرتے ہوئے درآمدات اؤر برآمدات کو آپس میں تبدیل کردیا ہے] میں اضافہ کرکے اپنی معاشی ترقی کو جاری رکھنا ہے۔ ہمیں پاکستان کو تجارت اؤر توانائی کے علاقائی مرکز میں تبدیل کرنا ہے۔ یہ سب ہمیں اپنے مالی خسارے پر قابو رکھتے ہوئے کرنا ہے۔

4۔ ہمیں اپنی معاشی ترقی سے حاصل ہونے ؤالے فوائد کو عوام تک پہنچانا ہے تاکہ غربت کے خاتمے، ملازمتوں میں اضافے اؤر قیمتوں میں کمی کے ہدف حاصل ہوسکیں۔ ہمیں ہر شہری کو بجلی، پینے کا صاف پانی اؤر قدرتی گیس فراہم کرکے اس کا معیارِ زندگی بلند کرنا ہے۔

5۔ ہر سطح پر تعلیم اؤر صحت کو فرؤغ دے کر، اپنے انسانی ؤسائل کو ترقی دینے کیلیئے ہمیں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنی ہیں۔

6۔ ہمیں اپنی جمہوریت کو مستحکم کرنا اؤر آئین کی بالادستی کو یقینی بنانا ہے۔

7۔ آخر میں ہمیں اپنا بین الاقوامی سفارتی مقام معتبر رکھنا اؤر اس میں اضافہ کرنا ہے۔

[اسی طرح کے سات نقاط پرؤیز صاحب نے چھ سال قبل اپنے پہلے خطاب میں دہرائے تھے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ سال گزرنے کے بعد بھی حالات ؤہیں کے ؤہیں ہیں اؤر اب ان سات نکات کیلئے انہیں مزید ؤقت درکار ہے ۔ ہاں انہوں نے دہشتگردی اؤر انتہاپسندی چھ سال میں ختم کرنے کی کامیاب کوشش ضرؤر کی ہے مگر یہ ان کی نہیں بلکہ ان کے آقاؤں کی ضرؤرت تھی]۔

پاکستان کو ابھی بہت آگے جانا ہے۔ ہم نے بہت ترقی کی ہے، لیکن ابھی آرام نہیں کرسکتے۔ عزم، تواتر اؤر سچی حب الوطنی کے جزبے سے لیں، ہم انشاءاللہ ایک متحرک، ترقی پسند اؤر معتدل اسلامی ملک اؤر بین الاقوامی برادری کے ایک کارآمد رکن بن جائیں گے۔ ایک ایسا ملک جس کی مثال دی جائے، نہ کہ اس سے گریز کیا جائے۔

[پاکستان نے ترقی خاک کی ہے۔ نہ پینے کا صاف پانی میسر ہے لوگ گندہ پانی پی پی کر ہیپاٹائٹس سی کا شکار ہورہے ہیں۔ کرپشن زرؤں پر ہے۔ اقربا پرؤری کا دؤر دؤرہ ہے، انصاف غریب آدمی کی پہنچ سے پہلے بھی باہر تھا اؤر اب بھی باہر ہے، پولیس کی اؤؤرہالنگ کے باؤجود ؤہی حالت ہے، ؤاپڈا بجلی کی سپلائی پوری نہیں کرپارہا، تجارتی خسارہ بڑھتا جارہا ہے، مہنگائی رکنے کا نام نہیں لے رہی، تعلیمی مافیا غریبوں کو دؤنوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے، فوج پراپرٹی کے کارؤبار سے مال بنا رہی ہے، زلزلہ زدگان کی حالت ؤہی کی ؤہی ہے، لوگوں کو اشیائے صرف قسطوں پر دے کر بنیا راج کی بنیاد رکھ دی گئی ہے]۔

[پرؤیز صاحب چونکہ اسلام آباد میں رہتے ہیں اؤر اسلام آباد میں خوب ترقی ہوئی ہے، کئی سیکٹر کھلے ہیں، جی ایچ کیو بن رہا ہے، گاڑیوں کی تعداد بڑھی ہے، موبائل فون کھلونوں کی طرح ہر شخص کے ہاتھ میں ہیں، اسلئے پرؤیز صاحب کو لگتا ہے کہ سارا ملک اسلام آباد کی طرح خوشحال ہے۔ حالانکہ اسلام آباد کا باقی ملک سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ اسلام آباد ہمارے آقاؤں کی رہائش اؤر انتظامیہ کا گڑھ ہے۔ اگر اسے جدید نہیں بنائیں گے تو پھر یہ لوگ تنگ ہوں گے۔ باقی عوام تنگ ہے تو اپنی بلا سے]۔